غاية المريد

في شرح

کِتاب التوحيد

تالیف

فضیلۃ الشیخ صالح بن عبدالعزیز بن محمد بن ابراہیم آل الشیخ

وزیر مذہبی امور سعودی عرب

دار السلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

غاية المريد

في شرح

(بزبان اردو)

کتاب التوحید

تالیف

فضیلۃ الشیخ صالح بن عبد العزیز بن محمد بن ابراہیم آل الشیخ

وزیر مذہبی امور سعودی عرب

عابد محمود قدوسی

غایۃ المرید

فی شرح

کتاب التوحید

(اردو)

ح مكتبة دارالسلام ، ١٤٢٤

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر

آل الشيخ ، صالح بن عبدالعزيز

غاية المريد في شرح كتاب التوحيد. / صالح بن عبدالعزيز آل الشيخ - الرياض، ١٤٢٤ هـ

٢٩٦ ص ١٤×٢١ سم

ردمك: ٦-٣٣-٨٩٢-٩٩٦٠

(النص باللغة الاردية)

١- التوحيد ٢- العقيدة الاسلامية أ- العنوان

ديوي ٢٤٠ ١٤٢٤/٩٧٢

رقم الإيداع: ١٤٢٤/٩٧٢

ردمك: ٦-٣٣-٨٩٢-٩٩٦٠

دارُالسّلام

کتاب وسُنّت کی اِشاعت کا عالمی اِدارہ

DARUSSALAM

ہیڈآفس : پوسٹ بکس:22743 ریاض:11416 سعودی عرب

فون : 4033962 - 4043432 (009661) فیکس: 4021659

اِی میل: darussalam@naseej.com.sa بک شاپ فون: 4614483 فیکس: 4644945

جدہ فون: 6879254 فیکس: 6336270 الخبر فون: 8692900 فیکس: 8691551

شارجہ فون : 5632623 (009716) فیکس: 5632624 (009716)

پاکستان : ① 36 B لوئر مال' لاہور فون: 7232400 - 7240024 (42 0092)

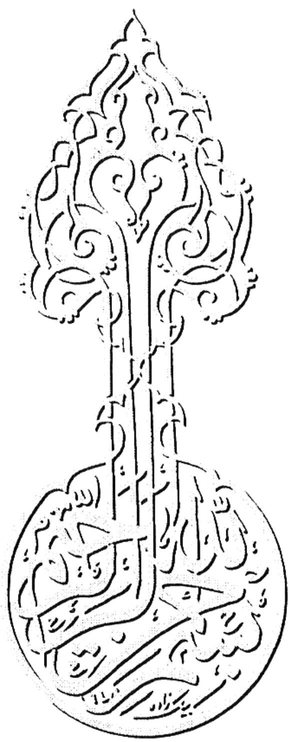
فیکس: 7354072 اِی میل: darussalampk@hotmail.com

② رحمان مارکیٹ' غزنی سٹریٹ' اُردو بازار' لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703

لندن فون: 5202666 (208 0044) فیکس: 5217645

ہیوسٹن فون: 7220419 (713 001) فیکس: 7220431 نیویارک فون: 6255925 (718 001)

Website: http://www.dar-us-salam.com



فہرست

کتاب التوحید

مقدمہ اور چند اہم اصطلاحات

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اسلام میں توحید کے موضوع پر کتاب التوحید جیسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ۔ یہ کتاب توحید کی طرف دعوت دینے والی ہے۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے اس کتاب میں توحید کا معنیٰ، دلائل توحید کے اصول اور فضیلت بیان کی ہے۔مزید برآں توحید کے مخالف اموراوران سے بچاؤ کے اسباب بھی بیان کئے ہیں نیز اختصار کے ساتھ توحید عبادت (الوہیت) اورتوحید اسماء وصفات کے ارکان بھی بیان کئے گئے ہیں۔اسی طرح شرک اکبراوراس کی چند شکلیں، شرک اصغراوراس کی چند شکلیں اور ہرایک کے وسائل و ذرائع بھی بیان کئے ہیں۔توحید کی حفاظت اوراس کے ذرائع، نیز توحید ربوبیت کی چند جزئیات کی بھی وضاحت فرمائی ہے۔ چونکہ یہ ایک عظیم الشان کتاب ہے اس لئے حفظ و تدریس اور وسیع تامل تدبر کے ساتھ اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔آپ جہاں کہیں بھی ہوں گے،اس کتاب کی ضرورت محسوس کریں گے۔

کتاب التوحید:

توحید سے مراد کسی چیز کو یکجا کرنا ہے۔اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا یعنی اکیلے اللہ تعالیٰ کو ہی معبود ماننا۔اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید میں توحید کی درج ذیل تین اقسام بیان کی گئی ہیں:

1. توحید ربوبیت 2. توحید الوہیت 3. توحید اسماء وصفات۔

توحید ربوبیت:

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے افعال میں منفرد اور یکتا جاننا۔اللہ تعالیٰ کے

بہت سے افعال ہیں، جن میں سے چند ایک حسبِ ذیل ہیں۔

پیدا کرنا، رزق دینا، زندہ کرنا اور موت دینا وغیرہ۔ پس ان چیزوں میں علی وجہ الکمال منفرد و یکتا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

توحید الوہیت یا توحید الاھیت:

یہ دونوں الہ یالہ کے مصدر ہیں، جس کا معنی یہ ہے کہ وہ معبود جس کی تعظیم و محبت کے ساتھ عبادت کی جائے اور توحید الوہیت کا معنی یہ ہے کہ عبادت کے جملہ افعال کو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص کیا جائے۔

توحید اسماء صفات:

اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اسماء وصفات میں یکتا ہے اور ان میں اس کا کوئی مماثل نہیں۔

مصنف امام محمد رحمہ اللہ نے اس کتاب میں توحید کی مذکورہ بالا تینوں اقسام کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ان اقسام کو سمجھنے کی اشد ضرورت ہے لیکن اس موضوع پر کتابیں بکثرت دستیاب نہیں۔ مصنف نے توحید الاھیت اور عبودیت اور اس کے ارکان مثلاً: توکل، خوف اور محبت کی وضاحت فرمائی ہے۔ نیز اس کے مقابل شرک کی بھی وضاحت کی ہے۔

ربوبیت یا عبادت یا اسماء وصفات میں اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کیا جائے تو یہ شرک ہے۔ اس کتاب کی تالیف کا مقصد عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شرک کرنے سے روکنا اور اس کی توحید کا حکم دینا ہے۔

کتاب وسنت کی نصوص اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ایک اعتبار سے شرک کی دو قسمیں ہیں:

شرک اکبر اور شرک اصغر۔ اور ایک دوسرے اعتبار سے اس کی تین اقسام ہیں۔
شرک اکبر، شرک اصغر اور شرک خفی۔

شرک اکبر: وہ ہے جس کا ارتکاب بندے کو دین سے خارج کر دیتا ہے اور شرک اکبر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کی بھی عبادت کرنا یا عبادت میں سے کسی ایک چیز کو غیر اللہ کی طرف پھیرنا یا عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو اس کا شریک بنانا۔

شرک اصغر: وہ ہے جس پر شارع علیہ الصلاۃ والسلام نے شرک کا حکم لگایا ہے تاہم اس میں کسی کو شرک کامل نہیں سمجھا جاتا جو اس کو شرک اکبر کے ساتھ ملحق کر دے۔ یاد رہے کہ شرک اکبر ظاہری بھی ہے مثلاً بتوں، قبروں اور مردوں کے پجاریوں کا شرک اور باطنی بھی، مثلاً منافقوں کا شرک یا پیروں فقیروں، مردوں اور معبودان باطلہ پر توکل کرنے والوں کا شرک۔ ان کا شرک مخفی ہے البتہ یہ باطن میں اکبر ہے گو کہ ظاہر میں نہیں۔

علاوہ ازیں کڑے، دھاگے اور تعویذ پہننا اور غیر اللہ کی قسم کھانا بھی شرک اصغر میں شامل ہے۔

شرک خفی: اس سے مراد معمولی قسم کی ریا اور اس طرح کی دیگر کمزوریاں ہیں۔

توحید تمام عبادات کی بنیاد ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾ ﴾ (الذاریات ٥١/ ٥٦)

"اور میں نے جنوں اور انسانوں کو محض اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری بندگی کریں"۔ [1]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ﴾ (النحل ١٦/ ٣٦)

"اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (لوگو) صرف اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت (غیر اللہ) کی بندگی سے بچو"۔ [2]

---

[1] میں نے جنوں اور انسانوں کو محض اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ اسلاف نے اِلا لِیَعْبُدُوْن کی تفسیر اِلا لِیُوَحِّدُون کی ہے...... کہ میں نے جنوں اور انسانوں کو محض اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری توحید کا اقرار و اعلان کریں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تمام رسول توحید اور عبادت سمجھانے کے لیے مبعوث کیے گئے تھے۔

عبادت کا لغوی اور شرعی مفہوم: عبادت کے مفہوم میں عاجزی اور حد درجہ انکسار پایا جاتا ہے. اور جب اس کے ساتھ محبت اور اطاعت بھی شامل ہو تو وہ شرعی عبادت بن جاتی ہے۔

شرعی طور پر کسی کی محبت' رحمت و شفقت کی امید اور اس کے عذاب کے ڈر سے اس کے اوامر و نواہی پر عمل کرنا عبادت کہلاتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انسان کے ایسے تمام ظاہری اور باطنی اقوال و افعال جو اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پسند ہوں' ان تمام کو عبادت کہتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہر قسم کی عبادت صرف اللہ کے لیے جائز ہے۔

[2] یہ آیت عبادت اور توحید کے مفہوم کی تفسیر ہے۔ نیز اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ⟵

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ ۞ وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوٓا۟ إِلَّآ إِيَّاهُ وَبِٱلْوَٰلِدَيْنِ إِحْسَٰنًا ﴾ (الإسراء١٧/ ٢٣)

"اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم صرف اسی (اللہ) کی بندگی کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو"۔ ①

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ ۞ وَٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا۟ بِهِۦ شَيْـًٔا ﴾ (النساء٤/ ٣٦)

"اور تم سب اللہ کی بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ"۔ ②

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ ۞ قُلْ تَعَالَوْا۟ أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا۟ بِهِۦ شَيْـًٔا ﴾ (الأنعام٦/ ١٥١)

(اے محمد ﷺ!) کہہ دیجیے کہ آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں۔ (وہ) یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ ③

⟸ تمام رسول ان دو باتوں کی تعلیم کے لیے مبعوث کیے گئے کہ لوگو! تم صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے اجتناب کرو۔ اسی کو توحید کہتے ہیں۔ اس آیت کے پہلے جملہ "اُعْبُدُوا اللّٰہَ" میں توحید کا اثبات اور اقرار، جبکہ "وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ" میں شرک کی نفی اور انکار ہے۔

طاغوت: یہ فَعَلُوت کے وزن پر مصدر "الطغیان" سے مشتق ہے۔

ہر وہ معبود، متبوع یا مطاع چیز جسے انسان اس کی حد سے بڑھا دے اسے "طاغوت" کہتے ہیں۔

① اس آیت میں فیصلے کے معنی امر اور وصیت ہیں یعنی اس نے تمہیں اس بات کا حکم دیا اور وصیت کی ہے کہ تم اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو۔ کلمۂ توحید "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" (کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں) کا بھی بالکل یہی مفہوم ہے۔ یہ آیت توحید کے مفہوم کو پوری طرح واضح کر رہی ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت بجالانا اور کلمہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کو اچھی طرح سمجھ کر اختیار کرنا ہی اصل توحید ہے۔

② یہ آیت شرک کی تمام انواع سے باز رہنے پر دلالت کرتی ہے خواہ وہ شرک اکبر ہو، اصغر ہو یا خفی۔

نیز اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی فرشتہ، نبی، صالح شخصیت، پتھر، درخت یا جن وغیرہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کی قطعاً اجازت نہیں کیونکہ یہ سب چیزیں ہیں۔

③ آیت مبارکہ میں "اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا" سے پہلے "وَصَّاكُمْ" محذوف ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ⟸

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سربمہر (بند کر کے مہر لگائی ہوئی) وصیت ملاحظہ کرنا چاہتا ہو وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھ لے:

﴿ قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُم مِّنْ إِمْلَاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١٥١﴾ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿١٥٢﴾ وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٥٣﴾﴾ (الأنعام٦/ ١٥١_١٥٣، جامع الترمذي، التفسير، تفسير سورة الأنعام، ح: ٣٠٧٠)

"(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجیے کہ آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں۔ وہ یہ کہ:

① تم اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔
② اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔
③ اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو، کیونکہ تمہیں بھی اور ان کو بھی رزق ہم ہی دیتے ہیں۔
④ بے حیائی کے کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ، تم ان کے قریب بھی نہ پھٹکو۔

⟸ اللہ تعالیٰ نے تمہیں وصیت کی یعنی حکم دیا ہے کہ تم اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ یہاں وصیت سے شرعی وصیت مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شرعی وصیت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ امر واجب اور ضروری ہے۔ یہ آیت بھی سابقہ آیات کی طرح توحید کے مفہوم پر دلالت کرتی ہے۔

۵ اور جسے قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے اسے قتل نہ کرو مگر حق اور جائز طریقے سے۔ اس (اللہ) نے تمہیں ان باتوں کی وصیت (ہدایت) کی ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔

۶ اور تم یتیموں کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو انتہائی بہترین اور پسندیدہ ہو' یہاں تک کہ وہ (یتیم) اپنی جوانی کی عمر کو پہنچ جائے۔

۷ اور انصاف کے ساتھ ناپ تول پورا کرو' ہم کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر مکلف نہیں کرتے۔

۸ اور جب بات کرو تو انصاف کی کہو خواہ وہ معاملہ اپنے رشتہ دار ہی کا ہو (یعنی کسی ایک کی طرف جھکاؤ سے کام نہ لو)

۹ اور اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرو۔ اس (اللہ) نے تمہیں ان باتوں کی وصیت (ہدایت) کی ہے تاکہ تم یاد رکھو۔

۱۰ اور بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے تم اسی پر چلو۔ اسے چھوڑ کر دوسری راہوں پر مت چلو' وہ تمہیں اللہ کی راہ سے دور کر دیں گی۔ اس (اللہ) نے تمہیں ان باتوں کی وصیت (ہدایت) کی ہے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ"۔ [۱]

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«كُنْتُ رَدِيفَ النَّبِيِّ ﷺ عَلَى حِمَارٍ فَقَالَ لِي: يَا مُعَاذُ! أَتَدْرِي مَا حَقُّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ، وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ؟ قُلْتُ: اَللّٰهُ

---

[۱] ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے فرمان کا مفہوم یہ ہے کہ اگر فرض کر لیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے کوئی وصیت لکھ کر اس پر اپنی مہر ثبت فرمائی جسے آپ کی وفات اور ملاء اعلیٰ کی طرف انتقال فرمانے کے بعد کھولا گیا تو آپ کی وصیت یہی آیات ہوں گی جن میں یہ دس وصیتیں ہیں۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ان آیات کی عظمت اور رفعت شان پر دلالت کرتی ہے جن کا آغاز شرک کی ممانعت سے ہوا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ توحید کا اثبات اور شرک کی ممانعت تمام امور پر مقدم اور اہم ترین ہے۔

وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: حَقُّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلاَ يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ أَنْ لاَ يُعَذِّبَ مَنْ لاَ يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَفَلاَ أُبَشِّرُ النَّاسَ؟ قَالَ: لاَ تُبَشِّرْهُمْ فَيَتَّكِلُوا»(صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب اسم الفرس والحمار، ح:٢٨٥٦، ٥٩٦٧، ٦٢٦٧ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على أن من مات على التوحيد دخل الجنة قطعًا، ح:٣٠)

"ایک دفعہ میں نبی کریم ﷺ کے پیچھے گدھے پر سوار تھا کہ آپ نے مجھ سے فرمایا: "اے معاذ (رضی اللہ عنہ!) کیا تم جانتے ہو اللہ کا بندوں پر اور بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے؟" میں نے عرض کیا' اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "اللہ کا بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ صرف اسی کی عبادت (بندگی) کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں' اور بندوں کا اللہ کے ذمہ یہ حق ہے کہ جو بندہ شرک کا مرتکب نہ ہو وہ اسے عذاب نہ دے۔" (معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) میں نے کہا' یا رسول اللہ ﷺ! (اجازت ہو تو) لوگوں کو یہ خوشخبری سنا دوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اسی پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں (اور عمل کرنا چھوڑ دیں)" [1]

---

[1] صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت (بندگی) کرنا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا' اللہ تعالیٰ کا حق ہے جو بندوں پر واجب ہے' کیونکہ کتاب و سنت ہی نہیں بلکہ تمام رسولوں نے اللہ تعالیٰ کے اس حق کو بیان اور خوب واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام حقوق میں سے یہ حق بندوں پر سب سے زیادہ واجب ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کے ذمہ بندوں کا یہ حق ہے کہ جو بندہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے تو وہ اسے عذاب نہ دے۔"

اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ حق اپنے اوپر از خود واجب کیا ہے ورنہ کوئی ہستی یا شخصیت ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ پر کسی چیز کو واجب کر سکے۔

اللہ تعالیٰ از روئے حکمت جس چیز کو چاہے اپنے اوپر واجب یا حرام کر لیتا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں ہے۔

«إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰى نَفْسِي»

کہ میں (اللہ تعالیٰ) نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کر رکھا ہے۔" یعنی میں کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

مسائل

① جن و انس کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی حکمت کار فرما ہے۔

② دراصل عبادت سے مراد توحید ہے کیونکہ جملہ انبیاء اور ان کی امتوں کے درمیان یہی بات متنازعہ تھی۔

③ جو شخص توحید پر کاربند نہیں اس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت (بندگی) کی ہی نہیں۔ "سورۃ الکافرون" کی آیت:

﴿ وَلَآ أَنتُمْ عَـٰبِدُونَ مَآ أَعْبُدُ ﴿٣﴾ ﴾ (الکافرون۱۰۹/ ۳)

(اور جن کی تم پرستش کرتے ہو میں ان کی پرستش کرنے والا نہیں ہوں) کا بھی یہی مفہوم ہے۔

④ بعثت انبیاء و رسل کی حکمت کا بھی پتہ چلتا ہے۔

⑤ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر امت کی ہدایت کے لیے رسول بھیجے گئے۔

⑥ تمام انبیاء کا دین یعنی ان کی دعوت کا محور اور مرکزی نقطہ صرف توحید تھا۔

⑦ اس سے یہ ایک اہم مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ طاغوت کا کفر اور اس کا انکار کیے بغیر اللہ تعالیٰ کی عبادت (بندگی) ممکن ہی نہیں۔

﴿ فَمَن يَكْفُرْ بِٱلطَّـٰغُوتِ وَيُؤْمِنۢ بِٱللَّهِ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۵۶)

کا یہی مفہوم ہے۔

⑧ "طاغوت" ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی جائے۔

⑨ یہ بھی معلوم ہوا کہ سلف صالحین کے نزدیک سورۃ الانعام کی مذکورہ تین محکم آیات کی کس قدر اہمیت اور عظمت تھی۔ ان میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو دس احکام اور ہدایات دی گئی ہیں۔ ان میں سب سے اولین ہدایت "شرک سے ممانعت" کی ہے۔

⑩ سورۂ بنی اسرائیل (الاسراء) کی محکم آیات میں اٹھارہ مسائل بیان ہوئے ہیں جن کا

آغاز ان الفاظ سے ہوا ہے:

﴿ لَّا تَجۡعَلۡ مَعَ ٱللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ فَتَقۡعُدَ مَذۡمُومًا مَّخۡذُولًا ﴿٢٢﴾ ﴾ (الإسراء١٧/ ٢٢)

"کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ ورنہ ذلیل اور بے یار ومددگار ہو کر بیٹھ رہو گے"۔

یعنی ان مسائل میں سب سے پہلے توحید کا بیان ہے اور سب سے آخر میں بھی توحید ہی کا ذکر ہے۔

﴿ وَلَا تَجۡعَلۡ مَعَ ٱللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ فَتُلۡقَىٰ فِي جَهَنَّمَ مَلُومًا مَّدۡحُورًا ﴿٣٩﴾ ﴾ (الإسراء١٧/ ٣٩)

"اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود نہ بنالینا ورنہ تو ملامت زدہ اور راندۂ درگاہ ہو کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا"۔

اللہ تعالیٰ نے ان مسائل کی اہمیت پر تنبیہ کرتے ہوئے آخر میں فرمایا:

﴿ ذَٰلِكَ مِمَّآ أَوۡحَىٰٓ إِلَيۡكَ رَبُّكَ مِنَ ٱلۡحِكۡمَةِ ﴾ (الإسراء١٧/ ٣٩)

یہ دانائی کی ان باتوں میں سے ہیں جو آپ کے رب نے آپ کی طرف وحی کی ہیں۔

(١١) سورۃ النساء کی وہ آیت جو حقوقِ عشرہ والی آیت کہلاتی ہے' اس میں اللہ نے فرمایا:

﴿ ۞ وَٱعۡبُدُواْ ٱللَّهَ وَلَا تُشۡرِكُواْ بِهِۦ شَيۡـٔٗا ﴾ (النساء٤/ ٣٦)

"اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ"۔

(١٢) اس میں رسول اللہ ﷺ کی اس وصیت کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے جو آپ نے وفات کے وقت فرمائی تھی۔

(١٣) بندوں کے ذمہ اللہ تعالیٰ کا کیا حق ہے؟

(١٤) جب بندے اللہ تعالیٰ کا حق ادا کریں تو اللہ تعالیٰ پر ان کا کیا حق ہے؟

(١٥) حدیث سے یہ بھی پتہ چلا کہ اس (حدیث معاذ رضی اللہ عنہ) میں مذکور مسئلہ کا بہت سے صحابہ کو علم نہ تھا۔

(١٦) کسی مصلحت کے پیشِ نظر کتمانِ علم (علم کو مخفی رکھنا) جائز ہے۔

(۱۷) کسی مسلمان کو خوش خبری دینا جائز ہے۔

(۱۸) اللہ تعالیٰ کی رحمت پر بھروسہ کر کے ترک عمل جائز نہیں۔

(۱۹) یہ بھی معلوم ہوا کہ جس سے کوئی بات پوچھی جائے اور وہ نہ جانتا ہو تو یوں کہہ دینا چاہیے "اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ" کہ "اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔"

(۲۰) کسی کو علم سکھانا اور کسی کو محروم رکھنا جائز ہے۔

(۲۱) آپ ﷺ از حد متواضع تھے کہ آپ جلیل القدر ہونے کے باوجود گدھے پر نہ صرف سوار ہوئے بلکہ دوسرے آدمی کو بھی اپنے ہمراہ سوار کر لیا۔

(۲۲) سواری پر اپنے پیچھے دوسرے کو سوار کر لینا جائز ہے۔

(۲۳) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی فضیلت بھی عیاں ہوتی ہے۔

(۲۴) مسئلہ توحید کی اہمیت اور عظمت پر بھی خوب روشنی پڑتی ہے۔

باب : ۱

توحید کی فضیلت اور اس سے گناہوں کے مٹنے کا بیان [1]

﴿ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَلَمۡ يَلۡبِسُوٓاْ إِيمَٰنَهُم بِظُلۡمٍ أُوْلَٰٓئِكَ لَهُمُ ٱلۡأَمۡنُ وَهُم مُّهۡتَدُونَ ﴿٨٢﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ٨٢)

"جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو ظلم (شرک) سے آلودہ نہیں کیا، ان ہی کے لیے امن ہے اور وہی راہ راست پر ہیں"۔ [2]

---

[1] یعنی جو بندہ توحید کے اقرار و اعتراف میں جس قدر پختہ ہو وہ اسی قدر جنت میں داخل ہونے کا حق دار ہوتا ہے۔ اس کے اعمال خواہ کیسے ہی ہوں۔ اسی لیے امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے سورۃ الانعام کی مندرجہ بالا آیت بیان کی ہے۔

[2] **ظلم کا معنی:** اس آیت میں "ظلم" سے مراد شرک ہے۔ جیسا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس آیت کو اپنے لیے عظیم (بوجھ اور مشکل) سمجھا تو انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کون ہے جس نے اپنے اوپر ظلم نہ کیا ہو؟ آپ نے فرمایا: "اس کا وہ مفہوم نہیں جو تم سمجھتے ہو بلکہ یہاں "ظلم" سے مراد "شرک" ہے۔ کیا تم نے اللہ کے نیک بندے (حضرت لقمان) کا یہ قول نہیں سنا:

﴿ إِنَّ ٱلشِّرۡكَ لَظُلۡمٌ عَظِيمٌ ﴿١٣﴾ ﴾ (لقمان٣١/ ١٣)

"بے شک شرک بہت بڑا ظلم یعنی گناہ ہے"۔

(صحیح بخاری، التفسیر، باب لا تشرک باللہ ان الشرک ...... حدیث: ۴۷۷۶)

لہٰذا اس باب کی مناسبت سے آیت کا ترجمہ یوں ہوا کہ:

"جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو شرک سے آلودہ نہیں کیا ان ہی کے لیے مکمل امن ہے اور وہی راہ راست پر ہیں۔"

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ شَهِدَ أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَأَنَّ عِيسٰى عَبْدُاللهِ وَرَسُولُهُ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلٰى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ، وَالْجَنَّةُ حَقٌّ، وَالنَّارُ حَقٌّ، أَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ عَلٰى مَا كَانَ مِنَ الْعَمَلِ»(صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قوله تعالى ﴿يأهل الكتاب لا تغلوا في دينكم﴾ ح:٣٤٣٥ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على أن من مات على التوحيد دخل الجنة قطعًا، ح:٢٨)

"جو شخص اس بات کی گواہی دے کہ:

- اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔
- اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔
- اور عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کے بندے، اس کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جو اس نے سیدہ مریم علیہا السلام کی طرف ڈالا تھا، اور وہ اسی کی طرف سے بھیجی ہوئی روح ہیں۔
- اور یہ کہ جنت برحق ہے اور جہنم (بھی) برحق ہے۔

تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ (بہرحال) جنت میں داخل کرے گا خواہ اس کے اعمال کیسے ہی ہوں۔" [1]

اور صحیحین ہی میں عتبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«فَإِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ يَبْتَغِي بِذٰلِكَ وَجْهَ

◄ پس جو شخص ایمان لایا یعنی اس نے توحید اختیار کی اور اس نے اپنے ایمان کو ظلم سے یعنی عقیدۂ توحید کو شرک سے آلودہ نہیں کیا اس کے لیے مکمل امن اور مکمل ہدایت ہے۔ لہٰذا بندہ جس قدر ظلم یعنی شرک کا مرتکب ہو کر توحید میں نقص پیدا کرلے گا، اس سے اسی قدر امن اور ہدایت مفقود ہو جائے گی۔

[1] یعنی وہ شخص عملی طور پر کتنا ہی کم تر کیوں نہ ہو اور اس کے نامۂ اعمال میں کتنے ہی گناہ کیوں نہ ہوں، اللہ تعالیٰ اسے بالآخر جنت میں ضرور داخل کرے گا۔ یہ اہل توحید کے لیے توحید کے ثمرات میں سے ایک ثمرہ ہے۔

اللهِ»(صحيح البخاري، الصلاة، باب المساجد في البيوت، ح:٤٢٥، الرقاق، باب العمل الذي يبتغي به وجه الله، ح:٦٤٢٣ وصحيح مسلم، المساجد، الرخصة في التخلف عن الجماعة لعذر، ح:٢٦٣/ ٣٣)

"جو شخص محض رضائے الٰہی کی نیت سے "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه" کا اقرار کرے، اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ حرام کر دیتا ہے۔" [1]

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«قَالَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ: يَارَبِّ عَلِّمْنِي شَيْئًا أَذْكُرُكَ وَأَدْعُوكَ بِهِ، قَالَ: قُلْ يَامُوْسٰى! لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ، قَالَ: كُلُّ عِبَادِكَ يَقُولُونَ هٰذَا، قَالَ: يَامُوْسٰى! لَوْ أَنَّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعَ وَعَامِرَهُنَّ غَيْرِي وَالأَرَضِينَ السَّبْعَ فِي كِفَّةٍ، وَلاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ فِي كِفَّةٍ، مَالَتْ بِهِنَّ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ»(موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان، ح:٢٣٢٤ والمستدرك للحاكم: ٥٢٨/١ ومسند أبي يعلى الموصلي، ح:١٣٩٣)

"موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا، اے میرے پروردگار! مجھے کوئی ایسی چیز بتائیں جس کے ذریعے میں تیرا ذکر کیا کروں اور تجھے پکارا کروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه" پڑھا کرو۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! یہ کلمہ تو تیرے سب بندے پڑھتے اور کہتے ہیں۔ (مجھے کوئی خصوصی وظیفہ بتایا جائے) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! اگر ساتوں آسمان اور ان کی مخلوق بجز میرے اور

---

[1] یہی جملہ "لا الہ الا اللہ" کلمۂ توحید ہے۔ اس کلمہ کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے زبان سے ادا کرنے اور اس کا دلی طور پر اقرار کرنے والا شخص جب اس کی شرائط اور لوازمات کو صحیح طور پر بجالائے تو اللہ تعالیٰ حسب وعدہ اس بندے پر جہنم کو حرام کر دیتا ہے۔ یہ اس کا بہت بڑا فضل ہے۔ البتہ جو شخص توحید کا اقرار کرے اور شرک سے بچ کر رہے مگر بتقاضائے بشریت اس سے بعض گناہ بھی سرزد ہو گئے ہوں اور وہ توبہ کیے بغیر فوت ہو جائے تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ وہ چاہے تو گناہوں کی پاداش میں عذاب دینے کے بعد اسے جہنم سے رہائی دے یا معاف کر دے اور اس پر ابتدا ہی سے جہنم کو حرام کر دے۔

ساتوں زمینیں ترازو کے ایک پلڑے میں ہوں اور "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه" دوسرے پلڑے میں ہو تو یہ کلمہ ان سب سے وزنی ہو گا"۔ (امام حاکم نے اسے صحیح کہا ہے) [1]

جامع ترمذی میں حسن سند کے ساتھ، انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا:

«قَالَ اللهُ تَعَالٰى: يَا ابْنَ آدَمَ! لَوْ أَتَيْتَنِي بِقُرَابِ الأَرْضِ خَطَايَا، ثُمَّ لَقِيتَنِي لاَ تُشْرِكُ بِي شَيْئًا، لأَتَيْتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً»(جامع الترمذي، الدعوات، باب يابن آدم إنك ما دعوتني، ح:٣٥٤٠)

"اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے ابن آدم! اگر تو میرے پاس زمین بھر گناہ کر کے آئے، پھر تو اس حال میں مجھ سے ملے کہ تو میرے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھہراتا ہو تو میں اسی قدر مغفرت و بخشش لے کر تیرے پاس آؤں گا۔"

مسائل

(١) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا فضل بہت وسیع ہے۔

(٢) اللہ تعالیٰ کے ہاں توحید کا ثواب بہت زیادہ ہے۔

---

[1] وجہ استدلال: اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ بالفرض کسی بندے کے گناہ سات آسمانوں، سات زمینوں اور ان کے درمیان موجود تمام انسانوں اور فرشتوں کے وزن سے بھی بڑھ کر ہوں تو کلمۂ توحید (لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه) کا پلڑا ان تمام گناہوں سے زیادہ وزنی اور بوجھل ہو گا۔ وہ حدیث جس میں (لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه) والے پرزہ کا گناہوں کے طویل و عریض دفاتر سے زیادہ ہونے کا تذکرہ ہے اور پیش نظر باب میں مذکور حدیث انس رضی اللہ عنہ بھی اسی مفہوم پر دلالت کرتی ہیں۔ کلمۂ توحید کی یہ عظیم فضیلت اسی کے لیے ہے جس کے دل میں یہ کلمہ خوب راسخ ہو چکا ہو اور وہ خلوص دل سے اس کا اقرار اور اعتراف بھی کرتا ہو، اس کلمے کے تقاضوں کو اچھی طرح جاننے، سمجھنے، اور ان کی تصدیق کے ساتھ ساتھ ان کا دلی طور پر اعتقاد بھی رکھتا ہو، اور اسے اس کے تقاضوں سے ایسے دلی محبت بھی ہو کہ اس کا حقیقی اثر اور اس کا نور اس کے قلب پر خوب اثر انداز بھی ہو۔ پس جس شخص کا کلمۂ توحید اس معیار کا ہو گا تو اس کی برکت سے اس کے تمام گناہ "جل" (مٹ) جائیں گے۔

(۳) توحید کا عقیدہ ثواب کے ساتھ ساتھ گناہوں کا کفارہ بھی ہے۔
(۴) سورۃ الانعام کی آیت ۸۲ کی تفسیر بھی واضح ہوئی کہ اس میں "ظلم" سے مراد "شرک" ہے۔
(۵) حدیث عبادہ میں جو پانچ امور مذکور ہیں ان پر غور کیا جائے کہ ان میں سرفہرست شرک نہ کرنا ہے۔
(۶) حدیث عبادہ، حدیث عتبان اور اس کے بعد والی مذکورہ احادیث کو جمع کیا جائے تو کلمۂ توحید (لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه) کا مفہوم مزید نکھر کر سامنے آتا ہے۔ اور جو لوگ اس دھوکے میں مبتلا ہیں کہ محض زبان سے کلمۂ توحید کا اقرار نجات کے لیے کافی ہے، ان کی غلطی بھی واضح ہوتی ہے۔
(۷) حدیث عتبان میں مذکورہ شرط بھی قابل توجہ ہے کہ کلمہ گو نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کلمہ پڑھا ہو۔
(۸) انبیاء کرام بھی اس کلمہ کی اہمیت و فضیلت کو جاننے کے محتاج تھے۔
(۹) یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اگرچہ لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه تمام آسمانوں اور زمینوں سے وزنی ہے اس کے باوجود بہت سے کلمہ گو لوگوں کے پلڑے ہلکے ہوں گے۔
(۱۰) یہ بھی صراحت ہے کہ آسمانوں کی طرح زمینیں بھی سات ہیں۔
(۱۱) آسمانوں اور زمینوں میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق آباد ہے۔
(۱۲) اللہ تعالیٰ کی بہت سی صفات ہیں جبکہ فرقہ اشاعرہ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات کا انکار کرتے ہیں۔
(۱۳) حدیث انس پر غور کریں تو سمجھ میں آتا ہے کہ حدیث عتبان "جو شخص محض رضائے الٰہی کی خاطر کلمہ "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه" کا اقرار کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر جہنم حرام کر دیتا ہے" سے مراد شرک کو کلیۃً چھوڑ دینا ہے۔ محض زبان سے کلمہ پڑھ لینا نجات کے لیے کافی نہیں۔
(۱۴) جناب محمد ﷺ اور جناب عیسیٰ علیہ السلام دونوں اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔

⑮ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیدا ہونے کی بنا پر اس کا کلمہ ہے تاہم یہاں خصوصی طور پر عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا کلمہ کہا گیا ہے۔

⑯ عیسیٰ علیہ السلام کو خصوصی طور پر اللہ کی روح کہا گیا ہے۔

⑰ ان احادیث سے جنت اور جہنم پر ایمان لانے کی اہمیت اور فضیلت بھی معلوم ہوئی۔

⑱ اس تفصیل سے حدیث عبادہ میں "عَلٰی مَاکَانَ مِنَ الْعَمَلِ" (خواہ اس کے اعمال کیسے ہی ہوں) کا مفہوم بھی متعین ہو جاتا ہے کہ جنت میں جانے کے لیے صاحب توحید یعنی موحد ہونا شرط ہے۔

⑲ روز قیامت اعمال کا وزن کرنے کے لیے جو ترازو رکھی جائے گی اس کے بھی دو پلڑے ہوں گے۔

⑳ حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے "وَجْهٌ" کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا معنی "چہرہ" ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی اس صفت (چہرہ) پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ البتہ "لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْئٌ" (اس جیسی کوئی چیز نہیں۔) کی رو سے ہم اس کی کیفیت سمجھنے اور بیان کرنے سے قاصر ہیں۔

باب : ۲

توحید کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے والا شخص بلا حساب جنت میں جائے گا[۱]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ إِنَّ إِبْرَٰهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ﴿١٢٠﴾ ﴾

(النحل ۱۶/ ۱۲۰)

"بے شک ابراہیم (علیہ السلام) لوگوں کے پیشوا' اللہ کے تابع فرماں اور یک سو تھے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے"۔ [۲]

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ هُم بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ﴿٥٩﴾ ﴾ (المؤمنون ۲۳/ ۵۹)

---

[۱] گزشتہ باب میں توحید کی فضیلت بیان ہوئی تھی۔ یہ باب اس سے بھی رفیع اور بلند تر ہے کیونکہ توحید کی فضیلت میں تو تمام اہل توحید مشترک ہیں۔ لیکن اس امت میں سے برگزیدہ لوگ وہی ہیں جنھوں نے توحید کے تقاضوں کو پورا کیا۔ اور توحید کے تقاضوں کو پورا کرنا ہی اس باب کا مقصود ہے۔

[۲] اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام توحید کے تقاضوں کو پورا کرنے والے تھے۔

وجہ استدلال: اس آیت سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی متعدد صفات بیان کی ہیں۔

(الف) یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں "امت" قرار دیا ہے۔ جب کسی اکیلے فرد کو "امت" کہا جائے تو اس سے ایسا امام اور قائد مراد ہوتا ہے جو تمام انسانی اوصاف و کمالات اور جملہ اوصاف حسنہ کا حامل ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ کوئی ایسا اچھا وصف نہیں جو ابراہیم علیہ السلام میں نہ تھا۔ توحید کے تقاضوں کو پورا کرنے کا بھی یہی مفہوم ہے۔

(ب) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو "قَانِتًا للّٰه" یعنی اپنا تابع فرماں قرار دیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دائمی عبادت گزار اور عقیدۂ توحید کے ایک ایک تقاضے پر پوری ←

''(اور اہل ایمان وہ ہیں) جو اپنے رب کے ساتھ (کسی کو) شریک نہیں ٹھہراتے۔''[1]

حصین بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ سعید بن جبیر رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ انہوں نے کہا: تم میں سے کسی نے رات کو ٹوٹتا ہوا تارا دیکھا تھا؟ میں نے کہا جی ہاں' میں نے دیکھا تھا۔ پھر ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ میں اس وقت نماز میں مشغول نہ تھا' بلکہ مجھے کسی زہریلی چیز نے ڈس لیا تھا۔

سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے پوچھا تو پھر تم نے کیا کیا؟ میں نے بتایا کہ میں نے دم کر لیا تھا۔ انہوں نے پھر دریافت کیا: تم نے ایسا کیوں کیا؟ میں نے کہا کہ ہمیں شعبی نے ایک

طرح کاربند تھے۔

(ج) نیز اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کا ایک وصف ''حنیف'' بھی بیان کیا ہے۔ یعنی وہ مشرکین کے غلط عقائد و نظریات اور ان کے طور اطوار سے مکمل طور پر گریزاں اور اللہ تعالیٰ کی طرف یک سو تھے کیونکہ مشرکین کے نظریات' شرک و بدعت اور معصیت سے لبریز تھے اور ان میں اللہ تعالیٰ کی طرف انابت' توجہ اور استغفار نام کو بھی نہ تھے۔

(د) نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام مشرکین میں سے نہ تھے یعنی وہ کسی بھی قسم کا شرک نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اس سے دور رہتے تھے اور ان کا مشرکین سے کوئی تعلق نہ تھا۔ مصنف (الشیخ محمد بن عبدالوہاب) کے ذہن میں مذکورہ تمام معانی موجود تھے' اس لیے انہوں نے پیش نظر باب میں اس آیت کا ذکر کیا ہے۔

[1] اس آیت میں بھی شرک کی نفی اور انکار ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب فعل مضارع پر حرف نفی آئے تو اس سے اس فعل کے مصدر کی عمومی نفی مراد ہوتی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کے ساتھ شرک اکبر کرتے ہیں نہ شرک اصغر اور نہ شرک خفی۔ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہیں کرتے۔ جو شخص شرک نہ کرے وہ موحد ہوتا ہے۔ اہل علم فرماتے ہیں اس آیت میں ''بِرَبِّهِمْ'' کی تقدیم اس لیے ہے کہ ربوبیت عبودیت کو مستلزم ہے اور انہی لوگوں کی صفت ہے جنہوں نے توحید کے تمام تقاضوں کو پورا کیا۔ شرک نہ کرنے کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ انسان اپنی خواہشات کو بھی اللہ کا شریک نہ بنائے کیونکہ جو شخص خواہشات نفس کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا لیتا ہے وہ بدعات پر عمل کرنے لگتا ہے' یا کم از کم معصیت کا مرتکب ضرور ہوتا ہے۔ لہٰذا شرک کی نفی سے شرک کی تمام اقسام نیز بدعت اور معصیت کی بھی نفی ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کے تقاضے پورے کرنے کا یہی مفہوم ہے۔

حدیث بیان کی ہے' اس کی بنا پر میں نے دم کر لیا۔ انہوں نے پھر پوچھا: شعبی نے تمہیں کون سی حدیث سنائی ہے؟ میں نے جواب دیا کہ انہوں نے بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث بیان کی ہے:

«لاَ رُقْيَةَ إِلاَّ مِنْ عَيْنٍ أَوْ حُمَةٍ»(مسند أحمد: ١/ ٢٧١)

''نظر بد اور کسی زہریلی چیز کے ڈسنے کے سوا کسی اور صورت میں دم (جائز) نہیں۔''

یہ سن کر سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے فرمایا: جس نے جو سنا اور پھر اس پر عمل کیا' اس نے بہت ہی اچھا کیا البتہ ہمیں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنائی ہے' آپ نے فرمایا:

«عُرِضَتْ عَلَيَّ الأُمَمُ، فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ وَمَعَهُ الرَّهْطُ، وَالنَّبِيَّ وَمَعَهُ الرَّجُلُ وَالرَّجُلاَنِ، وَالنَّبِيَّ وَلَيْسَ مَعَهُ أَحَدٌ، إِذْ رُفِعَ لِي سَوَادٌ عَظِيمٌ، فَظَنَنْتُ أَنَّهُمْ أُمَّتِي، فَقِيلَ لِي: هٰذَا مُوسٰى وَقَوْمُهُ، فَنَظَرْتُ فَإِذَا سَوَادٌ عَظِيمٌ، فَقِيلَ لِي: هٰذِهِ أُمَّتُكَ، وَمَعَهُمْ سَبْعُونَ أَلْفًا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ وَّلاَ عَذَابٍ، ثُمَّ نَهَضَ فَدَخَلَ مَنْزِلَهُ فَخَاضَ النَّاسُ فِي أُولٰئِكَ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: فَلَعَلَّهُمُ الَّذِينَ صَحِبُوا رَسُولَ اللهِ ﷺ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ فَلَعَلَّهُمُ الَّذِينَ وُلِدُوا فِي الإِسْلاَمِ فَلَمْ يُشْرِكُوا بِاللهِ شَيْئًا، وَذَكَرُوا أَشْيَاءَ، فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَأَخْبَرُوهُ فَقَالَ: هُمُ الَّذِينَ لاَ يَسْتَرْقُونَ وَلاَ يَكْتَوُونَ وَلاَ يَتَطَيَّرُونَ، وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ. فَقَامَ عُكَّاشَةُ بْنُ مِحْصَنٍ فَقَالَ: اُدْعُ اللهَ أَنْ يَّجْعَلَنِي مِنْهُمْ، قَالَ: أَنْتَ مِنْهُمْ، ثُمَّ قَامَ رَجُلٌ آخَرُ فَقَالَ: اُدْعُ اللهَ أَنْ يَّجْعَلَنِي مِنْهُمْ، فَقَالَ: سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ»(صحيح البخاري، الطب، باب من اكتوى أو كوى غيره وفضل من لم يكتو، ح: ٥٧٠٥، ٥٧٥٢ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على دخول طوائف من المسلمين الجنة، ح: ٢٢٠، واللفظ له)

"میرے سامنے بہت سی امتیں پیش کی گئیں۔ میں نے دیکھا کہ کسی نبی کے ساتھ تو بہت بڑی جماعت ہے اور کسی کے ساتھ ایک دو آدمی ہیں۔ اور میں نے ایک نبی ایسا بھی دیکھا جس کے ساتھ ایک بھی امتی نہ تھا' اسی اثناء میں میرے سامنے ایک بہت بڑی جماعت نمودار ہوئی۔ میں نے سمجھا کہ یہ میری امت ہے۔ لیکن مجھے بتایا گیا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی امت ہے۔ پھر میں نے ایک اور بہت بڑی جماعت دیکھی۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ آپ کی امت ہے۔ ان میں سے ستر ہزار آدمی بغیر حساب اور عذاب کے جنت میں جائیں گے۔ اتنا فرمانے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر گھر تشریف لے گئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان خوش نصیب ستر ہزار افراد کے بارے میں قیاس آرائیاں کرنے لگے۔ بعض نے کہا شاید یہ وہ لوگ ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ اور بعض نے کہا شاید یہ وہ لوگ ہوں جو عہد اسلام میں پیدا ہوئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا۔ اس کے علاوہ بھی انہوں نے کچھ باتیں کیں۔ اتنے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کو اپنی گفتگو اور آراء سے آگاہ کیا تو آپ نے فرمایا: "یہ وہ لوگ ہیں جو دم کراتے ہیں نہ علاج کی غرض سے اپنے جسم کو داغتے ہیں اور نہ فال نکالتے ہیں بلکہ وہ صرف اپنے پروردگار ہی پر توکل کرتے ہیں۔" یہ سن کر عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان لوگوں میں سے بنائے۔ آپ نے فرمایا "تو ان میں سے ہے۔" اس کے بعد ایک اور شخص کھڑا ہوا۔ اس نے بھی درخواست کی: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! میرے لیے بھی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں سے بنائے۔ آپ نے فرمایا "اس دعا میں عکاشہ تم پر سبقت لے گیا۔"[1]

---

[1] پیش نظر حدیث کا یہ مفہوم قطعاً نہیں کہ موحدین اسباب سے انکاری ہیں یا وہ اسباب کو بالکل اختیار نہیں کرتے۔ جیسا کہ بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی اور انہوں نے اس حدیث سے یہ مفہوم اخذ کیا کہ توحید کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان کوئی ذریعہ یا سبب اختیار ہی نہ کرے اور بیمار ہونے کی صورت میں کوئی دوا بھی استعمال نہ کرے۔ یہ مفہوم سراسر غلط ہے کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دم کیا گیا' اور آپ خود بھی دم کیا کرتے تھے' آپ نے خود بھی علاج معالجہ کیا اور امت کو علاج معالجہ اور دوا استعمال کرنے کی اجازت دی۔ نیز آپ نے ایک صحابی کو زخم داغنے کا بھی حکم دیا تھا۔

مسائل

① توحید کے بارے میں لوگوں کے درجات و مراتب مختلف ہیں۔
② توحید کے تقاضے پورے کرنے کا مفہوم بھی واضح ہوا۔
③ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی مدح میں فرمایا: "وہ مشرکین میں سے نہ تھے۔"
④ اللہ تعالیٰ نے اس بات پر اولیاء کرام کی بھی مدح فرمائی ہے کہ وہ شرک سے بے زار ہوتے ہیں۔
⑤ دم اور جسم داغنے کے طریق علاج کو ترک کرنا، توحید کے تقاضوں کو پورا کرنا ہے۔
⑥ ان اوصاف کا احاطہ کرنا ہی درحقیقت توکل ہے۔
⑦ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علم کی گہرائی اور ان کی حقیقت پسندی کا بھی پتہ چلتا ہے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ بلا حساب جنت میں جانے والوں کو یہ بلند مقام اور مرتبہ محض عمل کی بدولت حاصل ہو گا۔
⑧ یہ بھی واضح ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خیر اور نیکی کے کاموں پر کس قدر حریص تھے۔
⑨ امت محمدیہ درجات کی بلندی اور کثرت تعداد کے لحاظ سے تمام امتوں سے افضل اور برتر ہے۔
⑩ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی امت کی فضیلت بھی عیاں ہو رہی ہے۔

لہٰذا اس حدیث کا یہ مفہوم قطعاً نہیں کہ بغیر حساب جنت میں جانے والے لوگ اسباب اختیار نہیں کرتے یا وہ علاج معالجہ نہیں کرتے۔ بلکہ اس حدیث میں ان تین امور (دم کرانے، داغنے اور فال نکالنے) کا خصوصیت سے اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ عام طور پر انسان کا دل دم کرنے والے یا داغنے والے کی طرف یا فال نکالنے کی طرف متوجہ رہتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ پر توکل میں کمی آجاتی ہے۔ واضح رہے کہ علاج معالجہ کرنا مشروع ہے۔ اس کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں، یہ کبھی تو واجب ہوتا ہے اور کبھی محض مستحب اور بسا اوقات علاج معالجہ کرنا مباح ہی ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:
«تَدَاوَوْا عِبَادَ اللهِ وَلاَ تَتَدَاوَوْا بِحَرَامٍ»
"اللہ کے بندو! علاج معالجہ کیا کرو البتہ حرام اشیاء کو بطور دوا استعمال نہ کرو۔"

(۱۱) نبی کریم ﷺ کے سامنے تمام امتیں پیش کی گئیں۔
(۱۲) ہر امت کو اپنے نبی کے ساتھ الگ اٹھایا جائے گا۔
(۱۳) انبیاء کی دعوت کو بالعموم بہت تھوڑے لوگوں نے قبول کیا۔
(۱۴) جس نبی پر ایک بھی شخص ایمان نہ لایا وہ قیامت کے دن اکیلا ہی آئے گا۔
(۱۵) کثرت تعداد پر مغرور اور قلت تعداد پر پریشان نہیں ہونا چاہیے کیونکہ قلت یا کثرت معیار حق نہیں۔
(۱۶) نظر بد اور زہریلی چیز کے ڈسنے سے دم کرنا جائز ہے۔
(۱۷) سعید بن جبیر رحمہ اللہ کے قول ((قَدْ اَحْسَنَ مَنِ انْتَھٰی اِلٰی مَا سَمِعَ)) (جس نے اپنی شنید کے مطابق عمل کیا اس نے اچھا کیا) سے سلف صالحین کے علم کی گہرائی کا پتہ چلتا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلی حدیث دوسری حدیث کے خلاف نہیں۔
(۱۸) سلف صالحین' بے جا تعریف و ستائش سے پرہیز کیا کرتے تھے۔
(۱۹) رسول اللہ ﷺ نے عکاشہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا "اَنْتَ مِنْھُمْ" "کہ تو ان میں سے ہے۔" آپ کا یہ قول آپ کے صدق اور نبوت کے دلائل میں سے ایک دلیل ہے۔
(۲۰) عکاشہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت بھی ثابت ہوتی ہے۔
(۲۱) بوقت ضرورت تصریح کی بجائے اشارہ و کنایہ میں گفتگو کرنا جائز ہے۔ آپ نے عکاشہ کے بعد دوسرے آدمی سے صاف نہیں فرمایا کہ تو ان میں سے نہیں بلکہ یہ فرمایا کہ "تم پر عکاشہ سبقت لے گیا۔"
(۲۲) عکاشہ رضی اللہ عنہ کے بعد دعا کی درخواست کرنے والے دوسرے آدمی کو بڑے احسن انداز کے ساتھ بٹھا دینے اور خاموش کرا دینے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ انتہائی اعلیٰ اور احسن اخلاق کے مالک تھے۔

باب : ۳

شرک سے ڈرنے کا بیان (۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَغۡفِرُ أَن يُشۡرَكَ بِهِۦ وَيَغۡفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَآءُۚ ﴾ (النساء٤/ ٤٨)

"بے شک اللہ اس (گناہ) کو نہیں بخشے گا کہ (کسی کو) اس کا شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے علاوہ دوسرے گناہ جسے چاہے معاف کردے گا۔" (۲)

---

(۱) موحدین' توحید کے تقاضے پورے کرنے کے ساتھ ساتھ شرک سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو آدمی شرک سے ڈرتا ہو وہ اس کے مفہوم اور اس کی اقسام کو پہچان کر اس سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے تاکہ وہ چھوٹے یا بڑے کسی قسم کے شرک میں مبتلا نہ ہو جائے۔

(۲) بعض اہل علم نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں شرک اکبر' شرک اصغر اور شرک خفی یعنی تمام اقسام شرک کی نفی کی گئی ہے۔ شرک کوئی سا بھی ہو' اللہ تعالیٰ اسے توبہ کے بغیر معاف نہیں کرے گا۔
اس لیے کہ یہ سب سے بڑا گناہ ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس مخلوق کا خالق' رازق' سب کچھ عطا فرمانے والا اور ہر قسم کے انعام سے نوازنے والا ہے تو انسان کا دل اس کی طرف سے اعراض کر کے غیروں کی طرف کیوں توجہ کرے؟ شیخ الاسلام ابن تیمیہ' ابن قیم' امام محمد بن عبدالوہاب رحمہم اللہ اور اکثر علماء دعوت توحید کا یہی موقف ہے۔ چونکہ شرک اپنی تمام اقسام سمیت ناقابل معافی ہے اس لیے اس سے بہت زیادہ ڈرنا چاہئے۔
ریاکاری' غیراللہ کی قسم اٹھانا' گلے میں کوئی چیز بطور تعویذ ڈالنا' چھلے پہننا' دھاگے باندھنا یا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو غیراللہ کی طرف منسوب کرنا یہ تمام امور شرک ہونے کی بنا پر ناقابل معافی ہیں۔ لہٰذا ان تمام کاموں سے اور بالخصوص شرک اکبر سے ڈرتے اور بچ کر رہنا چاہئے۔ اور چونکہ شرک انسان کے دل ←

ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

﴿ وَٱجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَن نَّعْبُدَ ٱلْأَصْنَامَ ﴿٣٥﴾ ﴾ (إبراهيم١٤/ ٣٥)

"اے میرے رب! مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے بچانا"۔ [1]

حدیث شریف میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَخْوَفُ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الأَصْغَرُ، فَسُئِلَ عَنْهُ فَقَالَ: الرِّيَاءُ»(مسند أحمد: ٥/ ٤٢٨، ٤٢٩ ومجمع الزوائد: ١/ ١٠٢ ومعجم الكبير للطبراني، ح: ٤٣٠١ بزيادة إِنَّ في أوله)

"مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ ڈر "شرک اصغر" کا ہے۔ پوچھا گیا کہ شرک اصغر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: دکھلاوا (ریاکاری)۔" [2]

⬅ میں پیدا ہوتا ہے اس لیے انسان کو چاہئے کہ وہ شرک کی تمام انواع واقسام سے خوب واقفیت رکھے تاکہ شرک میں ملوث ہونے سے محفوظ رہ سکے۔ اس کے بعد شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے وہ آیت بیان کی ہے جس میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا مذکور ہے۔

[1] جو لوگ عقیدہ توحید اور اس کی نزاکت کو خوب سمجھتے ہیں وہ شرک اور اس کے اسباب وذرائع سے ڈرتے رہتے ہیں۔

اصنام: صنم کی جمع ہے۔ اللہ کے سوا جس کی عبادت اور پوجا کی جارہی ہو اس کی تصویر اور مجسّے کو صنم کہتے ہیں' خواہ اس کی شکل کسی انسان کے چہرے جیسی ہو یا کسی حیوان کے جسم یا سر' یا سورج اور چاند جیسی۔

وثن: اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جس چیز کی عبادت کی جائے وہ وثن ہے' خواہ کسی تصویر یا مجسّے کی شکل میں ہو جیسے صنم یا تصویر کی شکل میں نہیں بلکہ کوئی اور چیز ہو جیسے قبر وغیرہ۔

[2] نبی کریم (ﷺ) کو سب سے زیادہ خوف اور ڈر' ریا سے کیوں تھا؟ اس کے برے اثر اور نتیجے کی بناء پر کہ یہ ناقابل معافی گناہ ہے اور اس لیے بھی کہ اس سے اکثر لوگ غافل رہتے ہیں۔ اسی لیے آپ ﷺ کو اپنی امت کے متعلق اس گناہ کا زیادہ اندیشہ تھا۔

ریاء کی دو قسمیں ہیں۔

(الف) ایک تو منافق کی ریا اور دکھلاوا ہے جس کا تعلق اصل دین کے ساتھ ہے یعنی وہ لوگوں کو دکھانے کے لیے اسلام کا اظہار کرتا ہے جبکہ باطن میں کفر چھپائے ہوتا ہے۔ ⬅

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ مَّاتَ وَهُوَ يَدْعُو مِنْ دُوْنِ اللهِ نِـدًّا دَخَلَ النَّارَ»(صحيح البخاري، التفسير، باب قوله تعالى ﴿ومن الناس من يتخذ من دون الله أندادا﴾ ح:٤٤٩٧)

"جس آدمی کو اس حال میں موت آئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو اللہ کا شریک ٹھہرا کر پکارتا ہو تو وہ جہنم میں جائے گا۔" [1]

صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يُرَآءُونَ ٱلنَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ ٱللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٤٢﴾ ﴾ (النساء٤/ ١٤٢)

"یہ (منافقین) لوگوں کے لیے دکھلاوا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو تو بہت تھوڑا یاد کرتے ہیں"۔

(ب) دوسری' مسلمان موحد کی ریاء ہے۔ جیسا کہ کوئی لوگوں کو دکھانے یا ان میں شہرت حاصل کرنے کے لیے خوب بنا سنوار کر نماز ادا کرے اور یہ شرک اصغر ہے۔

[1] کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا اور پھر اسے پکارنا "شرک اکبر" ہے۔ کیونکہ دعا یعنی پکارنا محض ایک عام سی عبادت نہیں بلکہ عظیم ترین عبادت ہے۔ جیسا کہ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے "اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ" "دعا یعنی پکارنا ہی اصل عبادت ہے۔"

اگر کوئی اس حال میں مرا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو پکارتا اور کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتا تھا تو وہ جہنم کا حق دار ہوگا اور وہ کافروں کی طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا۔ کیونکہ شرک اکبر کا ارتکاب جب مسلمان سے ہو تو اس کے تمام اعمال برباد اور نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ ٱلْخَٰسِرِينَ ﴿٦٥﴾ ﴾ (الزمر٣٩/ ٦٥)

"(اے نبی ﷺ!) آپ کی طرف اور آپ سے پہلے انبیاء کی طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ اگر آپ نے شرک کیا تو آپ کے (نیک) اعمال ضائع ہو جائیں گے اور آپ خسارہ پانے والوں میں سے ہوں گے۔"

علماء تفسیر اور محققین اہل علم کے نزدیک لفظ "مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" میں دونوں طرح کے شخص شامل ہیں۔ ایک وہ جو اللہ تعالیٰ کو پکارنے کے ساتھ ساتھ غیر اللہ کو بھی پکارتا ہے اور دوسرا وہ جو محض غیر اللہ کو پکارتا اور مستقل طور پر اسی کی طرف توجہ اور میلان رکھتا ہے۔

«مَنْ لَقِيَ اللهَ لاَ يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ لَقِيَهُ يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على من مات لا يشرك بالله شيئا دخل الجنة وأن من مات مشركًا دخل النار، ح: ٩٣)

"جو کوئی اس حال میں اللہ تعالیٰ سے جا ملے (یعنی فوت ہو) کہ وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو تو وہ جنت میں جائے گا اور جو اس حال میں اس سے جا ملے (یعنی فوت ہو) کہ وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہو تو وہ جہنم میں جائے گا۔"[1]

مسائل

① انسان کو ہر وقت شرک سے ڈرتے اور بچ کر رہنا چاہیے۔
② ریاکاری بھی شرک کی ایک قسم ہے۔
③ ریاکاری "شرک اصغر" ہے۔
④ نیک لوگوں پر باقی گناہوں کی نسبت "ریاکاری" کا اندیشہ زیادہ ہے۔
⑤ جنت اور جہنم (انسان کے) قریب ہیں۔

---

[1] یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی فرشتے، نبی، کسی صالح شخصیت یا جن وغیرہ کی طرف رجوع نہ کرے، اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا وعدہ اور ضمانت ہے کہ وہ اسے اپنی رحمت اور فضل سے جنت میں داخل فرمائے گا اور جو شخص کسی بھی قسم کے شرک کا مرتکب ہو، شرک اکبر ہو یا اصغر یا شرک خفی، وہ جہنم میں جائے گا۔
یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ مشرک کو جہنم میں ہمیشہ کے لیے بھیجا جائے گا یا عارضی طور پر کچھ عرصہ کے لیے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا تعلق شرک کی نوعیت سے ہے۔ جو شخص شرک اکبر کا مرتکب ہو اور وہ توبہ کیے بغیر مر جائے تو وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں جائے گا اور اسے کبھی بھی جہنم سے نکالا نہیں جائے گا۔ اور اگر شرک اکبر نہ ہو بلکہ شرک اصغر یا شرک خفی ہو تو ایسے شخص کے لیے جہنم کی وعید ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہو گا وہ جہنم میں رہے گا۔ بعد ازاں جب اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اسے جہنم سے رہائی مل جائے گی کیونکہ ایسا شخص بنیادی طور پر موحد ہے۔

⑥ اس ایک ہی حدیث میں جنت اور جہنم کے قریب ہونے کا اکٹھے ذکر کیا گیا ہے۔

⑦ شرک نہ کرنے والا آدمی جنت میں ضرور جائے گا اور جسے شرک کی حالت میں موت آئی وہ جنت میں نہیں جا سکتا بلکہ وہ جہنم میں جائے گا اگرچہ وہ بہت بڑا عابد اور زاہد ہی کیوں نہ ہو۔

⑧ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے بتوں کی عبادت سے محفوظ رہنے کی دعا کی۔ ہمیں بھی شرک سے بچنے کی دعا کرنی چاہیے۔

⑨ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے "رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ" (سورۂ ابراہیم۔ آیت ۳۶) "اے میرے پروردگار! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔" کہہ کر اکثریت کی حالت سے عبرت حاصل کی اور دعا کی کہ اے میرے پروردگار! مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچانا۔

⑩ امام بخاری رحمہ اللہ کے بیان کے مطابق ان احادیث سے کلمہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کی تفسیر بھی ہو رہی ہے۔

⑪ شرک سے محفوظ رہنے والوں کی فضیلت اور شرک کرنے والوں کی ہلاکت ثابت ہوتی ہے۔

باب : ۴

"لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کی طرف دعوت دینا [۱]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ قُلْ هَٰذِهِۦ سَبِيلِىٓ أَدْعُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ ۚ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا۠ وَمَنِ ٱتَّبَعَنِى ۖ وَسُبْحَٰنَ ٱللَّهِ وَمَآ أَنَا۠ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ﴿١٠٨﴾ ﴾ (یوسف ۱۲/۱۰۸)

"(اے محمد ﷺ) آپ کہہ دیں کہ میرا اور میرے پیروکاروں کا راستہ تو یہ ہے کہ ہم سب پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ اللہ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ ہر عیب سے پاک ہے اور میرا مشرکین سے کچھ واسطہ نہیں"۔ [۲]

---

[۱] شیخ (محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ) نے یہ باب اس بات کو ثابت کرنے کے لیے قائم کیا ہے کہ توحید کی تکمیل اور شرک سے بچنے کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ دوسروں کو توحید کی دعوت دی جائے۔ اللہ کی توحید کی گواہی کا بھی یہی مطلب ہے۔ کیونکہ کسی بات کا دل میں اعتقاد رکھنا' زبان سے اس کا اقرار کرنا اور اس سے دوسروں کو مطلع کرنا یہ سب امور گواہی میں شامل ہوتے ہیں۔ توحید کی طرف دعوت دینے سے مقصود' اس کی تمام تفصیلات اور اقسام کی طرف بلانا' سمجھانا اور شرک کی توضیح کر کے اس کی تمام انواع سے باز رہنے کی دعوت دینا ہے اور یہ ایک انتہائی اہم کام ہے۔ امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے یہ سب باتیں اپنی اس کتاب میں بڑی وضاحت اور تفصیل سے بیان کی ہیں۔

[۲] اس آیت سے دو باتیں ہمارے علم میں آتی ہیں:

(الف) توحید کی طرف لوگوں کو بلانا اور انہیں اس کی دعوت دینا۔

(ب) اخلاص سے آگاہ کرنا اور اس کی تنبیہ کرنا'

کیونکہ مشاہدہ ہے کہ بہت سے لوگ اگرچہ بظاہر حق کی دعوت دیتے ہیں مگر درحقیقت وہ لوگوں کو اپنی طرف بلا رہے ہوتے ہیں۔ توحید کی طرف علیٰ وجہ البصیرت دعوت دینے کا مفہوم یہ ہے کہ انسان ⬅

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف روانہ کرتے ہوئے فرمایا:

«إِنَّكَ تَأْتِي قَوْمًا مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ، فَلْيَكُنْ أَوَّلَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ شَهَادَةُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ - وَفِي رِوَايَةٍ: إِلٰى أَنْ يُّوَحِّدُوا اللهَ - فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوكَ لِذٰلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوكَ لِذٰلِكَ، فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوكَ لِذٰلِكَ فَإِيَّاكَ وَكَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ، وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللهِ حِجَابٌ» (صحيح البخاري، الزكاة، باب لا تؤخذ كرائم أموال الناس في الصدقة، ح:١٤٥٨، ١٤٩٦، ٢٤٤٨، ٤٣٤٧، ٧٣٧٢ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدعاء إلى الشهادتين وشرائع الإسلام، ح:١٩)

"تم اہل کتاب کی ایک قوم کے پاس جا رہے ہو۔ تم انہیں سب سے پہلے اس بات کی گواہی کی طرف دعوت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ تم انہیں سب سے پہلے اس بات کی دعوت دینا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کرلیں۔ اگر وہ تمہاری یہ بات مان لیں تو انہیں بتلانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن

◄ دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بے علمی، بے یقینی اور جہالت کی بنیاد پر نہیں بلکہ علم، یقین اور مکمل معرفت کی بنیاد پر دعوت دے۔

"اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِی" کا مفہوم یہ ہے کہ میں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف علی وجہ البصیرت یعنی علم، یقین اور مکمل معرفت کی بنیاد پر دعوت دیتا ہوں۔ اسی طرح میری پیروی کرنے والے اور میری دعوت پر لبیک کہنے والے افراد بھی علم، یقین اور مکمل معرفت کی بنیاد پر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں۔
انبیاء کرام کے متبعین کا یہی طریقہ رہا ہے کہ وہ نہ صرف خود شرک سے ڈرتے، توحید کی حقیقت کو جانتے اور توحید کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ دوسروں کو بھی اس چیز کی طرف بلاتے اور اس کی دعوت دیتے ہیں اور یہ توحید کا ایک اہم تقاضا ہے۔

اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ پس اگر وہ تمہاری یہ بات بھی مان جائیں تو پھر انہیں بتلانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو اصحاب ثروت سے وصول کر کے فقراء اور غرباء میں تقسیم کی جائے گی۔ پس اگر وہ تمہاری یہ بات بھی مان جائیں تو ان کے عمدہ اور قیمتی اموال لینے سے احتیاط کرنا اور مظلوم کی بد دعا سے بچنا کیونکہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔"[1]

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خیبر کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلاً يُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ، وَيُحِبُّهُ اللهُ وَرَسُولُهُ، يَفْتَحُ اللهُ عَلَى يَدَيْهِ، فَبَاتَ النَّاسُ يَدُوكُونَ لَيْلَتَهُمْ أَيُّهُمْ يُعْطَاهَا، فَلَمَّا أَصْبَحُوا غَدَوْا عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ، كُلُّهُمْ يَرْجُو أَنْ يُعْطَاهَا، فَقَالَ: أَيْنَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ؟ فَقِيلَ: هُوَ يَشْتَكِي عَيْنَيْهِ، فَأَرْسَلُوا إِلَيْهِ فَأُتِيَ بِهِ، فَبَصَقَ فِي عَيْنَيْهِ وَدَعَا لَهُ، فَبَرَأَ كَأَنْ لَمْ يَكُنْ بِهِ وَجَعٌ، فَأَعْطَاهُ الرَّايَةَ، فَقَالَ: انْفُذْ عَلَى رِسْلِكَ حَتَّى تَنْزِلَ بِسَاحَتِهِمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الإِسْلَامِ، وَأَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ مِنْ حَقِّ اللهِ تَعَالَى فِيهِ، فَوَاللهِ لَأَنْ يَهْدِيَ اللهُ بِكَ رَجُلاً وَاحِدًا خَيْرٌ لَكَ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ»(صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب علي بن أبي طالب رضي الله عنه، ح:٣٧٠١ وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب علي بن أبي طالب رضي الله عنه ح:٢٤٠٦)

"کل میں یہ پرچم ایک ایسے شخص کو دوں گا جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ

---

[1] وجہ استدلال: اس حدیث میں وجہ استدلال یہ ہے کہ جب نبی ﷺ نے معاذ رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا تو آپ نے انہیں ہدایت فرمائی کہ وہ لوگوں کو سب سے پہلے اس بات کی گواہی کی طرف دعوت دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی (حقیقی) معبود نہیں۔ اس کی مزید وضاحت صحیح بخاری "کتاب التوحید" کی ایک روایت میں یوں ہے، نبی ﷺ نے فرمایا "تم سب سے پہلے لوگوں کو دعوت دینا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کو تسلیم کریں۔" (صحیح بخاری، التوحید، باب ماجاء فی دعاء النبی..... حدیث: ۷۳۷۲)

سے محبت ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ بھی اس سے محبت رکھتے ہیں' اس کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ فتح و نصرت عطا فرمائے گا۔ چنانچہ صحابہ کرام رات بھر قیاس آرائیاں کرتے رہے کہ پرچم کس کو دیا جا سکتا ہے۔ صبح ہوئی تو تمام صحابہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ ہر ایک کی یہی خواہش اور امید تھی کہ پرچم اسے ہی ملے گا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ بتایا گیا کہ ان کی تو آنکھیں دکھتی ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلوا بھیجا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب مبارک ڈالا اور دعا فرمائی۔

چنانچہ علی رضی اللہ عنہ مکمل طور پر یوں شفایاب ہو گئے گویا انہیں کچھ بھی تکلیف نہ تھی۔ آپ نے پرچم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تھما دیا اور فرمایا تیاری کر کے ابھی روانہ ہو جاؤ اور سیدھے ان کے میدان میں جا اترو۔ پھر سب سے پہلے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دینا اور اللہ تعالیٰ کے جو حقوق' اسلام میں' ان پر عائد ہوتے ہیں' وہ انہیں بتلانا۔ اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ تمہاری بدولت ایک آدمی کو بھی ہدایت دے دے تو (یہ سعادت) تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے کہیں بہتر (انتہائی قیمتی) ہے۔"[1]

---

[1] وجہ استدلال: اس حدیث میں وجہ استدلال یہ جملہ ہے "ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ" کہ اس کے بعد تم انہیں اسلام کی دعوت دینا۔

اسلام کی دعوت سے توحید کی دعوت مراد ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور جناب محمد ﷺ کی رسالت کا اقرار و اعتراف اسلام کا اہم اور عظیم ترین رکن ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ انہیں توحید کی دعوت دینے کے ساتھ ساتھ ان پر اللہ تعالیٰ کے جو حقوق عائد ہوتے ہیں وہ بھی بتلانا' خواہ ان حقوق کا تعلق توحید کے ساتھ ہو یا فرائض و واجبات اور محرمات سے اجتناب کے ساتھ۔ لہٰذا جب کوئی شخص کسی دوسرے کو اسلام کی دعوت دے تو سب سے پہلے اسے توحید کی دعوت دے اور "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" اور "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کا معنی و مفہوم بیان کرے پھر اس کے بعد اسے محرمات اور فرائض و واجبات سے بھی آگاہ کرے کیونکہ اساسی چیز سب سے مقدم اور سب سے پہلے واجب ہوتی ہے۔

مسائل

① رسول اکرم ﷺ کے متبعین کا انداز تبلیغ یہ ہے کہ وہ دوسروں کو بھی اللہ کے دین کی دعوت دیتے ہیں۔

② اخلاص نیت کی بھی ترغیب ہے کیونکہ اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ "دعوت الی الحق" لے کر اٹھیں بھی تو اس میں مخلص نہیں ہوتے بلکہ وہ لوگوں کو بالعموم اپنی ذات کی طرف بلاتے ہیں۔

③ دعوت کے کاموں میں بصیرت سے کام لینا ضروری ہے۔

④ توحید کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر عیب اور نقص سے پاک تسلیم کیا جائے۔

⑤ شرک کی ایک قباحت یہ بھی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں گالی ہے۔

⑥ اس باب کا ایک اہم ترین مسئلہ یہ بھی ہے کہ مسلمان کو مشرکین سے الگ تھلگ اور دور رہنا چاہیئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ شرک نہ کرنے کے باوجود ان کے ساتھ میل جول کی بنا پر ان کا ساتھی بن جائے۔

⑦ واجبات دین میں توحید اولین واجب مسئلہ ہے۔

⑧ نماز اور دیگر احکام دین سے پہلے توحید کی تبلیغ کی جائے۔

⑨ رسول اللہ ﷺ کے فرمان "اَنْ یُّوَحِّدُوا اللّٰہَ" اور کلمہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" کی شہادت دونوں کا ایک ہی معنی و مفہوم ہے۔

⑩ کچھ لوگ اہل کتاب ہونے کے باوجود عقیدۂ توحید سے کما حقہ باخبر نہیں ہوتے یا جاننے کے باوجود اس پر عمل نہیں کرتے۔

⑪ یہ آگاہی بھی ہوئی کہ دین کی تعلیم تدریجاً دینی چاہیئے۔

⑫ مراحل تبلیغ میں اہمیت کے مطابق مسائل بیان کئے جائیں۔

⑬ زکوٰۃ کے مصرف کا بھی بیان ہے۔

(۱۴) معلم کا فرض ہے کہ وہ متعلم کے شبہات کو بھی دور کرے۔
(۱۵) زکوٰۃ وصول کرتے وقت عمدہ اور قیمتی مال لینا منع ہے۔
(۱۶) مظلوم کی بد دعا سے بچنا چاہیے۔
(۱۷) مظلوم کی آہ و بد دعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔
(۱۸) سید المرسلین محمد رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اولیاء کرام پر مشقتوں، بھوک اور تکالیف کا گزرنا بھی توحید کی ایک بہت بڑی دلیل ہے۔
(۱۹) رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد کہ "میں کل یہ پرچم ایسے شخص کو دوں گا جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔" آپ کی علامات نبوت میں سے ہے۔
(۲۰) نبی ﷺ کا علی رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں لعاب ڈالنا اور ان کا فوراً صحت یاب ہو جانا بھی آپ کی علامات نبوت میں سے ہے۔
(۲۱) علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت بھی ظاہر ہے۔
(۲۲) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت اور فضیلت بھی واضح ہے کہ وہ ساری رات یہ سوچتے رہے کہ صبح یہ پرچم کس خوش نصیب کو ملنے والا ہے۔ اور اس سوچ میں وہ فتح کی بشارت بھول گئے۔ (گویا ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی خصوصی محبت کا اعزاز فتح کی بشارت سے زیادہ عزیز تھا۔)
(۲۳) "ایمان بالقدر" بھی ثابت ہوتا ہے کہ پرچم ایسے آدمی کو ملا جس نے اس کے حصول کی خواہش یا کوشش نہیں کی بلکہ کوشش کرنے والے اور خواہش رکھنے والے اسے حاصل نہ کر سکے۔
(۲۴) رسول اللہ ﷺ کا علی رضی اللہ عنہ سے فرمانا "عَلٰی رِسْلِكَ" (کہ سیدھے جاؤ)، اس میں آداب جنگ کی تعلیم ہے۔
(۲۵) جنگ سے پیشتر کفار کو اسلام کی دعوت دینی چاہیے۔
(۲۶) لوگوں سے اولین خطاب ہو یا قبل ازیں جنگ ہو چکی ہو یا دعوت دی جا چکی ہو، ہر

صورت میں جنگ سے قبل اسلام کی دعوت دینا مشروع ہے۔

(۲۷) رسول اللہ ﷺ کا فرمان کہ ان پر اللہ تعالیٰ کے جو حقوق عائد ہیں وہ انہیں بتلانا' اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی دعوت حکمت اور دانائی کے ساتھ پیش کرنی چاہیے۔

(۲۸) ایک مسلمان کو اسلام میں مقرر کردہ اللہ تعالیٰ کے حقوق سے روشناس ہونا چاہیے تاکہ وہ دوسروں کو بھی تعلیم دے سکے۔

(۲۹) معلوم ہوا کہ جس کسی کے ہاتھوں ایک بھی آدمی ہدایت پا جائے اس کے لیے بڑا ثواب اور بڑی عظمت ہے۔

(۳۰) فتویٰ پر قسم اٹھانا جائز ہے۔

باب : ۵

توحید کی تفسیر اور کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی شہادت کا مفہوم [1]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ﴿٥٧﴾ ﴾

(الإسراء ١٧/ ٥٧)

---

[1] کسی بات کی گواہی کا مفہوم یہ ہے کہ:
(الف) انسان اپنی زبان سے جو کچھ کہے دلی طور پر اس کا اعتقاد بھی رکھتا ہو۔ اعتقاد اسی صورت میں اعتقاد ہوتا ہے جب کہ اس کا علم اور اس کی سچائی کا یقین ہو۔
(ب) گواہی کو زبان سے ادا کرنا بھی ضروری ہے۔
(ج) اس بات سے دوسروں کو مطلع کرنا بھی گواہی کا حصہ ہے اور زبان سے اس کا نطق (بولنا) بھی واجب ہے۔ گواہ بھی اس وقت تک گواہ نہیں ہوتا جب تک کہ وہ متعلقہ بات سے دوسروں کو مطلع نہ کرے۔ تو معلوم ہوا کہ اَشْهَدُ (میں گواہی دیتا ہوں) کا معنیٰ 'اَعْتَقِدُ (میں اعتقاد رکھتا ہوں)' اَتَکَلَّمُ (میں زبان سے اس کا اقرار کرتا ہوں) اور اُخْبِرُ (میں اس سے دوسروں کو مطلع اور خبردار کرتا ہوں) ہوگا۔ اور ان تین معانی کا بیک وقت جمع ہونا لازمی اور حتمی ہے۔ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" میں لا نفی جنس کے لیے ہے۔
اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی شخص یا چیز الوہیت کا استحقاق نہیں رکھتی۔ نفی کے بعد "اِلَّا" (حرف استثناء) حصر کا فائدہ دیتا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ حقیقی الٰہ اور معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔
"اِلٰہ" معبود: بعض لوگ لا نفی جنس کی خبر "مَوْجُودٌ" بتاتے ہیں۔ ایسی صورت میں معنی یوں ہوگا کہ "اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود موجود نہیں۔" مگر یہ معنی اور مفہوم صحیح نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ←

"یہ لوگ، جنہیں وہ (مشرکین) پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے رب کا تقرب حاصل کرنے کے لیے وسیلہ (ذریعہ) ڈھونڈتے ہیں کہ کون اس کے قریب تر ہے۔ اور وہ اس کی رحمت کے امیدوار اور اس کے عذاب سے خائف رہتے ہیں۔ بے شک تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔"[1]

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ ﴿٢٦﴾ إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ ﴿٢٧﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢٨﴾ ﴾ (الزخرف ٤٣/ ٢٦ـ٢٨)

"اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے (صاف صاف) کہہ دیا تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی بندگی کرتے ہو میرا ان سے کوئی تعلق نہیں، میں ان سے بے زار ہوں۔ ہاں (میں صرف اسے مانتا ہوں) جس نے مجھے پیدا کیا ہے، وہی میری رہنمائی کرے گا۔ اور وہ یہی بات (دعوت) اپنی اولاد میں پیچھے چھوڑ گئے تاکہ وہ بھی

⬅ علاوہ دوسرے معبودوں کی عبادت ہوتی ہے جو کہ موجود ہیں۔ لہٰذا لا نفی جنس کی خبر "مَوْجُوْدٌ" کی بجائے "بِحَقٍّ یا "حَقٌّ" ہونی چاہیے۔ اس صورت میں معنی یوں ہو گا کہ: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود "برحق" نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے سوا جس کی بھی عبادت کی جائے وہ معبود ہی ہے اگرچہ اسے معبود سمجھنا یا بنانا باطل، ظلم، سرکشی اور ناجائز ہے۔ عربی زبان سے واقف آدمی کلمہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" سنتے ہی یہی مفہوم اخذ کرے گا۔

[1] اس آیت میں "يَدْعُوْنَ" کا معنی "يَعْبُدُوْنَ" ہے۔

وسیلہ: قصد اور حاجت کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ: یہ لوگ اپنی حاجات اور ضروریات کو اللہ تعالیٰ سے چاہتے ہیں۔ یہ مقصود اللہ تعالیٰ ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ لہٰذا وہ لوگ اللہ کے سوا کسی دوسرے کی طرف متوجہ نہیں ہوتے ان کی توجہ محض اللہ تعالیٰ پر مرکوز ہوتی ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے موقع کی مناسبت سے "اِلٰی رَبِّهِمْ" کہہ کر ربوبیت کا ذکر کیا ہے کیونکہ دعا کو قبول کرنا اور اس کا صلہ دینا ربوبیت کا خاصہ ہے۔

یوں اس آیت سے توحید کی تفسیر واضح ہوئی کہ تمام حاجات و ضروریات صرف اور صرف اللہ ⬅

اللہ ہی کی طرف رجوع کریں۔"[1]

اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا:

﴿ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ ﴾

(التوبة٩/ ٣١)

"ان (عیسائی) لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور بزرگوں کو رب بنالیا۔"[2]

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ ﴾ (البقرہ٢/ ١٦٥)

"کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو غیروں کو اللہ کے شریک ٹھہراتے ہیں اور ان سے اللہ کی سی محبت کرتے ہیں اور ایمان والے سب سے بڑھ کر اللہ سے محبت کرتے ہیں۔"[3]

عزوجل سے پوری ہوتی ہیں۔ ﴿ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ﴾ "وہ اس کی رحمت کے امیدوار اور اس کے عذاب سے خائف رہتے ہیں۔" یہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کا وصف ہے جو محبت' خوف اور امید کے ملے جلے جذبات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت بجالاتے ہیں۔ یہ بھی توحید ہی کی تفسیر ہے۔

[1] اس آیت مبارکہ میں نفی اور اثبات دونوں موجود ہیں۔ ان دونوں سے توحید ثابت ہوتی ہے۔ پس "لاَ اِلٰہ-----" کی جگہ ﴿ اِنَّنِیْ بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْن" اور "اِلاَّ اللّٰہ---" کی جگہ "اِلاَّ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ" ہے۔

براءت: کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی عبادت کی جاتی ہے ان سے بغض وعداوت رکھتے ہوئے ان کا (انکار) کرنا۔ جب تک دل میں یہ چیز نہ ہو اسلام راسخ اور پختہ نہیں ہو سکتا۔

[2] **ارباب:** رب کی جمع ہے: یہاں ربوبیت' عبادت کے معنی میں ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ ان (عیسائی) لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ اپنے علماء اور بزرگوں کو بھی اس حد تک اپنا معبود بنالیا کہ وہ حرام کو حلال یا حلال کو حرام کہہ دیتے تو وہ لوگ اسی طرح مان لیتے۔ کسی کی بات کو تسلیم کرنا بھی توحید سے تعلق رکھتا ہے اور غیراللہ کی غیر مشروط اطاعت' توحید کے منافی ہے۔

[3] یعنی ان لوگوں نے معبودان باطلہ کی محبت کو اللہ تعالیٰ کی محبت کے برابر کر دیا۔ وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ محبت رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے ان معبودوں کے ساتھ بھی اسی طرح کی شدید محبت رکھتے ہیں جن پر انہیں ناز ہے اور محبت میں یہ مساوات اور برابری کرنا شرک ہے۔ ان لوگوں کی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ قَالَ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ، وَكَفَرَ بِمَا يُعْبَدُ مِنْ دُوْنِ اللهِ، حَرُمَ مَالُهُ وَدَمُهُ، وَحِسَابُهُ عَلَى اللهِ عَزَّوَجَلَّ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب الأمر بقتال الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله...، ح:٢٣)

"جس شخص نے کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ کا اقرار کر لیا اور معبودان باطلہ کا انکار اور کفر کیا تو اس کا مال اور خون محفوظ ہو گیا۔ اب اس کا باقی معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔" (۱)

آئندہ آنے والے ابواب اسی عنوان "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ" کی شہادت کا مطلب شرح اور وضاحت پیش کرتے ہیں (۲)

⬅ اسی محبت نے انہیں جہنم میں پہنچا دیا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشعراء میں جہنمیوں کا یہ قول بیان فرمایا ہے:

﴿ تَٱللَّهِ إِن كُنَّا لَفِي ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ ﴿٩٧﴾ إِذْ نُسَوِّيكُم بِرَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٩٨﴾ ﴾

(الشعراء ٢٦/ ٩٧-٩٨)

"اللہ کی قسم! ہم تمہیں رب العالمین کے برابر قرار دے کر صریح گمراہی میں تھے۔"

محبت بھی عبادت کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ جنہوں نے غیر اللہ کے ساتھ' اللہ تعالیٰ کی سی محبت روا (مباح) رکھی تو گویا انہوں نے اپنے محبوبین کو اللہ تعالیٰ کے شریک بنا ڈالا۔ توحید اور کلمہ "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ" کی گواہی دینے کا یہی مفہوم ہے کہ جیسا تعلق اور محبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو' ویسا مضبوط تعلق اور شدید محبت کسی دوسرے کے ساتھ قطعاً نہ ہو۔

(۱) اس حدیث میں کلمۂ توحید "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ" کے اقرار کے علاوہ معبودان باطلہ کا کفر کرنے کی بات بھی بیان ہوئی ہے۔ گویا کلمۂ توحید "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ" کے اقرار و اعتراف میں معبودان باطلہ کا کفر' انکار اور ان سے اظہار براءت بھی شامل ہے۔

"حَرُمَ مَالُهُ وَدَمُهُ وَحِسَابُهُ عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ" کا معنی یہ ہے کہ جس نے کلمۂ توحید "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ" کا اقرار و اعتراف اور معبودان باطلہ کا انکار و کفر کیا وہ مسلمان ہو جاتا ہے جس کا مال اور خون صرف تین صورتوں (زنا' قتل اور ارتداد) ہی میں روا (جائز) ہے۔

اس تفصیل سے یہ خوب عیاں ہو چکا کہ توحید کی تفسیر اور کلمہ توحید "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ" کی گواہی' آپ سے بہت زیادہ توجہ' غور و فکر اور سوچ بچار کا تقاضا کرتی ہے تاکہ آپ اسے اچھی طرح سمجھ لیں۔

(۲) گویا ساری کتاب' توحید اور کلمہ توحید "لا الہ الا اللہ" کی تشریح و توضیح ہے اور ان امور کا تفصیلی ⬅

مسائل

① اس میں سب سے اہم مسئلہ' توحید اور کلمہ "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه" کی گواہی دینے کی تفسیر ہے جسے متعدد آیات و احادیث سے واضح کیا گیا ہے۔

② ان میں سے ایک' سورۃ الاسراء (بنی اسرائیل) کی آیت ۵۷ ہے جس میں ان مشرکین کی تردید ہے جو صالحین اور بزرگان کو پکارتے ہیں' اس آیت میں صاف صاف بیان ہے کہ یہی شرک اکبر ہے۔

③ اس باب میں دلائل توحید بیان کرتے ہوئے ایک دلیل سورۃ البراءۃ (التوبہ) کی آیت ۳۱ بھی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرمایا ہے کہ اہل کتاب نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ اپنے علماء اور بزرگوں کو بھی رب بنا رکھا تھا حالانکہ انہیں صرف اور صرف ایک الٰہ کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا۔ اس کے باوجود اس آیت کی وہ تفسیر جس میں کوئی اشکال یا ابہام نہیں' یہ ہے کہ اہل کتاب اپنے علماء اور بزرگوں کو مصیبت یا مشکل کے وقت پکارتے نہیں تھے بلکہ معصیت کے کاموں میں ان کی اطاعت کرتے تھے۔ (اور اسی کو معبود اور رب بنانا کہا گیا ہے)

④ اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اس بات کا بھی تذکرہ ہے جو انہوں نے کفار سے کہی تھی:

﴿ إِنَّنِي بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ ﴿٢٦﴾ إِلَّا ٱلَّذِى فَطَرَنِى﴾ (الزخرف۴۳/ ۲۶-۲۷)

"میں تمہارے معبودوں سے بے زار اور لا تعلق ہوں۔ میرا تعلق صرف اس ذات سے ہے جس نے مجھے پیدا کیا۔"

یوں ابراہیم علیہ السلام نے کفار کے معبودان باطلہ سے اپنے حقیقی رب کو مستثنیٰ کیا۔ اللہ

◄ بیان ہے جو اس کے متضاد اور توحید کی اصل اور کمال کے منافی ہیں۔

نیز اس میں شرک اکبر' شرک اصغر' شرک خفی اور شرکیہ الفاظ کی وضاحت کے ساتھ ساتھ توحید کے لوازمات یعنی توحید فی العبادت' اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا اقرار اور توحید الوہیت میں توحید ربوبیت کا اقرار شامل ہونے کا مفصل بیان ہے۔

تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ کفار سے اس طرح کی براءت و بے زاری اور اللہ تعالیٰ کی موالات و محبت کا اظہار ہی کلمہ "لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه" کی گواہی دینا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِۦ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢٨﴾ ﴾ (الزخرف۴۳/ ۲۸)

"اور ابراہیم علیہ السلام یہی پیغام اپنے پیچھے اپنی اولاد اور قوم کو دے گئے تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔"

⑤ نیز ایک دلیل، سورۂ بقرہ کی وہ آیت بھی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے متعلق فرمایا:

﴿ وَمَا هُم بِخَٰرِجِينَ مِنَ ٱلنَّارِ ﴿١٦٧﴾ ﴾ (البقرہ۲/ ۱۶۷)

"وہ جہنم کی آگ سے نکلنے والے نہیں۔"

اور ان کے متعلق فرمایا کہ وہ اپنے بنائے معبودوں، اللہ کے شریکوں سے یوں محبت کرتے ہیں جیسی محبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہونی چاہئے۔ نیز واضح فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بھی شدید محبت رکھتے ہیں لیکن ان کی یہ محبت انہیں اسلام میں داخل نہیں کر سکی۔ ذرا غور کریں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے ساتھ ساتھ غیراللہ سے محبت کرنے والے مسلمان نہیں تو اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر شریکوں سے محبت کرنے والوں یا اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر صرف غیراللہ سے محبت کرنے والوں کا کیا حال ہو گا؟

⑥ اور ایک دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ذی شان بھی ہے کہ "جس آدمی نے کلمہ "لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه" کا اقرار اور معبودان باطلہ کا انکار کیا اس کا مال اور خون (جان) محفوظ ہو گیا اور اس کا حساب یعنی باقی معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔" یہ فرمان مبارک ان عظیم دلائل میں سے ایک ہے جو کلمہ "لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه" کے معنی و مفہوم کو صحیح طور پر واضح کرتے ہیں کہ محض اس کلمہ کو زبان سے ادا کر لینے اور اس کے معنی کی معرفت حاصل کر لینے، اقرار کر لینے اور اکیلے اللہ کو بغیر شریک ٹھہرائے پکار لینے سے مال و جان کو تحفظ نہیں مل جاتا بلکہ مال و جان کو تحفظ اسی وقت ہی مل سکتا ہے جب اس کے ساتھ ساتھ معبودان باطلہ کا انکار بھی کیا جائے۔ یاد رہے کہ اگر

کسی نے ان باتوں میں سے کسی ایک میں بھی ذرا سا شک یا توقف کیا تو اس کی جان اور مال کو تحفظ و امان حاصل نہ ہو سکے گا۔ غور کریں یہ مسئلہ کس قدر اہم، عظیم اور کس قدر واضح ہے اور مخالفین کے خلاف کتنی بڑی قاطع دلیل ہے۔

باب : ٦

رفع بلاء اور دفع مصائب کے لیے چھلے پہننا اور دھاگے وغیرہ باندھنا شرک ہے۔ [1]

---

[1] شرک کی توضیح کرتے ہوئے یہاں سے توحید کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ اور یہ بات طے شدہ ہے کہ کسی چیز کی معرفت اور پہچان دو طرح سے حاصل ہوتی ہے۔ اپنی حقیقت کی معرفت اور اس کی ضد کی معرفت۔

یہاں سے امام (محمد بن عبدالوہاب) اپنی گفتگو کا آغاز' توحید کے متضاد یعنی شرک اکبر کے بیان سے کر رہے ہیں۔ کیونکہ شرک اکبر کے ارتکاب سے توحید مکمل طور پر ختم ہو کر رہ جاتی ہے اور اس کا مرتکب ملت اسلامیہ سے یکسر خارج ہو جاتا ہے۔ شرک کی بعض اقسام ایسی ہیں جو توحید کے اعلیٰ درجہ کے منافی ہیں اور وہ اقسام شرک اصغر کے قبیل سے ہیں۔ ان کے ارتکاب سے توحید کے اعلیٰ درجہ میں کمی آ جاتی ہے۔ اس لیے توحید کا اعلیٰ ترین درجہ تو یہ ہے کہ انسان شرک کی جملہ انواع واقسام سے بچ کر رہے۔

شیخ (محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ) نے شرک کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ابتدا میں شرک اصغر کی بعض ایسی اقسام کا ذکر کیا ہے جو لوگوں سے عام طور پر سرزد ہوتی رہتی ہیں۔ نیز انہوں نے ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف منتقل ہونے کے اصول پر عمل کرتے ہوئے اولاً شرک اصغر کا اور بعد ازاں شرک اکبر کا ذکر کیا ہے۔

اس باب کے عنوان سے واضح ہوا کہ چھلے پہننے اور دھاگے باندھنے کے علاوہ منکے' تعویذات' لوہا' چاندی وغیرہ اور دیگر مختلف اشیاء جو گلے میں باندھی یا لٹکائی جاتی ہیں یا گھروں میں' گاڑیوں پر یا چھوٹے بچوں کے گلے میں کسی مخصوص مقصد' نظریہ یا عقیدہ کے تحت پہنی' باندھی یا لٹکائی جاتی ہیں' یہ سب شرک ہے۔

چھلے اور دھاگے اور اسی طرح تعویذات وغیرہ کی بابت عربوں کا عقیدہ تھا کہ یہ اشیاء آئی ہوئی مصیبت کو رفع کر دیتی یا آنے والی مصیبت کو روک دیتی ہیں۔ ایسی حقیر اشیاء کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو روک سکتی ہیں' یہ شرک اصغر کیسے ہو سکتا ہے؟ (بلکہ یہ تو شرک اکبر ہے۔) کیونکہ ⬅

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ قُلْ أَفَرَءَيْتُم مَّا تَدْعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ إِنْ أَرَادَنِىَ ٱللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَـٰشِفَـٰتُ ضُرِّهِۦٓ أَوْ أَرَادَنِى بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَـٰتُ رَحْمَتِهِۦ ۚ قُلْ حَسْبِىَ ٱللَّهُ ۖ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ ٱلْمُتَوَكِّلُونَ ﴿٣٨﴾ ﴾ (الزمر ۳۹/ ۳۸)

"(اے محمد ﷺ) آپ ان سے کہہ دیجئے: تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر اللہ مجھے کوئی ضرر پہنچانا چاہے تو اللہ کے علاوہ تم جن کو پکارتے ہو کیا وہ اس ضرر کو ہٹا سکتے ہیں؟ یا اللہ مجھ پر مہربانی کرنا چاہے تو کیا یہ اسکی رحمت کو روک سکتے ہیں؟ آپ کہہ دیجیے: مجھے تو اللہ ہی کافی ہے۔ بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔"[1]

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

◄ ایسا کرنے والے کے دل میں ان اشیاء کی محبت موجود ہوتی ہے اور وہ ان اشیاء کو مصائب روکنے اور ان سے بچانے کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ یہی شرک ہے۔ اصل اصول یہ ہے کہ صرف انہی اشیاء اور اسباب کی تاثیر کا عقیدہ رکھنا جائز ہے جن کی شریعت نے اجازت دی ہے یا تجربہ سے ثابت ہو کہ یہ اسباب واقعی ظاہری طور پر مؤثر ہیں۔ مثلاً طبیب کا دوا دینا' یا جیسے وہ اسباب' جن سے نفع حاصل ہوتا ہے جیسے آگ سے حرارت اور پانی سے ٹھنڈک کا حاصل ہونا وغیرہ۔ یہ ایسے اسباب ہیں جن کی تاثیر ظاہر اور واضح ہے۔

شرک اصغر کی جملہ اقسام بعض اوقات نیتوں کی بنیاد پر شرک اکبر بن جاتی ہیں۔ مثلاً کوئی شخص چھلے اور دھاگے وغیرہ کو سبب سمجھنے کی بجائے یہ عقیدہ رکھے کہ یہ بذات خود مؤثر ہے تو اس کا یہ عمل شرک اکبر ہو گا کیونکہ اس نے یہ عقیدہ رکھا کہ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی کوئی چیز تصرف کرنے کی قدرت رکھتی ہے۔ گویا اس مسئلے کا اصل تعلق دل کے ساتھ ہے۔

[1] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا کہ آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ کیا اس بات کا اقرار کر لینے کے باوجود کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمینوں کا خالق ہے' تم اس کے ساتھ ساتھ غیر اللہ کی بھی عبادت کرتے ہو؟ قرآن مجید کا یہی انداز ہے کہ مشرکین جس توحید ربوبیت کا اقرار کرتے ہیں' وہ ان کے اسی اقرار کو ان کے خلاف پیش کر کے اس توحید الوہیت کا اثبات کرتا ہے جس سے وہ انکار کرتے ہیں۔

"تَدْعُونَ" تم پکارتے ہو۔ یہ پکارنا بطور سوال اور طلب ہو یا محض بطور عبادت۔ مشرکین میں غیر اللہ کو پکارنے کی یہ دونوں صورتیں پائی جاتی ہیں۔ اور اللہ کے علاوہ جنہیں پکارا جاتا ہے ان کی کئی قسمیں ہیں مثلاً بعض مشرک تو مصیبت' دکھ یا پریشانی کے موقع پر بعض انبیاء' رسل اور صالحین کو پکارتے ہیں' بعض ◄

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَأَى رَجُلاً فِي يَدِهِ حَلْقَةٌ مِّنْ صُفْرٍ فَقَالَ: مَا هٰذِهِ؟ قَالَ: مِنَ الْوَاهِنَةِ، فَقَالَ: انْزِعْهَا فَإِنَّهَا لاَ تَزِيدُكَ إِلاَّ وَهْنًا، فَإِنَّكَ لَوْ مُتَّ وَهِيَ عَلَيْكَ مَا أَفْلَحْتَ أَبَدًا»(مسند أحمد: ٤/ ٤٤٥ وسنن ابن ماجه، الطب، باب تعليق التمائم، ح: ٣٥٣١)

''نبی ﷺ نے ایک آدمی کے ہاتھ میں پیتل کا چھلا دیکھا تو پوچھا: ''یہ کیا ہے؟'' اس نے کہا یہ واھنہ (ایک مرض) کی وجہ سے پہنا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''اسے اتار دو۔ (اس لیے کہ یہ تمھیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا) تمھاری بیماری میں مزید اضافہ ہی کرے گا۔ اگر تمھیں یہ چھلا پہنے ہوئے موت آگئی تو کبھی نجات نہ پا سکو گے۔ ⓵

⇐ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کو پکار کے لائق سمجھتے ہیں اور بعض ستاروں کی طرف' بعض اشجار و احجار کی طرف اور بعض بتوں اور مٹی کی ڈھیریوں کی طرف لپکتے اور جھکتے ہیں۔ یہ سب شرک کی صورتیں ہیں۔ پیش نظر آیت میں اللہ تعالیٰ نے ثابت کیا ہے کہ یہ تمام معبودان باطلہ کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے پر قادر نہیں۔ اب ان اشیاء اور شخصیات کے متعلق مشرکین کا یہ عقیدہ' کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے بلند مراتب ہیں جن کی وجہ سے یہ اس کے ہاں سفارش کر سکیں گے' باطل اور بے بنیاد ہوا۔ قرآن مجید میں جو آیات شرک اکبر کی تردید میں آئی ہیں' اہل علم انھی آیات کو شرک اصغر کے ابطال اور تردید میں بھی پیش کرتے ہیں کیونکہ دونوں قسم کے شرک (اکبر اور اصغر) میں انسان اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیر اللہ کے ساتھ اپنا تعلق جوڑ لیتا ہے۔ لہٰذا جب بڑی صورت (شرک اکبر) میں غیر اللہ کے ساتھ تعلق جوڑنا باطل اور بے حقیقت ہے تو چھوٹی صورت (شرک اصغر) میں تو بالاولیٰ باطل ہوا۔

نیز اس آیت میں یہ بھی بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو یہ قدرت حاصل نہیں کہ وہ کسی کو کچھ ضرر یا نقصان پہنچا سکے۔ اسی طرح یہ بھی کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو کوئی ضرر پہنچائے تو اس کے حکم کے بغیر کوئی بھی شخص یا چیز اس ضرر کو ہٹانے پر قادر نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ' کسی کو نفع دینے یا ضرر پہنچانے کے لائق سمجھنے کا یہی وہ مفہوم ہے جس کے پیش نظر مشرک لوگ چھلے پہنتے یا دھاگے باندھتے ہیں' اسی لیے ان کاموں کو شرک کہا گیا ہے۔

⓵ آپ کا مَاهٰذِهِ؟ کہہ کر اس چھلے کے متعلق دریافت کرنے کا یہ انداز اس کے اس عمل پر شدید ناراضی' ناپسندیدگی' اور انکار کے لیے تھا۔

واھنہ: ایک بیماری ہے جو جسم کو کمزور کر ڈالتی ہے۔

(امام ابن الاثیر الجزری فرماتے ہیں کہ ''واھنہ'' ایک ایسی بیماری ہے جس سے کندھے یا پورے بازو ⇐

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيْمَةً فَلاَ أَتَمَّ اللهُ لَهُ، وَمَنْ تَعَلَّقَ وَدَعَةً فَلاَ وَدَعَ اللهُ لَهُ»(مسند أحمد: ٤/ ١٥٤)

''جس نے (بیماری سے تحفظ کے لیے) کوئی تمیمہ (تعویذ' منکا وغیرہ) لٹکایا' اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری نہ کرے۔ اور جس نے سیپ باندھی اللہ تعالیٰ اسے بھی آرام اور

◄ کی رگ پھول جاتی ہے۔ اس تکلیف سے نجات کے لیے دم بھی کرتے ہیں۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ کہنی اور کندھے کے درمیانی حصہ میں بعض اوقات تکلیف ہو جایا کرتی ہے۔ یہ تکلیف مردوں کو ہوتی ہے۔ عورتوں کو نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو وہ چھلا پہننے سے اس لیے منع فرمایا تھا کہ اس نے اس خیال سے پہنا تھا کہ وہ اسے مرض سے محفوظ رکھے گا۔ حالانکہ چھلے کا بیماری سے نجات سے کوئی واسطہ یا تعلق نہیں۔ مترجم)

''اِنْزِعْهَا'' اسے اتار دو۔ یہ حکم تھا اور جس شخص کو کوئی حکم دیا جائے' اگر انسان جانتا ہو کہ وہ حکم کی اطاعت سے انکار نہیں کرے گا تو اسے ہاتھ سے منع کرنے کی بجائے زبان سے کہہ دینا ہی کافی ہوتا ہے۔

''فَاِنَّهَا لَا تَزِيْدُكَ اِلَّا وَهْنًا'' ''یہ تمہاری بیماری میں مزید اضافہ ہی کرے گا''۔

یعنی اگر تمہارے عقیدہ کے مطابق اس کی کوئی تاثیر ہے تو یہ نہ صرف تمہارے جسم کو نقصان پہنچائے گا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ تمہاری روح اور نفس کو بھی نقصان پہنچائے گا اور وہ یہ کہ تمہاری روح اور نفس کمزور ہو جائیں گے۔

مشرک کی عقل کام نہیں کرتی۔ وہ چھوٹے نقصان سے بچنے کی خاطر کوئی ایسا کام کر بیٹھتا ہے جو پہلے سے بھی بڑے نقصان پر منتج ہوتا ہے۔ مگر وہ عقل کی کمی کی وجہ سے نقصان کو نفع پر محمول کرتا رہتا ہے۔

''فَاِنَّكَ لَوْ مُتَّ وَهِيَ عَلَيْكَ مَا اَفْلَحْتَ اَبَدًا''۔ ''اگر تمہیں یہ چھلا پہنے ہوئے موت آگئی تو کبھی نجات نہ پاسکو گے''۔

اس نفی میں دو معنوں کا احتمال ہے۔ ایک تو یہ کہ ایسا کرنے والے کو شرک اکبر کا ارتکاب کرنے والے کی مانند کبھی جنت میں داخلہ اور جہنم سے نجات نہ مل سکے گی کیونکہ اس نے یہ عقیدہ رکھا کہ یہ چھلا بذات خود نفع بخش اور مفید ہے اور دوسرا معنی ہے کہ ایسا کرنے والے کو مکمل نجات نہ مل سکے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شرعی یا قدرتی طور پر جس چیز کو شفا کا سبب قرار نہیں دیا اس نے اسی کو شفا دہندہ سمجھ لیا۔ اس لیے اس مفہوم کے لحاظ سے اس کا شرک' شرک اصغر ہو گا۔

سکون نہ دے۔" (1)

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«مَنْ تعَلَّقَ تَمِيْمَةً فَقَدْ أَشْرَكَ»(مسند أحمد: ٤/ ١٥٦)

"جس نے (بیماری سے تحفظ کی نیت سے) تمیمہ (تعویذ' منکا وغیرہ) لٹکایا اس نے شرک کیا۔"

ابن ابی حاتم نے حذیفہ رضی اللہ عنہ کے متعلق بیان کیا ہے:

«أَنَّهُ رَأَى رَجُلاً فِي يَدِهِ خَيْطٌ مِّنَ الْحُمَّى فَقَطَعَهُ»(ذكره ابن كثير في التفسير: ٤/ ٣٤٢)

"انہوں نے ایک شخص کے ہاتھ میں بخار سے تحفظ کے لیے دھاگا بندھا ہوا دیکھا تو انہوں نے اسے کاٹ ڈالا اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

---

(1) مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيْمَةً فَلَا أَتَمَّ اللّٰهُ لَهُ (جس نے تمیمہ لٹکایا اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری نہ کرے) "تَعَلَّقَ" کا معنی جہاں لٹکانے کا ہے وہاں اس کا معنی دلی لگاؤ اور قلبی میلان کا بھی ہے۔ گویا کوئی چیز (بیماری سے تحفظ کے لیے) لٹکانے والے کا دلی لگاؤ اور قلبی میلان اس کی طرف ہوتا ہے۔

"تمیمہ" ...... نظر بد سے تحفظ' نقصان سے بچاؤ اور کسی کے حسد سے حفاظت کی خاطر' منکے یا کوئی دوسری چیز جو گلے میں پہنی اور سینے پر لٹکائی جائے اسے "تمیمہ" کہا جاتا ہے۔ ایسا کرنے والے پر نبی ﷺ نے بد دعا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری نہ کرے۔ تمیمہ کو تمیمہ کہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس کے بارے میں انسان کا یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ میرا کام یہی (منکے وغیرہ) مکمل اور تمام کریں گے۔ تو آپ نے اسی بد اعتقادی کی بنا پر بد دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس کا کام مکمل اور پورا ہی نہ کرے۔

"وَمَنْ تَعَلَّقَ وَدَعَةً فَلَا وَدَعَ اللّٰهُ لَهُ" (اور جس نے سیپ (گلے میں) لٹکائی اللہ تعالیٰ اسے آرام اور سکون نہ دے)

"ودعة" سیپوں یا منکوں کی ایک قسم ہے جسے لوگ (گلے میں پہن کر) سینے پر رکھتے ہیں یا پھر نظر بد سے بچنے کے لیے بازو پر باندھتے ہیں۔ ایسا کرنے والے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے بد دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو آرام و سکون اور راحت میں نہ رہنے دے۔ کیونکہ اس نے اللہ عزوجل کے ساتھ شرک کیا۔

﴿ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِٱللَّهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ ﴿١٠٦﴾ ﴾ (یوسف۱۲/ ۱۰۶)

”اور ان میں سے اکثر لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے باوجود مشرک ہیں۔“ [1]

(تفسیر ابن ابی حاتم: ۷/ ۱۲۰۴۰)

مسائل

(۱) (بیماری سے تحفظ کی نیت سے) چھلا پہننا اور دھاگہ وغیرہ باندھنا سخت منع ہے۔

(۲) اگر صحابی بھی اس نیت سے کوئی چیز پہنے، باندھے یا لٹکائے اور اسی حال میں مرجائے تو وہ بھی کبھی فلاح نہیں پا سکتا۔ حدیث میں صحابہ کی اس ٹھوس بات کے لیے شاہد بھی موجود ہے کہ شرک اصغر، کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔

(۳) جہالت کے سبب بھی ان اعمال کے مرتکب کو معذور نہیں سمجھا جائے گا۔

(۴) یہ چیزیں دنیا میں بھی مفید نہیں بلکہ مضر ہیں کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ”یہ تیری بیماری کو مزید بڑھائے گا۔“

(۵) ایسی چیزیں استعمال کرنے والے کو سختی سے روکنا چاہیے۔

(۶) جو شخص، کوئی چیز باندھے یا لٹکائے تو اسے اسی کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔

---

[1] ”مِنَ الْحُمّٰى“ میں لفظ ”مِنْ“ تعلیل کا ہے۔ یعنی اس نے وہ دھاگہ بخار کو دور کرنے اور اس سے بچنے کے لیے باندھا تھا۔ ”فَقَطَعَهُ“ ”تو انہوں نے اسے کاٹ ڈالا“ اس سے ثابت ہوا کہ کسی بیماری سے تحفظ اور شفا کے لیے دھاگہ وغیرہ باندھنا ایسا کبیرہ گناہ ہے جس پر ناپسندیدگی کا اظہار کرنا واجب اور اسے کاٹ ڈالنا ضروری ہے۔

نیز ثابت ہوا کہ جہنم سے نجات کے لیے صرف توحید ربوبیت پر ایمان رکھنا کہ ہمارا پروردگار، رازق، اور ہماری زندگی اور موت کا مالک اللہ ہے۔ یہی بات کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ توحید فی العبادت بھی نجات کے لیے شرط ہے۔ اس آیت میں شرک سے مراد شرک اکبر ہے۔ مصنف (امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ) یہی بتانا چاہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شرک اکبر کے بارے میں نازل شدہ آیات سے شرک اصغر بھی مراد لیا کرتے تھے۔

⑦ تمیمہ (تعویذ' منکا وغیرہ) لٹکانا بھی شرک ہے۔
⑧ بخار کی وجہ سے دھاگہ وغیرہ باندھنا بھی شرک ہے۔
⑨ حذیفہ رضی اللہ عنہ کا اس موقع پر سورۂ یوسف کی آیت تلاوت کرنا یہ دلیل ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شرک اکبر کی آیات کو شرک اصغر کی تردید میں پیش کیا کرتے تھے جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا ہے۔
⑩ نظر بد سے بچاؤ کے لیے سیپ باندھنا بھی شرک ہے۔
⑪ (بیماریوں سے تحفظ کے لیے) تمیمہ (تعویذ' منکا وغیرہ) لٹکانے والے اور سیپ وغیرہ باندھنے والے کے لیے بد دعا کی جا سکتی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری نہ کرے اور اسے آرام نہ دے۔"

باب : ۷

دم اور تعویذات کا بیان[1]

---

[1] اس باب میں دم کرنے اور کروانے کا حکم بیان ہوا ہے۔ ایسے اذکار، دعائیں اور بابرکت الفاظ جنہیں پڑھ کر پھونک ماری جائے، انہیں دم کہتے ہیں۔

ان میں سے بعض کا اعضائے بدن پر اور بعض کا روحانی طور پر اثر ہوتا ہے۔ بعض ان میں سے شرعاً جائز ہیں اور بعض ناجائز، حرام بلکہ شرک ہیں۔ جن دموں میں شرکیہ الفاظ نہ ہوں، شارع علیہ السلام نے ان کی اجازت دی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

"لَا بَأْسَ بِالرُّقٰی مَا لَمْ تَكُنْ شِرْكًا" "دم میں اگر شرکیہ کلمات نہ ہوں تو وہ جائز ہیں، ان میں کوئی حرج نہیں۔"

شرکیہ دم: وہ ہیں جن میں غیراللہ سے مدد مانگی جائے یا ان میں شیاطین کے نام آتے ہوں یا دم کرانے والا یہ عقیدہ رکھے کہ یہ کلمات ازخود مؤثر یا نفع بخش ہیں۔ ایسی صورت ہو تو یہ دم ناجائز اور شرکیہ ہو گا۔

اور تمیمہ یعنی تعویذات سے مراد، چمڑے کے ٹکڑے، منکے، لکھے ہوئے بعض الفاظ و کلمات یا مختلف شکلوں کی چیزیں مثلاً ریچھ یا ہرن کا سر، خچر کی گردن، سیاہ کپڑا، آنکھ کی شکل کی کوئی چیز یا منکوں کی مالا وغیرہ کوئی بھی چیز گلے میں ڈالنا، باندھنا اور لٹکانا ہے۔ یہ تمام اشیاء تمیمہ یعنی تعویذ کہلاتی ہیں۔

الغرض ہر وہ چیز جس کے متعلق یہ اعتقاد ہو کہ یہ خیر اور بھلائی کا سبب اور نقصان سے تحفظ اور اس کے دفعیہ کا باعث ہے، اسے تمیمہ (تعویذ) کہا جاتا ہے۔ اس چیز کی شرعاً اور تقدیراً بالکل اجازت نہیں دی گئی۔ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ ہم ان چیزوں کو کسی امید یا لالچ کے نظریہ سے یا نقصان سے بچنے کی خاطر نہیں بلکہ محض گاڑی یا گھر کی زینت کے لیے لٹکاتے ہیں۔

یاد رکھنا چاہئے کہ ان اشیاء کو اگر کسی فائدہ کے لالچ یا نقصان سے بچنے کے لیے استعمال کیا جائے تو یہ شرک اصغر ہو گا۔ تاہم چونکہ انہیں استعمال کرنے میں مشرکین کے ساتھ مشابہت ہے اس لیے ان چیزوں کو محض زینت کے لیے لٹکانا بھی حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ" "جو شخص جن لوگوں کی مشابہت اختیار کرے وہ انہی میں شمار ہو گا۔"

حضرت ابو بشیر انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ، فَأَرْسَلَ رَسُولاً أَنْ لاَ يُبْقَيَنَّ فِي رَقَبَةِ بَعِيرٍ قِلاَدَةٌ مِّنْ وَتَرٍ، أَوْ قِلاَدَةٌ إِلاَّ قُطِعَتْ»

(صحيح البخاري، الجهاد، باب ما قيل في الجرس ونحوه في أعناق الإبل، ح: ٣٠٠٥ وصحيح مسلم، اللباس، باب كراهة قلادة الوتر في رقبة البعير، ح: ٢١١٥)

"وہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ کسی سفر میں تھے کہ آپ نے ایک قاصد کو یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا کہ کسی اونٹ کی گردن میں تانت کا ہار یا کوئی اور ہار نہ رہنے دیا جائے بلکہ اسے کاٹ دیا جائے۔"[1]

ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

«إِنَّ الرُّقَى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ» (مسند أحمد: ١/ ٣٨١ وسنن أبي داود، الطب، باب تعليق التمائم، ح: ٣٨٨٣)

"بلاشبہ جھاڑ پھونک (دم)' تعویذ گنڈے اور باہمی عشق و محبت پیدا کرنے کے لیے تیار کی جانے والی چیزیں' یہ سب شرک ہیں۔"[2]

---

[1] اونٹوں کے گلوں سے قلادہ (ہار) کاٹنے کا حکم اس لیے دیا تھا کہ عرب سمجھتے تھے کہ یہ چیز اونٹوں اور بکریوں سے نظربد کو دور کرتی ہے۔ ایسا عقیدہ رکھنا خلاف اسلام اور شرک ہے۔
(دور جاہلیت میں رسم تھی کہ کمان کی تانت پرانی ہو جاتی تو اسے تبدیل کر لیتے اور پرانی تانت کو چوپایوں کے گلے میں ڈال دیتے۔ ان کا خیال تھا کہ اس سے جانور نظربد سے محفوظ رہتا ہے (مترجم))۔

[2] اس حدیث میں یہ بات تاکید کے ساتھ بیان ہوئی ہے کہ بلاشبہ تمام کے تمام منتر اور دم' ہر قسم کے تعویذ گنڈے اور باہمی عشق و محبت پیدا کرنے کے لیے تیار کی جانے والی سب چیزیں' شرک ہیں۔ ان تمام (شرکیہ) چیزوں میں سے صرف اس دم کی رخصت اور اجازت ہے جس کی وضاحت اس فرمان رسول ﷺ سے ہوتی ہے۔

«لاَ بَأْسَ بِالرُّقَى مَا لَمْ تَكُنْ شِرْكًا»

(صحيح مسلم، السلام، باب لا بأس بالرقى مالم يكن فيه شرك، ح: ٢٢٠٠ وسنن

اس حدیث میں تین الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ "التَّمَائِم' الرُّقٰی' التِّوَلة"

"اَلتَّمَائِم": سے مراد ہر وہ چیز ہے جو بچوں کو نظربد سے بچانے کے لیے ان کے گلے میں یا جسم کے کسی اور حصے پر لٹکائی یا باندھی جاتی ہے۔ (یہ شرک ہے) لیکن جب وہ چیز قرآنی آیات پر مشتمل ہو (یعنی قرآنی تعویذ ہو) تو بعض صحابہ نے اسے جائز قرار دیا ہے اور بعض نے ناجائز۔ انھی (ناجائز قرار دینے والوں) میں سے ایک عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی ہیں [1]

← أبي داود، الطب، باب في الرقى، ح:٣٨٨٦)

"جس دم میں شرکیہ کلمات شامل نہ ہوں اس میں کوئی حرج نہیں یعنی ایسا دم جائز ہے۔"

اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دم کیا اور کروایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام کے تمام دم شرک نہیں بلکہ بعض قسم کے دم شرک ہیں اور وہ وہی ہیں جن میں شرکیہ کلمات شامل ہوں۔

باقی رہے "تمائم" یعنی تعویذ گنڈے۔ تو ان کے بارے میں کچھ تخصیص نہیں کہ ان کے جائز ہونے کی بھی کوئی صورت ہو۔ لہٰذا تعویذ گنڈوں کی تمام قسمیں شرک ہیں۔

"تِوَلَة" کی وضاحت، شیخ (محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ) نے اس طرح بیان فرمائی ہے کہ یہ وہ چیز ہے جسے مشرکین ایک خاص عمل سے تیار کرتے اور یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ یہ میاں بیوی کو ایک دوسرے کا محبوب بنانے کا ذریعہ اور سبب ہے۔

یہ جادو کی ایک قسم ہے۔ عام لوگ اسے صَرف اور عطف، یعنی دل کو پھیر دینے اور نرم کر دینے کا ذریعہ قرار دیا کرتے تھے۔

درحقیقت یہ تعویذ گنڈوں ہی کی ایک قسم ہے کیونکہ اسے ایک خاص عمل سے تیار کیا جاتا اور جادوگر ہی شرکیہ کلمات کے ذریعہ اسے دم کرتا اور اپنے زعم باطل میں اسے میاں بیوی کو ایک دوسرے کا محبوب بنانے کا ذریعہ اور سبب بتاتا۔ اس (جادو کے عمل کی) بناء پر یہ جادو کی قسم بھی ہوئی۔ اور جادو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک اور کفر ہے۔

[1] جو بھی چیز، نظربد دور کرنے، نقصان سے بچاؤ یا جان کی بہتری و بھلائی کے لیے لٹکائی یا باندھی جائے، خواہ اس کی شکل و صورت کسی بھی قسم کی ہو، وہ "تمائم" میں شامل ہے۔ کسی چیز پر قرآنی آیات لکھ کر اسے لٹکانے یا باندھنے کو بعض صحابہ نے جائز قرار دیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا حدیث میں اگرچہ "تمائم" کو شرک کہا گیا ہے لیکن جب کوئی آدمی قرآنی آیات لٹکالے یا باندھ لے تو وہ شرک کا ←

"اَلرُّقٰی" سے مراد وہ اعمال ہیں جنہیں منتر' جھاڑ پھونک اور دم کہا جاتا ہے (یہ بھی شرک ہے) لیکن شرعی دلیل نے وضاحت کردی کہ جس دم میں شرکیہ الفاظ نہ ہوں وہ جائز ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے نظربد اور زہریلے جانور کے ڈسنے پر دم کی رخصت اور اجازت فرمائی ہے۔

"اَلتِّوَلَۃ" سے مراد وہ چیز ہے جسے مشرکین اس نظریے اور اعتقاد سے بناتے اور تیار کرتے تھے کہ یہ میاں بیوی کو ایک دوسرے کا محبوب بنانے کا ذریعہ اور سبب ہے۔

عبداللہ بن عکیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِّلَ إِلَيْهِ»(مسند أحمد: ٤/ ٣١٠، ٣١١ وجامع الترمذي، الطب، باب ما جاء في كراهية التعليق، ح: ٢٠٧٢)

"جو شخص کوئی چیز (گلے وغیرہ میں) لٹکائے تو اسے اسی کے سپرد کردیا جاتا ہے۔"[1]

◄ مرتکب نہیں ہوگا' کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی ایک صفت' کلام اللہ کا کچھ حصہ لٹکایا ہے اور اپنے نقصان کو دور کرنے کے لیے کسی مخلوق کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہرایا۔

[1] اس حدیث میں لفظ "شَيْئًا" جملہ شرطیہ میں نکرہ استعمال ہوا ہے جس میں تمام اشیاء شامل ہیں۔ یعنی جو بھی شخص' کوئی بھی چیز لٹکائے گا وہ اسی کے حوالے کردیا جائے گا۔ اس دلیل میں چونکہ عموم ہے اور کسی چیز کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا تو جو شخص اس عموم سے' لٹکانے کی کسی چیز کا جواز پیدا کرنے کی کوشش کرے' اس کی دلیل اسی پر پڑے گی اور اس کی بات رد کردی جائے گی۔

جب کسی بندے کو غیر اللہ کے سپرد کردیا جائے تو خسارہ اور نقصان اسے ہر جانب سے گھیر لیتا ہے۔ انسان کی عزت و فلاح' کامیابی اور اس کے ارادہ و عمل کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ اپنے اعمال و اقوال میں اور نقصان کو دور کرنے کے سلسلہ میں اپنا تعلق اور توجہ محض ایک اللہ کی جانب رکھے۔ اس کا انس' سرور اور اس کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو' اپنے معاملات اللہ تعالیٰ ہی کے سپرد کرے' توکل اور بھروسہ ہو تو اللہ ہی پر۔ اب جو شخص اپنے معاملات اللہ کے سپرد کردے اور مخلوق کو اپنے دل سے نکال باہر کرے تو پھر خواہ آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوقات اس کے ساتھ مکرو فریب اور اس کی مخالفت کرے اللہ تعالیٰ اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا اور اس کے لیے نجات کی راہ نکال دیتا ہے کیونکہ اس نے بھروسہ اس پر کیا اور اپنا معاملہ اس کے سپرد کیا ہے جو بہت ہی عظمت و شان کا مالک ہے۔

رویفع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

«يَا رُوَيْفِعُ! لَعَلَّ الْحَيَاةَ تَطُولُ بِكَ، فَأَخْبِرِ النَّاسَ أَنَّ مَنْ عَقَدَ لِحْيَتَهُ، أَوْ تَقَلَّدَ وَتَرًا، أَوِ اسْتَنْجَى بِرَجِيعِ دَابَّةٍ أَوْ عَظْمٍ، فَإِنَّ مُحَمَّدًا بَرِيءٌ مِّنْهُ» (مسند أحمد: ١٠٨/٤، ١٠٩ وسنن أبي داود، الطهارة، باب ما ينهى عنه أن يستنجى به ح: ٣٦)

"اے رویفع! شاید تم دیر تک زندہ رہو۔ تم لوگوں کو بتا دینا کہ جس شخص نے ڈاڑھی کو گرہ لگائی یا (جانور کے) گلے میں تانت ڈالی یا جانور کے گوبر یا ہڈی کے ساتھ استنجا کیا تو بلاشبہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سے بری اور بے زار ہے۔"[1]

سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے منقول ہے' وہ فرماتے ہیں:

«مَنْ قَطَعَ تَمِيمَةً مِّنْ إِنْسَانٍ كَانَ كَعَدْلِ رَقَبَةٍ»(المصنف لابن أبي شيبة، ح: ٣٥٢٤)

"جس شخص نے کسی کی گردن سے تمیمہ (تعویذ) کاٹ پھینکا' اسے ایک گردن (غلام) آزاد کرنے کے برابر ثواب ہو گا۔"[2]

---

[1] "تَقَلَّدَ وَتَرًا"۔ تَقَلَّدَ کے ساتھ "وَتَرًا" کا لفظ بولنے سے ایک خاص مفہوم مراد ہے۔ وہ یہ کہ گلے میں پہنی اور ڈالی جانے والی کوئی چیز بذات خود ممنوع نہیں ہے' بلکہ ممنوع اس صورت میں ہے جب اس کے بارے میں یہ اعتقاد رکھا جائے کہ یہ نظر بد سے تحفظ کا ذریعہ ہے۔ جیسا کہ تانت وغیرہ کے بارے میں یہی اعتقاد ہوتا تھا۔

"فَإِنَّ مُحَمَّدًا بَرِيءٌ مِنْهُ" "بلاشبہ محمد اس سے بے زار ہے۔" یہ ایسا جملہ ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ افعال کبیرہ گناہوں میں سے ہیں۔ اور یہ اللہ اور اس کے رسول کی بہت بڑی نافرمانی ہے۔ نیز جس طرح شرک اکبر کبیرہ گناہوں میں سے ہے ایسے ہی شرک اصغر بھی کبیرہ گناہوں میں شامل ہے۔

[2] اس میں تمائم (تعویذات) کو کاٹ پھینکنے کی فضیلت بیان ہوئی ہے کیونکہ انہیں لٹکانا یا باندھنا اللہ کے ساتھ شرک (اصغر) ہے اور شرک اصغر کے بارے میں وعید یہ ہے کہ یہ موجب جہنم ہے۔

جب کسی نے کسی کی گردن سے تمیمہ (تعویذ) کاٹ پھینکا تو گویا اس کی گردن کو جہنم کی آگ سے آزاد کر دیا کیونکہ وہ اس فعل شنیع کی وجہ سے جہنم کی آگ کا مستحق ہو رہا تھا۔ جب اس نے تمیمہ کاٹ کر اس کی گردن کو جہنم سے آزاد کر دیا تو اسے بھی اسی طرح کی جزا ملے گی۔ اس کی گردن بھی جہنم کی آگ سے آزاد کر دی جائے گی۔

اور وکیع رحمہ اللہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد ابراھیم نخعی رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

«كَانُوا يَكْرَهُونَ التَّمَائِمَ كُلَّهَا مِنَ الْقُرْآنِ وَغَيْرِ الْقُرْآنِ»(المصنف لأبن أبي شيبة، ح:٣٥١٨)

"ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد، قرآنی اور غیر قرآنی ہر قسم کے تمائم (تعویذات) کو ناپسند سمجھتے تھے۔"

مسائل

① اس تفصیل سے دم اور تعویذات کی وضاحت ہوئی۔
② "تِوَلَه" کا مفہوم بھی واضح ہوا۔
③ غیر شرعی دم، تمیمہ اور تولہ تینوں شرک ہیں۔
④ نظر بد اور زہریلے کیڑوں کے کاٹے کا غیر شرکیہ دم ممنوع نہیں۔
⑤ قرآنی تعویذات کے بارے میں اہل علم کی مختلف آراء ہیں۔ بعض نے انہیں جائز اور بعض نے ناجائز قرار دیا ہے۔
⑥ نظر بد سے تحفظ کی خاطر جانوروں کے گلے میں تانت باندھنا شرک ہے۔
⑦ تانت باندھنے والے پر شدید وعید وارد ہوئی ہے۔
⑧ کسی کے گلے میں باندھے ہوئے تعویذ کو کاٹ پھینکنے کا ثواب اور اس کی فضیلت بھی عیاں ہو رہی ہے۔
⑨ ابراھیم نخعی رحمہ اللہ کا قول اہل علم کے مذکورہ بالا اختلاف کے منافی نہیں، کیونکہ ان کے کلام سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب یعنی شاگرد مراد ہیں۔

باب : ۸

جو شخص کسی درخت یا پتھر وغیرہ کو متبرک سمجھے (۱)

(۱) ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو کسی درخت یا پتھر وغیرہ کو متبرک سمجھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ مشرک ہے۔

تبرک کا معنی' برکت حاصل کرنا ہے۔ یعنی خیر اور بھلائی کی کثرت اور اس کے ہمیشہ ہمیشہ رہنے کی تمنا اور خواہش رکھنا۔ قرآن و سنت کے دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ برکت دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ مخلوق میں سے کوئی' کسی کو برکت نہیں دے سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿ تَبَارَكَ ٱلَّذِى نَزَّلَ ٱلْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِۦ ﴾ (الفرقان۲۵/ ۱)

''بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان (قرآن) نازل کیا۔''

یعنی اس ذات کی خیر و بھلائی بہت عظیم' بہت زیادہ اور ہمیشہ رہنے والی ہے جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل کیا اور فرمایا:

﴿ وَبَٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَىٰٓ إِسْحَٰقَ ﴾ (الصافات۳۷/ ۱۱۳)

''ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) اور اسحٰق (علیہ السلام) پر برکتیں نازل کیں۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَجَعَلَنِى مُبَارَكًا ﴾ (مریم۱۹/ ۳۱)

''(عیسیٰ علیہ السلام نے ماں کی گود میں کہا تھا) اور اللہ نے مجھے بابرکت بنایا ہے۔''

تو برکت دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ مخلوق میں سے کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ یہ کہے کہ میں نے فلاں چیز میں برکت ڈالی یا میں تمہارے کام کو بابرکت بناؤں گا یا تمہارا آنا مبارک ہے۔ چونکہ خیر' اس کی کثرت اور اس کا لزوم اور دوام صرف اسی ذات کی طرف سے ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں تمام تر معاملات کا اختیار ہے' اس لیے لفظ ''برکت'' کا محور و منبع صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

کتاب و سنت کے دلائل سے واضح ہوتا ہے کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے برکت سے نوازا ہے وہ یا تو کچھ مقامات یا اوقات ہیں یا افراد و شخصیات۔

پہلی قسم: مقامات یا اوقات۔

ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے بعض جگہوں کو بابرکت بنایا ہے جیسے بیت اللہ شریف اور بیت المقدس کا آس پاس وغیرہ۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان جگہوں میں بہت زیادہ خیر اور بھلائی ہے جو ہمیشہ ان کے ساتھ منسلک اور مربوط ہے اور یہ خیروبرکت ان میں اس لیے رکھی گئی ہے تاکہ جن لوگوں کو ان کی زیارت کی دعوت دی گئی ہے ان میں یہ رغبت اور شوق پیدا ہو کہ وہ ہمیشہ اپنا تعلق اور دلی لگاؤ ان کے ساتھ رکھیں۔

ان جگہوں کے بابرکت ہونے کا یہ مفہوم قطعاً نہیں کہ وہاں کی سرزمین یا دیواروں کو چھوا جائے کیونکہ یہ برکت ان کے ساتھ اس طرح سے لازم ہے کہ کسی دوسری چیز میں منتقل نہیں ہو سکتی۔ یعنی زمین کو چھونے' وہاں دفن ہونے اور اسے متبرک سمجھنے سے اس کی برکت منتقل نہیں ہو جاتی۔

کسی جگہ کے بابرکت ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ لوگوں کا دلی تعلق اس جگہ کے ساتھ ہو جیسے بیت اللہ الحرام ہے کہ اس کا قصد و ارادہ کرنے والا' وہاں جا کر اس کا طواف کرنے والا اور عبادت بجالانے والا بہت ہی خیر کا مستحق ٹھہرتا ہے' حتیٰ کہ حجر اسود بھی ایک بابرکت پتھر ہے لیکن اس کی برکت بھی عبادت ہی کی بنا پر ہے۔ یعنی جو شخص نبی ﷺ کی اتباع و اطاعت کرتے ہوئے بطور عبادت اسے چھوئے اور بوسہ دے گا وہ اس اتباع کی برکت بھی پالے گا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو بوسہ دیتے ہوئے فرمایا تھا:

«إِنِّي أَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ لاَ تَنْفَعُ وَلاَ تَضُرُّ»(صحيح البخاري، الحج، باب ما ذكر في الحجر الأسود، ح:١٥٩٧ وسنن أبي داود، المناسك، باب في تقبيل الحجر، ح: ١٨٧٣ واللفظ له)

"میں جانتا ہوں کہ تو محض ایک پتھر ہے' تو کوئی نفع دے سکتا ہے نہ کوئی نقصان۔" یعنی کسی میں کوئی نفع منتقل کر سکتا ہے نہ کوئی ضرر دفع کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

رہے اوقات! تو کسی وقت' ماہ رمضان یا اس کے علاوہ فضیلت کے حامل دیگر ایام کے بابرکت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان میں عبادت بجالانا اور بھلائی کا قصد کرنا جس قدر زیادتی اجر و ثواب کا باعث ہے' ان کے علاوہ دوسرے ایام میں اس قدر اجر و ثواب نہیں۔

دوسری قسم: جس برکت کا تعلق شخصیات کے ساتھ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل کی ذات میں برکت رکھی تھی یعنی ان کے اجسام بابرکت تھے کہ ان کا کوئی امتی اگر ان کے اجسام کو ہاتھ لگا کر یا ان کا پسینہ حاصل کر کے یا ان کے بالوں سے برکت حاصل کرنا چاہتا تو یہ اس کے لیے جائز ہوتا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے جسموں میں برکت رکھی تھی۔ اسی طرح سیدنا محمد ﷺ کا جسم اطہر بھی بے حد مبارک تھا۔

احادیث میں آتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے پسینے' بالوں اور دیگر اشیاء سے برکت حاصل کیا کرتے تھے۔ انبیاء و رسل کی برکت ذاتی ہوتی تھی۔ اس برکت اور فضل و خیر کا ان کے جسموں سے دوسروں تک منتقل ہونا ممکن تھا۔ اور یہ صرف انبیاء کا خاصہ تھا۔

رہے انبیاء کے علاوہ دوسرے لوگ تو انبیاء کے امتیوں میں سے کسی کے بارے میں کوئی دلیل نہیں کہ اس کی ذات بھی بابرکت ہو' حتیٰ کہ اس امت (محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والتسلیم) کی افضل ترین شخصیات' ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بھی تبرک لینے کی کوئی دلیل نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ' تابعین اور مخضرمین (وہ لوگ جو عہد نبوی میں اسلام قبول کر چکے تھے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات نہیں ہوئی تھی)' ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم سے اس طرح تبرک نہیں لیا کرتے تھے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں یا وضوء کے پانی سے تبرک لیتے تھے۔ ان بزرگ شخصیات کی برکت تو محض ان کے اعمال کی برکت ہوتی تھی نہ کہ ذات کی' کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی برکت کی طرح ان کی برکت بھی دوسروں تک منتقل ہو سکے۔

لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہر مسلمان میں برکت ہے اور یہ برکت اس کی ذات میں نہیں بلکہ اس کے عمل یعنی اسلام' ایمان' اللہ پر یقین اور دل میں اس کی عظمت و جلالت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی برکت ہے اور یہ علم' عمل اور نیکی کی برکت دوسروں تک منتقل نہیں ہو سکتی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نیک لوگوں سے تبرک لینے کا مفہوم یہ ہے کہ نیکی میں ان کی اقتداء اور پیروی کی جائے اور اہل علم سے تبرک لینے کا مطلب یہ ہے کہ ان سے علم حاصل کیا جائے اور ان کے علوم سے استفادہ کیا جائے۔ ان کے جسموں کو چھو کر یا ان کے لعاب سے تبرک لینے کا نظریہ و اعتقاد رکھنا ہرگز جائز نہیں۔ کیونکہ اس امت کے افضل ترین لوگوں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) نے اپنے سے بہتر صحابہ' ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کے ساتھ کبھی اس قسم کا معاملہ نہیں کیا تھا۔

مشرکین' معبودان باطلہ سے تعلق قائم کر کے خیر اور بھلائی اور اس کے ہمیشہ ہمیشہ رہنے کی امید سے تبرک لیتے تھے اور یہ تبرکات مختلف اقسام کے ہوتے ہیں جو کہ سراسر شرکیہ ہیں۔

کوئی شخص' کسی درخت' پتھر' زمین کے قطعے' غار' قبر' پانی کے چشمے یا دیگر اشیاء کو' جن کے بارے میں جاہل لوگ غلط اعتقاد رکھتے ہیں' متبرک سمجھے وہ شرک ہے۔

یاد رہے! کسی درخت' پتھر' قبر یا کسی قطعہ زمین کو متبرک سمجھنا اس وقت شرک اکبر بن جاتا ہے جب کوئی آدمی ان کی برکت کے حصول کی امید میں یہ اعتقاد رکھے کہ اس درخت' پتھر یا قبر وغیرہ کو جب وہ چھوئے گا' اس کی خاک میں لت پت ہو گا یا اس کے ساتھ چمٹے گا تو یہ اس کے لیے اللہ کے تقرب کا واسطہ اور ذریعہ ہو گا اور جب اس کے بارے میں یہ اعتقاد قائم کر لیا کہ یہ اللہ کے قرب کے حصول کا وسیلہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ أَفَرَءَيْتُمُ ٱللَّٰتَ وَٱلْعُزَّىٰ ﴿١٩﴾ وَمَنَوٰةَ ٱلثَّالِثَةَ ٱلْأُخْرَىٰٓ ﴿٢٠﴾ ﴾ (النجم ۵۳/ ۱۹۔۲۰)

''بھلا تم نے کبھی لات، عزیٰ اور تیسری گھٹیا و حقیر دیوی منات کے بارے میں بھی غور کیا ہے۔''[1]

اور واسطہ ہے تو یہ غیر اللہ کو معبود بنالینے کے مترادف ہو گا جو کہ شرک اکبر ہے۔

اہل جاہلیت جن درختوں اور پتھروں کو پوجتے یا جن قبروں سے تبرک لیتے تھے ان کے بارے میں ان کا یہی زعم اور اعتقاد ہوتا تھا کہ جب وہ ان کے پاس مجاور بن کر ٹھہریں گے، ان کو چھوئیں گے یا اپنے اوپر قبر کی مٹی ڈالیں گے تو وہ چیز، قطعہ زمین یا اس قطعہ زمین والا یا اس کی خدمت گزار روح ان کے لیے اللہ کے تقرب کے حصول کا واسطہ اور ذریعہ ہو گی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ ٱتَّخَذُوا۟ مِن دُونِهِۦٓ أَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَآ إِلَى ٱللَّهِ زُلْفَىٰٓ ﴾ (الزمر ۳۹/ ۳)

''جن لوگوں نے اللہ کے سوا غیروں کو اپنے مدد گار بنا رکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب ترین کر دیں۔''

اور تبرک، شرک اصغر اس وقت ہوتا ہے جب کوئی آدمی قبر کی مٹی لے کر اپنے اوپر محض اس نظریے سے ڈالے کہ یہ مٹی بابرکت ہے یا اپنا جسم کسی چیز کے ساتھ اس لیے ملے کہ اس کے سبب سے میرا جسم بھی بابرکت ہو جائے گا تو یہ شرک اصغر ہے کیونکہ اس نے عبادت کا حقدار غیر اللہ کو نہیں ٹھہرایا بلکہ اس نے ایک ایسی چیز کو (برکت کے حصول کا) سبب تصور کیا ہے جس کی شرعاً اجازت نہیں۔

[1] لات: یہ سفید رنگ کا ایک پتھر تھا جو اہل طائف کا معبود تھا۔ اس پر ایک عمارت کھڑی کی گئی تھی۔ اور اس کے متعدد خدام (مجاور) بھی تھے۔ قبیلہ ثقیف مسلمان ہوا تو نبی کریم ﷺ نے اس بت کو توڑنے اور منہدم کرنے کے لیے سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔ انہوں نے جا کر اسے گرایا اور توڑ ڈالا۔

عزیٰ: یہ مکہ اور طائف کے درمیان ایک درخت تھا۔ بعد میں ببول کے تین درختوں کے اوپر ایک عمارت کھڑی کر دی گئی۔ اس کے بھی مجاور تھے۔ وہاں ایک کاہنہ عورت تھی جو اس شرک کا اہتمام کیا کرتی تھی۔ جب مکہ فتح ہوا تو نبی کریم ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ادھر روانہ فرمایا انہوں نے جا کر تینوں درخت کاٹ ڈالے۔ اور اس کاہنہ عورت کو جو لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے جنات کو حاضر کیا کرتی تھی، قتل کر ڈالا۔ دراصل لوگوں کو اس درخت اور شرک کا اہتمام کرنے والی اس کاہن عورت کے ساتھ خصوصی

ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حنین کی طرف جا رہے تھے ابھی ہم نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ (راستے میں) مشرکین کی ایک بیری تھی۔ وہ (عظمت اور برکت کے خیال سے) اس کے پاس آکر ٹھہرتے اور (برکت کے لیے) اپنے ہتھیار بھی اس پر لٹکایا کرتے تھے۔ اس کا نام "ذات انواط" تھا۔ چلتے چلتے ایک بیری کے پاس سے ہمارا گزر ہوا تو ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! جیسے ان مشرکین کا "ذات انواط" ہے۔ آپ ہمارے لیے بھی ایک "ذات انواط" مقرر فرما دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَللّٰهُ أَكْبَرُ! إِنَّهَا السُّنَنُ، قُلْتُمْ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ كَمَا قَالَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ لِمُوسٰى: ﴿ ٱجْعَل لَّنَآ إِلَـٰهًا كَمَا لَهُمْ ءَالِهَةٌ ﴾ لَتَرْكَبُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ»(جامع الترمذي، الفتن، باب ما جاء لتركبن سنن من كان قبلكم، ح: ٢١٨٠ ومسند أحمد: ٥/ ٢١٨)

"اللہ اکبر! یہی تو (گمراہی اور سابقہ قوموں کے) راستے ہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم نے تو وہی بات کی جو بنو اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ: (اے موسیٰ!) جیسے ان (بت پرستوں) کے معبود ہیں' آپ ہمارے لیے

← عقیدت و محبت تھی۔

مناۃ: یہ مشرکین کی ایک تیسری دیوی تھی جسے اللہ تعالیٰ نے گھٹیا اور حقیر کہا ہے۔ اس کی تعظیم کے نظریہ سے لوگ اس کے قریب جانور ذبح کرتے اور اس پر خون بہایا کرتے تھے۔ وہاں جانور ذبح کیے جانے اور خون بہائے جانے کی وجہ سے اسے (عربی لغت کے لحاظ سے) "مناۃ" کہا جاتا تھا۔

آیت کی اس باب سے مناسبت: اس آیت کی اس باب سے وجہ مناسبت یہ ہے کہ لات اور منات دونوں پتھر تھے جبکہ "عزیٰ" ایک درخت تھا۔ ان پتھروں اور درختوں کے ساتھ اس زمانہ کے مشرکین وہی معاملہ کیا کرتے تھے جو بعد کے زمانوں کے مشرکین پتھروں' درختوں اور غاروں کے ساتھ روا رکھتے آرہے ہیں جبکہ قبروں کو معبود بنا کر ان کے قریب عبادت کرنا اور انہیں اپنی توجہ و فریاد کا مرکز بنا لینا تو اس سے بھی سنگین جرم ہے۔

بھی ایک معبود مقرر کر دیں۔ پھر نبی ﷺ نے فرمایا: تم بھی پہلی امتوں کے طریقوں پر چلو گے۔"[1]

[1] یہ حدیث سنداً صحیح اور عظیم الشان ہے۔ غور کیجئے! مشرکین کا اس بیری کے درخت کے بارے میں ایک خاص اعتقاد تھا اور اس اعتقاد میں تین چیزیں شامل تھیں۔

(الف) وہ اس کی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔

(ب) وہ تعظیم اور تقرب کی نیت سے اس کے پاس ٹھہرتے اور اعتکاف کرتے تھے۔

(ج) وہ اپنے ہتھیار اس پر اس نیت سے لٹکاتے تھے کہ اس درخت کی برکت ان ہتھیاروں میں منتقل ہوگی جس سے یہ تیز تر اور استعمال کرنے والے کے لیے بہتر ثابت ہوں گے۔ ان کے اعتقاد میں بیک وقت ان تینوں چیزوں کے شامل ہونے کی وجہ ہی سے ان کا یہ فعل، شرک اکبر تھا۔

صحابہ میں سے جو لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے انہوں نے کہا: "اے اللہ کے رسول! جیسے ان مشرکین کا ذات انواط ہے آپ ہمارے لیے بھی ایک ذات انواط مقرر فرمادیں۔" ان کا گمان تھا کہ یہ عمل شرک میں داخل نہیں ہے اور کلمہ توحید "لا الہ الا اللہ" سے اس فعل کی نفی نہیں ہوتی۔ اسی لیے علماء کا کہنا ہے کہ بسا اوقات بڑے بڑے فضلاء سے بھی شرک کی بعض صورتیں مخفی رہ جاتی ہیں۔ جیسا کہ صحابہ جو کہ لغت عرب سے خوب واقف تھے اور فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے ان سے بھی توحید فی العبادت کی یہ قسم مخفی رہی۔ ان نو مسلم صحابہ کے اس مطالبے پر رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا: "اللہ اکبر! یہی تو گمراہی کے راستے ہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم نے وہی بات کہی جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ: (اے موسیٰ!) جیسے ان کے معبود ہیں آپ ہمارے لیے بھی ایک معبود مقرر کر دیں۔"

آپ نے بطور تنبیہ ان کے اس مطالبے کو قوم موسیٰ (بنی اسرائیل) کے اس مطالبے کے ساتھ تشبیہ دی جو انہوں نے بت پرستوں کو دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام سے کیا تھا کہ ان کے معبودوں کی طرح ہمارا بھی ایک معبود مقرر کر دیں۔

(نو مسلم) صحابہ کا جو مطالبہ تھا ان کا عمل اس کے مطابق نہ تھا اور جب نبی ﷺ نے ان کو روکا تو وہ رک گئے اور اگر وہ یہ عمل کر بیٹھتے تو یہ شرک اکبر ہوتا۔ لیکن جب انہوں نے محض زبانی طور پر مطالبہ پیش کیا تھا اور عمل نہیں کیا تھا تو ان کا یہ قول شرک اصغر کے زمرہ سے ہوا کیونکہ یہ مطالبہ میں غیر اللہ کے ساتھ تعلق و ربط کا اظہار تھا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے انہیں از سر نو اسلام قبول کرنے کا حکم نہیں دیا۔

اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جس شرک اکبر میں مشرکین مبتلا تھے وہ ذات انواط سے محض ⬅

← تبرک لینے تک محدود نہیں تھا بلکہ اس کی تعظیم کرنا' وہاں قیام و اعتکاف کرنا اور ہتھیار لٹکا کر برکت کے حصول کا نظریہ رکھنا بھی اس میں شامل تھا۔ اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ جب کسی درخت یا پتھر وغیرہ سے تبرک لینے میں یہ اعتقاد شامل ہو کہ یہ چیز اللہ کے قرب کے حصول کا ذریعہ اور اس کے سامنے حاجات پیش کرنے کا وسیلہ ہے اور اس سے تبرک لینے کی بنا پر حاجت پوری ہونے کی امید زیادہ قوی اور کام کا انجام بہتر ہو گا' تو یہ شرک اکبر ہے اور زمانہ جاہلیت (اسلام سے پہلے) کے لوگ بھی یہی کچھ کیا کرتے تھے۔

موجودہ زمانہ میں قبروں کے پجاری اور اہل بدعت و خرافات کے اعمال و کردار پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ کفار و مشرکین لات' عزیٰ اور ذات انواط کے ساتھ جو معاملہ کرتے اور ان کے بارے میں جیسا عقیدہ رکھتے تھے' آج کے مشرکین قبروں کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتے اور ویسا ہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ آج کل دنیا میں جن جن مقامات پر شرک ہو رہا ہے' آپ دیکھیں گے کہ لوگ قبر کے اردگرد چار دیواری اور لوہے کے جنگلوں کو بھی اسی طرح بابرکت سمجھتے ہیں بلکہ وہ چار دیواری اور جنگلے کو چھوتے ہوئے یہی تصور کرتے ہیں کہ گویا انہوں نے خود صاحب قبر ہی کو چھو لیا اور ہاتھ لگا لیا ہے۔ ان اشیاء کی تعظیم کر کے وہ سمجھتے ہیں کہ گویا اس طرح انہوں نے صاحب قبر ہی کی تعظیم کی ہے۔ ایسا کرنا بہت بڑا شرک ہے کیونکہ حصول نفع اور ضرر کے دفعیہ کے لیے ان کا دل غیراللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان غیروں کی تعظیم کرنے سے ہمیں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو گا۔ حالانکہ مشرکین بھی تو ایسی ہی باتیں کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کی بات بیان کی ہے وہ کہا کرتے تھے "مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُونَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى" (الزمر ۳۹/۳)

"ہم ان (غیراللہ) کی پوجا صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب تر پہنچا دیں۔"

آج کل کے بعض مشرک' بعض جگہوں کو ہاتھ لگانے یا مس کرنے کو بھی قرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں مثلاً بعض لوگ حرم میں آ کر حرم کے بیرونی دروازوں' دیواروں یا بعض ستونوں کو ہاتھ لگاتے اور چومتے ہیں۔ اگر ان کا عقیدہ یہ ہو کہ اس ستون میں کوئی روح ہے یا اس کے قریب کوئی ہستی مدفون ہے یا کوئی اچھی روح ان دروازوں' دیواروں یا ستونوں کی خدمت کرتی ہے اس لیے وہ انہیں چھوتے ہیں تو ان کا یہ عمل "شرک اکبر" یعنی بہت بڑا شرک ہے۔ اور اگر ان کا عقیدہ ہو کہ یہ جگہ بڑی بابرکت اور مقدس ہے اور اسے چھونا یا ہاتھ لگانا مفید ہو سکتا ہے تب یہ عمل شرک اصغر ہے۔

مسائل

① "سورۃ النجم" کی آیت ۱۹۔ ۲۰ کی تفسیر ہے۔
② صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے "ذات انواط" مقرر کرنے کے مطالبہ کی صحیح توجیہہ بھی معلوم ہوئی کہ وہ صرف تبرک کی خاطر "ذات انواط" مقرر کرانا چاہتے تھے ان کا مقصود اسے معبود بنانا نہ تھا۔
③ واضح رہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی اس خواہش کا محض اظہار ہی کیا تھا۔ اسے عملی جامہ نہیں پہنایا تھا۔
④ اور اس سے ان کا مقصود قرب الٰہی کا حصول ہی تھا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ اسے پسند فرماتا ہے۔ مگر حقیقت میں ان کی یہ بات درست نہ تھی۔
⑤ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسی عظیم ہستیوں پر شرک کی یہ قسم مخفی رہی تو عام لوگوں کا اس سے ناواقف یا نابلد (نا آشنا) رہنا زیادہ قرین قیاس ہے۔
⑥ (اعمال صالحہ کے بدلے میں) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو نیکیوں اور بخشش کے وعدے کیے گئے ہیں وہ دوسروں کو حاصل نہیں ہو سکتے۔
⑦ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو معذور نہ جانا بلکہ آپ نے ان کی تردید کرتے ہوئے معاملے کی سنگینی ان تین جملوں میں بیان کی۔ "اَللّٰهُ اَكْبَرُ! اِنَّهَا السُّنَنُ۔ لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ" "اللہ سب سے بڑا ہے۔ یہی تو گمراہی کے راستے ہیں۔ تم پہلی امتوں کے طریقوں پر چلو گے۔"
⑧ سب سے اہم بات جو اصل مقصود ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ فرمانا کہ "تمہارا مطالبہ اور تمہاری فرمائش بھی بنی اسرائیل جیسی ہے۔" انہوں نے کہا تھا کہ "اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی ایک معبود مقرر کر جس طرح ان کے معبود ہیں۔" تو تم نے بھی ویسا مطالبہ کر دیا۔
⑨ اس قسم کے مقامات کو متبرک اور مقدس نہ سمجھنا بھی توحید اور کلمۂ توحید کا تقاضا

ہے۔ یہ ایک انتہائی دقیق اور پوشیدہ بات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس کا ادراک نہ کر سکے۔

(۱۰) فتویٰ دیتے ہوئے فتویٰ پر قسم اٹھانا جائز ہے جبکہ بلا مقصد اور بلا مصلحت قسم اٹھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت نہ تھی۔

(۱۱) صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذات انواط کے مطالبہ کے باوجود انہیں مرتد نہیں سمجھا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ (تبرک) میں شرک بڑا بھی ہوتا ہے اور چھوٹا بھی۔

(۱۲) ابو واقد رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ "اس وقت ہم نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔" اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس مسئلہ کا علم تھا کہ ایسا کرنا درست نہیں۔

(۱۳) اظہار تعجب کے موقع پر "اللہ اکبر" کہنا جائز ہے۔ اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جو اسے مکروہ سمجھتے ہیں۔

(۱۴) شرک و بدعت کے تمام اسباب و ذرائع کا سدباب کرنا ضروری ہے۔

(۱۵) اہل جاہلیت سے مشابہت کرنا جائز نہیں۔

(۱۶) دوران تعلیم و تدریس کسی شاگرد کی غلطی پر ناراضی کا اظہار کیا جا سکتا ہے۔

(۱۷) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے "اِنَّهَا السُّنَنُ" فرما کر عمومی اصول بیان فرما دیا۔

(۱۸) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ "تم لوگ پہلی امتوں (یہود و نصاریٰ) کے طریقوں پر چلو گے۔" یہ حدیث آپ کی علامات نبوت میں سے ہے کیونکہ آج کل بعینہ ایسا ہو رہا ہے۔

(۱۹) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جن کاموں اور باتوں پر یہود و نصاری کی مذمت فرمائی ہے وہ دراصل ہمیں تنبیہ ہے تاکہ ہم ان کاموں سے بچ کر رہیں۔

(۲۰) اہل علم کے ہاں یہ اصول طے ہے کہ عبادات کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے حکم اور امر پر ہے۔ اپنی مرضی یا خواہش سے کوئی عبادت مقرر نہیں کی جا سکتی۔ اس سے قبر کے سوالات پر تنبیہ ہے کہ قبر میں پہلا سوال یہ ہو گا کہ "تیرا رب کون ہے؟" یہ تو واضح ہے البتہ دوسرا سوال "تیرا نبی کون ہے؟" اس کا تعلق امور غیبیہ سے ہے

اور تیسرا سوال کہ "تیرا دین کیا ہے؟" اس پر آیت "اِجْعَلْ لَّنَا اِلٰهًا" دلالت کرتی ہے۔

(۲۱) اہل کتاب کے طور طریقے بھی اسی طرح مذموم ہیں جیسے مشرکین کا مذہب اور ان کے طور اطوار مذموم ہیں۔

(۲۲) جو شخص نیا نیا مسلمان ہوا ہو اس کے دل میں دورِ کفر و شرک کی عادات و اطوار کا پایا جانا بعید از قیاس نہیں۔ جیسا کہ پیش نظر واقعہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس قول سے واضح ہے کہ ہمارا زمانہ کفر ابھی نیا نیا گزرا تھا یعنی ہم ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔

باب : ۹

غیراللہ کے لیے جانور ذبح کرنا[1]

[1] غیراللہ کے لیے ذبح کرنے کی شدید وعید ہے اور وہ یہ کہ یہ اللہ عزوجل کے ساتھ شرک ہے۔
ذبح سے مراد خون بہانا ہے۔
ذبح میں دو چیزیں اہم ہوتی ہیں: (۱) کسی کا نام لے کر ذبح کرنا۔ (۲) کسی کا قرب حاصل کرنے کے لیے ذبح کرنا۔ پہلی صورت میں اصل چیز نام ہے اور دوسری صورت میں قصد و ارادہ۔
دراصل جانور ذبح کرتے وقت جس کا نام لیا جائے اس سے استعانت اور مدد مقصود ہوتی ہے۔ مثلاً اگر آپ "باسم اللہ" کہیں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں اللہ کے نام سے مدد حاصل کرتے ہوئے اور اسے متبرک سمجھتے ہوئے ذبح کرتا ہوں۔ رہی بات قصد و ارادہ کی تو یہ عبودیت اور بندگی کے اظہار کی ایک صورت ہے۔ نام اور قصد و ارادہ کے لحاظ سے ہمارے سامنے چار صورتیں آتی ہیں:

(۱) اللہ کا نام لے کر اسی کے تقرب کے قصد سے ذبح کرنا۔ یہ سراسر توحید اور عبادت ہے۔ اس صورت میں ذبح کرنے کے لیے دو شرطیں ہیں۔ پہلی تو یہ کہ اللہ کے تقرب کے ارادے سے ذبح کرے' دوسری یہ کہ اللہ کا نام لے کر ذبح کرے۔ جیسے قربانی' ہدی' اور عقیقہ وغیرہ۔ اگر جان بوجھ کر اللہ کا نام نہ لیا تو ذبیحہ حلال نہ ہوگا۔ یہ دونوں شرطیں بیک وقت تب ہیں جب ذبح سے اللہ کا تقرب مقصود ہو۔ اور اگر اللہ کے تقرب کے لیے نہیں بلکہ مہمانوں کی مہمان نوازی کے لیے یا اپنے کھانے کے لیے ذبح کرے تو یہ جائز ہے' شرعاً اس کی اجازت ہے کیونکہ اس نے اللہ کا نام لے کر ذبح کیا ہے' غیراللہ کا نام نہیں لیا۔ یہ وعید میں داخل ہوگا نہ ممانعت میں۔

(۲) ذبح تو اللہ کا نام لے کر کیا جائے لیکن مقصود اس سے غیراللہ کا تقرب ہو۔ مثلاً ذبح کے وقت یہ کہے "باسم اللہ" میں اللہ کا نام لے کر ذبح کرتا ہوں اور اس ذبح سے اس کی نیت' کسی مدفون (دفن شدہ) نبی یا کسی بزرگ کا تقرب ہو۔

بعض دیہاتی یا شہری لوگوں کا یہ طریقہ ہے کہ وہ کسی کی آمد پر اس کی تعظیم کے لیے' زیبائش و خوش نمائی یا جانوروں کو ذبح کرکے اس کا استقبال کرتے ہیں۔ اس ذبح میں اگرچہ اللہ کا نام لیا جاتا ہے ⬅

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٦٣﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ١٦٢-١٦٣)

لیکن چونکہ اس سے مقصود غیراللہ کو راضی کرنا ہوتا ہے اس لیے علماء نے اس فعل کے حرام ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ چونکہ اس میں غیراللہ کے لیے خون بہایا جاتا ہے اس لیے اسے کھانا بھی جائز نہیں ہے۔ جب اس صورت میں کسی کی تعظیم کے لیے ذبح کرنا اور خون بہانا جائز نہیں تو پھر کسی فوت شدہ (نبی یا بزرگ) کی تعظیم (یا تقرب) کے لیے ذبح کرنا اور خون بہانا تو بالاولیٰ ناجائز اور حرام ہوا کیونکہ خون بہا کر صرف اللہ تعالیٰ ہی کی تعظیم کرنا جائز ہے۔ جب رگوں میں خون اسی نے جاری کیا ہے تو پھر تعظیم و عبادت کا حقدار بھی وہی ہے۔

(۳) ذبح غیراللہ کا نام لے کر کیا جائے اور اس سے مقصود بھی غیراللہ کا تقرب ہی ہو۔ مثلاً "باسم المسیح" کہہ کر ذبح کرے اور تقرب بھی مسیح ہی کا مقصود ہو۔ یہ بہت بڑا شرک ہے۔ شرک فی الاستعانت بھی اور شرک فی العبادت بھی۔

اسی طرح بدوی، حسین، زینب، عیدروس، مرغینانی یا ان کے علاوہ وہ شخصیات جن سے لوگ عبادت اور پوجا والا معاملہ رکھتے ہیں ان کے نام لے کر ذبح کرنے کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ ان کے نام لے کر ذبح کرتے وقت لوگوں کی نیت اور ارادہ ان کا تقرب ہوتا ہے۔ اس لیے یہ دو طرح سے شرک بن جاتا ہے۔ ایک تو استعانت اور مدد کے حصول کی وجہ سے اور دوسرا عبودیت، تعظیم اور غیراللہ کے لیے خون بہانے کی وجہ سے۔

(۴) ذبح غیراللہ کا نام لے کر کیا جائے اور اس سے مقصود، اللہ کا تقرب ہو، اور یہ بہت قلیل اور نادر ہے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ذبح تو کسی بزرگ کے لیے کیا جاتا ہے مگر نیت یہ ہوتی ہے کہ اس سے اللہ کا قرب حاصل کیا جائے تو یہ بھی در حقیقت شرک فی الاستعانت اور شرک فی العبادت ہی میں شامل ہے۔

الغرض غیراللہ کے تقرب کے لیے ذبح کرنا عبودیت میں شرک ہے اور غیراللہ کا نام لے کر ذبح کرنا استعانت اور مدد کے لیے طلب میں شرک ہے۔ اسی لیے اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

﴿ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ﴿١٢١﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ١٢١)

"اور جن جانوروں (کے ذبح) پر اللہ کا نام نہ لیا جائے، ان میں سے کچھ نہ کھاؤ، اور بلاشبہ یہ فسق اور ناجائز ہے اور بے شک شیاطین اپنے دوستوں کی طرف القاء کرتے ہیں تاکہ وہ تمہارے ساتھ جھگڑیں اور اگر تم نے ان کی بات مان لی تو بلاشبہ تم بھی مشرک ہو جاؤ گے۔"

''کہہ دیجئے! بے شک میری نماز' میری قربانی' میری زندگی اور میری موت' اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں اس کا سب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔'' [1]

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَٱنْحَرْ ﴿٢﴾ ﴾ (الکوثر۱۰۸/ ۲)

''پس تم اپنے رب ہی کے لیے نماز پڑھو اور قربانی دو۔'' [2]

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے چار باتیں ارشاد فرمائیں:

«لَعَنَ اللهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللهِ، وَلَعَنَ اللهُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَيْهِ، وَلَعَنَ اللهُ مَنْ آوٰى مُحْدِثًا، وَلَعَنَ اللهُ مَنْ غَيَّرَ مَنَارَ الأَرْضِ»(صحيح مسلم، الأضاحي، باب تحريم الذبح لغير الله تعالى ولعن فاعله، ح:١٩٧٨)

① ''جو شخص غیراللہ کے لیے جانور ذبح کرے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

② جو شخص اپنے والدین پر لعنت کرے اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

③ جو شخص کسی بدعتی کو پناہ دے اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

---

[1] اس آیت سے ثابت ہوا کہ نماز اور قربانی دونوں عبادتیں ہیں کیونکہ قربانی کو اللہ کے ساتھ خاص کیا گیا ہے اور مخلوق کے اعمال میں سے صرف عبادات ہی اللہ کے ساتھ خاص ہوتی ہیں۔ اسی لیے ''صَلَاتِی'' کے بعد ''وَنُسُكِی'' فرمایا کہ قربانی (خون بہانا اور ذبح کرنا) بھی دیگر عبادتوں کی طرح ایک عبادت ہے اور اس کا مستحق بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے ''لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ'' میں لفظ ''اللہ'' پر موجود لام استحقاق کا معنی دے رہا ہے یعنی نماز' قربانی اور دیگر عبادت کا حق اللہ رب العالمین ہی رکھتا ہے۔

''لَا شَرِیْكَ لَهٗ'' نماز میں اس کا کوئی شریک ہے نہ قربانی میں۔ لہٰذا ان کی ادائیگی میں نہ تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے اور نہ ہی اللہ کے علاوہ کسی کو ان کا سزاوار ٹھہرایا جائے۔ عبادت کا مستحق وہی رب ہے جو عظیم بادشاہت کا مالک ہے۔

[2] اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کا حکم دیا ہے وہ عبادت ہی ہیں۔ کیونکہ تمام ظاہری اور باطنی اعمال و اقوال جو اللہ تعالیٰ کو پسند اور محبوب ہیں ان سب کو عبادت ہی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح نماز اور قربانی کا بھی اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور یہ اعمال اسے محبوب اور پسند ہیں۔ اس لیے یہ بھی عبادت ہیں۔

④ اور جو شخص حدود زمین کے نشانات کو بدلے اس پر بھی اللہ کی لعنت ہے۔''[1]

طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«دَخَلَ الْجَنَّةَ رَجُلٌ فِي ذُبَابٍ، وَدَخَلَ النَّارَ رَجُلٌ فِي ذُبَابٍ، قَالُوا: وَكَيْفَ ذٰلِكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: مَرَّ رَجُلَانِ عَلٰى قَوْمٍ لَّهُمْ صَنَمٌ لاَ يَجُوزُهُ أَحَدٌ حَتّٰى يُقَرِّبَ لَهُ شَيْئًا، فَقَالُوا لأَحَدِهِمَا قَرِّبْ، قَالَ: لَيْسَ عِنْدِي شَيْءٌ أُقَرِّبُ، قَالُوا لَهُ: قَرِّبْ، وَلَوْ ذُبَابًا، فَقَرَّبَ ذُبَابًا فَخَلَّوْا سَبِيلَهُ، فَدَخَلَ النَّارَ، وَقَالُوا لِلآخَرِ: قَرِّبْ، فَقَالَ: مَا كُنْتُ لأُقَرِّبَ لأَحَدٍ شَيْئًا دُونَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، فَضَرَبُوا عُنُقَهُ، فَدَخَلَ الْجَنَّةَ»(أخرجه أحمد في كتاب الزهد وأبونعيم في الحلية: ١/ ٢٠٣ كلاهما موقوفًا على سلمان الفارسي)

''ایک شخص ایک مکھی کی وجہ سے جنت میں گیا اور ایک شخص ایک مکھی ہی کی وجہ سے جہنم میں جا پہنچا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا: ''دو آدمیوں کا ایک قوم پر گزر ہوا۔ جس کا ایک بت تھا وہ کسی کو وہاں سے چڑھاوا چڑھائے بغیر گزرنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ ان لوگوں نے ان میں سے ایک سے کہا: چڑھاوا چڑھاؤ۔ اس نے کہا: میرے پاس چڑھاوے کے لیے کچھ نہیں۔ انہوں نے کہا: تمہیں یہ کام ضرور کرنا ہو گا۔ خواہ ایک مکھی ہی چڑھاؤ۔ اس نے ایک

---

[1] اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو شخص غیراللہ کے تقرب اور تعظیم کے لیے جانور ذبح کرے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت سے مراد اس کی رحمت سے دوری اور محرومی ہے۔ پس جس شخص پر خود اللہ تعالیٰ لعنت کرے وہ اسے اپنی خاص رحمت سے دور اور محروم کر دیتا ہے۔

جبکہ اس کی عام رحمت مسلمانوں' کافروں اور تمام مخلوقات کے شامل حال ہے۔ یاد رہے کہ جس گناہ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کی وعید ہو وہ کبیرہ گناہ ہوتا ہے چونکہ غیراللہ کے تقرب اور تعظیم کی خاطر ذبح کرنا شرک ہے اس لیے اس کا ارتکاب کرنے والا اللہ تعالیٰ کی لعنت' پھٹکار' اور اس کی رحمت سے دوری اور محرومی کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

مکھی کا چڑھاوا چڑھا دیا۔ ان لوگوں نے اس کا راستہ چھوڑ دیا اور اسے آگے جانے کی اجازت دے دی۔ وہ اس مکھی کے سبب جہنم میں جا پہنچا۔ انہوں نے دوسرے سے کہا: تم بھی کوئی چڑھاوا چڑھاؤ تو اس نے کہا: میں تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے واسطے کوئی چڑھاوا نہیں چڑھا سکتا۔ انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ اور وہ سیدھا جنت میں جا پہنچا۔‘‘ [1]

مسائل

(۱) آیت ’’قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ‘‘ کی تفسیر معلوم ہوتی ہے۔
(۲) آیت ’’فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ‘‘ کی تفسیر بھی معلوم ہوتی ہے۔
(۳) حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے غیراللہ کے لیے ذبح کرنے والے پر

---

[1] اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بت کے تقرب کے لیے جانور ذبح کرنا اس شخص کے لیے دخول جہنم کا سبب بنا۔ ظاہر ہے کہ یہ کام کرنے والا آدمی مسلمان تھا جو اپنے اس شرکیہ فعل کی پاداش میں جہنم رسید ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ غیراللہ کے تقرب اور تعظیم کے لیے جانور ذبح کرنا اور چڑھاوے چڑھانا ’’شرک اکبر‘‘ ہے۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ غیراللہ کے تقرب کے لیے مکھی جیسی بے قدر و قیمت چیز کا چڑھاوا چڑھانا جب اس آدمی کے لیے جہنم میں داخل ہونے کا سبب بنا تو جو چیز منفعت میں اس سے بڑی اور قیمتی ہو اس کا چڑھاوا چڑھانا اسی قدر دخول جہنم کا بڑا سبب ہوگا۔
’’قَرِّبْ‘‘ چڑھاوا چڑھاؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس قوم کے لوگوں نے ان راہ گیروں کو اس عمل کے لیے (محض کہا تھا) مجبور نہیں کیا تھا۔ کیونکہ اس سے پہلے یہ بیان ہے کہ وہ کسی کو وہاں سے چڑھاوا چڑھائے بغیر گزرنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ اس میں کوئی جبر یا اکراہ نہیں۔ کیونکہ اگر وہ آدمی چاہتا تو واپس آ کر کسی دوسرے راستہ سے چلا جاتا۔ اور اگر کہا جائے کہ ان لوگوں نے چڑھاوا نہ چڑھانے کی صورت میں قتل کی دھمکی دی تھی اس لیے وہ اس عمل پر مجبور تھا جبکہ جبر و اکراہ کی صورت میں کسی عمل پر کوئی مواخذہ نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ ہم سے پہلی امتوں کا ہے۔ اکراہ و اجبار کی صورت میں اطمینان قلب کے ساتھ بظاہر کلمۂ کفر ادا کرنے یا کفریہ کام کرنے کی اجازت اور اس کے عدم مؤاخذہ کا مسئلہ صرف اسی امت کی خصوصیت ہے۔ سابقہ امتوں میں اس کی اجازت نہ تھی۔

لعنت فرمائی ہے۔

④ حدیث میں ہے کہ ''اپنے والدین پر لعنت کرنے والا لعنتی ہے۔'' اس سے یہ ماخوذ ہوتا ہے کہ اگر تم کسی کے والدین پر لعنت کرو گے تو وہ تمہارے والدین پر لعنت کرے گا۔ اس طرح تم خود اپنے والدین پر لعنت کا سبب بنو گے۔

⑤ حدیث میں ہے کہ ''جو شخص کسی بدعتی کو پناہ دے' وہ ملعون ہے۔'' اس حدیث میں بدعتی سے مراد ایسا شخص ہے جس پر بدعت کے ارتکاب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا واجب ہو اور وہ اس سے بچنے کے لیے کسی کی پناہ ڈھونڈ رہا ہو۔

⑥ ''جو شخص حدود زمین کے نشانات و علامات کو آگے پیچھے کر کے بدل ڈالے' وہ بھی لعنتی ہے۔'' اس سے ایسے نشانات مراد ہیں جو زمین کے دو مالکوں کی حدود ملکیت کو متعین کرتے ہوں اور ان نشانات کو بدلنے سے پڑوسیوں کا حق مارنا مقصود ہو۔

⑦ کسی متعین شخص پر اور عمومی طور پر گناہ گار لوگوں پر کسی کا نام لیے بغیر لعنت کرنے میں فرق ہے۔

⑧ ایک مکھی کا چڑھاوا چڑھانے کے سبب ایک آدمی کے جہنم میں جانے کا واقعہ بڑا عبرت ناک ہے۔

⑨ مکھی کا چڑھاوا چڑھانے والا جہنم رسید ہوا حالانکہ اس کا مقصد شرک کرنا قطعاً نہ تھا بلکہ اس نے محض اپنی جان بچانے کی خاطر ایسا کیا تھا۔

⑩ اہل ایمان کی نظر میں شرک اس قدر سنگین جرم ہے کہ اس مومن نے قتل ہونا گوارا کر لیا' لیکن اہل صنم کا مطالبہ پورا نہ کیا' حالانکہ انہوں نے اس سے صرف ظاہری طور پر عمل کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔

⑪ شرک کا ارتکاب کر کے جہنم میں جانے والا شخص مسلمان تھا۔ اگر وہ کافر ہوتا تو آپ یوں نہ فرماتے کہ ''وہ ایک مکھی کی وجہ سے جہنم میں گیا۔''

⑫ اس حدیث سے ایک دوسری صحیح حدیث کی تائید بھی ہوتی ہے' جس میں نبی ﷺ نے فرمایا:

«اَلْجَنَّةُ أَقْرَبُ إِلٰی أَحَدِكُمْ مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ وَالنَّارُ مِثْلُ ذٰلِكَ»(صحيح البخاری، الرقاق، باب الجنة أقرب إلى أحدكم من شراك نعله والنار مثل ذلك، ح:٦٤٨٨)

"جنت اور جہنم تم میں سے ہر ایک کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے۔"

⑬ **بت پرستوں سمیت ہر ایک کے نزدیک قلبی عمل سب سے زیادہ اہم اور مقصود اعظم ہوتا ہے۔**

باب : ۱۰

جہاں غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جاتا ہو وہاں اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کرنا جائز نہیں (۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا لَّمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَن تَقُومَ فِيهِ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَن يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ ﴿١٠٨﴾ ﴾

(التوبۃ ۹/ ۱۰۸)

(اے نبی!) "آپ کبھی اس (مسجد ضرار) میں (عبادت کے لیے) کھڑے نہ ہوں، البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد روز اول ہی سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے، وہ زیادہ موزوں ہے کہ آپ اس میں (عبادت کے لیے) کھڑے ہوں۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک صاف

---

(۱) اس باب سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ جس جگہ غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کیے جاتے ہوں وہاں یا اس کے قرب و جوار میں اللہ تعالیٰ کے نام پر جانور ذبح کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ اس طرح غیر اللہ کے لیے ذبح کرنے والوں کے ساتھ مشابہت اور اشتراک ہو جاتا ہے۔

مثلاً مشرکین یا مبتدعین کی نظر میں کوئی جگہ قابل تعظیم ہو یا کوئی قبر وغیرہ جہاں صاحب قبر کے تقرب کی نیت سے جانور ذبح کیے جاتے ہوں، کسی موحد مسلمان کے لیے ایسی جگہ پر جانور ذبح کرنا جائز نہیں۔ اگرچہ وہ ذبیحہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اس طرح اس جگہ کی تعظیم میں ان مشرکین سے مشابہت ہو جاتی ہے جو ان مقامات پر غیر اللہ کے لیے مختلف عبادات بجالاتے ہیں۔ پس جہاں غیر اللہ کے لیے جانور ذبح کیے جاتے ہوں وہاں اللہ تعالیٰ کے لیے بھی جانور ذبح کرنا نہ صرف ناجائز بلکہ ذریعہ شرک ہے۔ اس سے اس جگہ کی تعظیم ظاہر ہوتی ہے۔ جبکہ یہ عمل حرام اور ذریعۂ شرک ہے۔

رہنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ کو بھی صفائی اور پاکیزگی اختیار کرنے والے لوگ ہی پسند ہیں۔"[1]

ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«نَذَرَ رَجُلٌ أَنْ يَّذْبَحَ إِبِلاً بِبُوَانَةَ فَسَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: هَلْ كَانَ فِيهَا وَثَنٌ مِّنْ أَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ؟ قَالُوا: لاَ، قَالَ: فَهَلْ كَانَ فِيهَا عِيدٌ مِّنْ أَعْيَادِهِمْ؟ قَالُوا: لاَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَوْفِ بِنَذْرِكَ، فَإِنَّهُ لاَ وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةِ اللهِ وَلاَ فِيمَا لاَ يَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ»(سنن أبي داود، الأيمان، باب ما يؤمر به من وفاء النذر، ح:٣٣١٣ والسنن الكبرى للبيهقي، ح: ١٠/ ٨٣)

"ایک آدمی نے بوانہ کے مقام پر اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی' اس نے اس کے متعلق نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا' تو آپ نے فرمایا: کیا وہاں دور جاہلیت کے کسی بت کی پوجا ہوتی تھی؟ صحابہ نے کہا: نہیں۔ آپ نے مزید پوچھا: کیا وہاں مشرکین کا کوئی تہوار ہوتا تھا؟ صحابہ نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: تم اپنی نذر پوری کر لو۔ یاد

---

[1] منافقین نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں ایک مسجد بنائی جسے قرآن میں "مسجد ضرار" کہا گیا ہے' چونکہ مسجد بنانے والوں کی اصل غرض' اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی مخالفت تھی۔ وہاں نماز پڑھنے سے ان کی تائید' ان کی تعداد میں اضافہ' اور عام لوگوں کے لیے وہاں نماز ادا کرنے کا جواز ثابت ہوتا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے نبی کو اور مومنین کو اس مسجد (ضرار) میں نماز ادا کرنے بلکہ کھڑے ہونے تک سے منع فرما دیا۔ حالانکہ رسول اکرم ﷺ اور باقی مومنین اگر وہاں نماز ادا کرتے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے نماز ادا کرتے۔ وہاں نماز ادا کرنے سے ان کا مقصود' دین کو نقصان پہنچانا یا مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنا یا اللہ اور رسول کی مخالفت قطعاً نہ ہوتا۔ مگر اس کے باوجود انہیں وہاں نماز ادا کرنے سے اس لیے منع کر دیا گیا کہ منافقین کے ساتھ مشارکت یا مشابہت نہ ہو۔ اسی طرح جس مقام پر غیر اللہ کے لیے جانور ذبح کیے جاتے ہوں وہاں اللہ تعالیٰ کے لیے جانور ذبح کرنا بھی جائز نہیں اگرچہ اس سے محض اللہ تعالیٰ کی رضا ہی مقصود کیوں نہ ہو کیونکہ اس طرح اس جگہ کی تعظیم اور مشرکین سے مشابہت ہوتی ہے۔

رکھو! جو نذر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے متعلق ہو یا انسان کے تصرف و اختیار میں نہ ہو' اسے پورا کرنا ہرگز جائز نہیں۔" (1)

---

(1) یہ مقام تفصیل طلب تھا۔ اسی لیے نبی ﷺ نے اسے تفصیل سے بیان فرمایا اور نبی ﷺ کے اس سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ بات ہوتی کہ وہاں جاہلیت کے کسی بت کی پوجا ہو رہی ہے تو وہاں قربانی کرنے کی ہرگز اجازت نہ ہوتی۔ یہاں حدیث بیان کرنے کا بھی یہی مقصد ہے۔

"اَلْعِیْد" وہ جگہ جہاں لوگ بار بار آئیں یا وہ گھڑی اور زمانہ جو بار بار لوٹ کر آئے۔ کسی جگہ کو عید اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہاں لوگوں کا بار بار آنا ہوتا ہے اور ایک خاص و مقرر وقت میں لوگ اس جگہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اسی طرح زمانے بھی ایک معین وقت میں بار بار لوٹ کر آتے ہیں اس لیے انہیں بھی عید کہا جاتا ہے۔

اور یقینی بات ہے کہ مشرکین کی عیدیں...... خواہ جگہیں ہوں یا زمانے اور اوقات ...... ان کے اپنے شرکیہ دین ہی پر مبنی ہوتی ہیں۔ یعنی وہ اپنی عیدوں میں شرکیہ عبادات ہی بجالاتے ہیں اور ان موقعوں پر جہاں وہ اور بہت سے افعال کرتے ہیں وہاں ان کا سب سے بڑا فعل غیر اللہ کے تقرب کے لیے ذبح کرنا اور خون بہانا ہوتا ہے۔

چنانچہ معلوم ہوا کہ جہاں مشرکین غیر اللہ کے تقرب کے لیے ذبح کرتے ہوں وہاں ان کے ساتھ شریک ہو کر ان کی ظاہری مشابہت اختیار کرنا ہرگز جائز نہ ہوگا اگرچہ وہاں محض اللہ کے تقرب کے لیے ذبح کیوں نہ کیا جائے اور فقط رضائے الٰہی کی خاطر نماز کیوں نہ پڑھی جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس آدمی سے فرمایا:

«أَوْفِ بِنَذْرِكَ فَإِنَّهُ لاَ وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةِ اللهِ»

"تو اپنی نذر پوری کر کیونکہ جس نذر میں اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو اسے پورا کرنا ہرگز جائز نہیں۔"

علماء کا کہنا ہے کہ "فَإِنَّهُ" میں "فا" اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نذر پوری کرنے کی اجازت کا سبب یہ ہے کہ اس نذر میں اللہ کی معصیت نہیں ہے۔ اور نبی ﷺ کا اس آدمی سے تفصیل معلوم کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جہاں کسی بت کی پوجا ہوتی ہو یا مشرکین کی کوئی عید اور تہوار ہو وہاں اللہ کے لیے ذبح کرنا اللہ کی معصیت کا ارتکاب ہوگا۔

مسائل

① آیہ مبارکہ (لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا) کی تفسیر معلوم ہوئی۔
② بسااوقات اللہ تعالیٰ کی اطاعت یا نافرمانی زمین پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔
③ کوئی مشکل مسئلہ سمجھانے کے لیے صورتِ مسئلہ کو اچھی طرح واضح کرنا چاہیے تاکہ کسی قسم کا کوئی اشکال نہ رہ جائے۔
④ مفتی، سائل سے حسب ضرورت متعلقہ تفاصیل اور وضاحتیں طلب کر سکتا ہے۔
⑤ منت اور نذر کے لیے کسی خاص مقام کو مقرر کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اس میں کوئی شرعی رکاوٹ نہ ہو۔
⑥ جس مقام پر کوئی "وثن" (بت) ہو وہاں نذر پوری کرنا یا کوئی دوسری عبادت بجا لانا منع ہے، خواہ اب اسے وہاں سے ختم کر دیا گیا ہو۔
⑦ جہاں مشرکین کا کوئی میلہ یا تہوار منایا جاتا ہو وہاں پر بھی نذر پوری نہیں کی جا سکتی خواہ اب وہ سلسلہ بند ہی ہو چکا ہو۔
⑧ اگر کسی نے مشرکین کے بت یا تہوار والی جگہ کی نذر مانی ہو تو اسے پورا کرنا جائز نہیں، کیونکہ یہ نافرمانی کی نذر ہے جو کہ ناجائز ہے۔
⑨ مشرکوں کے تہواروں میں شریک ہو کر ان کی مشابہت سے بچنا چاہیے اگرچہ ان کی مشابہت کا قصد و ارادہ نہ ہو۔
⑩ جو نذر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر مشتمل ہو، وہ باطل ہے۔
⑪ جو کام انسان کی ملکیت اور اختیار میں نہ ہو، اس کی نذر ماننا بھی ناجائز اور غلط ہے۔

باب : ۱۱

غیراللہ کی نذرونیاز شرک ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يُوفُونَ بِالنَّذْرِ ۝٧ ﴾ (الدهر٧٦/ ٧)

''یہ لوگ نذر پوری کرتے ہیں۔''①

نیز ارشاد ہے:

﴿ وَمَآ أَنفَقْتُم مِّن نَّفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُم مِّن نَّذْرٍ فَإِنَّ ٱللَّهَ يَعْلَمُهُۥ ﴾

(البقرہ٢/ ٢٧٠)

''اور تم اللہ کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرو یا جو بھی نذر مانو' اللہ اسے جانتا ہے۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ نَذَرَ أَنْ يُّطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ، وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَّعْصِيَ اللهَ فَلَا يَعْصِهِ»(صحيح البخارى، الأيمان والنذور، باب النذر في الطاعة. الخ، ح:٦٦٩٦، ٦٧٠٠ وسنن أبي داود، الأيمان والنذور، باب النذر في المعصية، ح:٣٢٨٩)

''جو کوئی اللہ کی اطاعت کی نذر مانے تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرے اور جو شخص اللہ کی نافرمانی کی نذر مانے تو وہ اللہ کی نافرمانی نہ کرے۔''②

---

① اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نذر پوری کرنے والوں کی مدح فرمائی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ عبادت مشروع اور اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔ اور چونکہ یہ عبادت ہے اس لیے اسے غیراللہ کے لیے بجالانا ''شرک اکبر'' ہے۔

② ''مَنْ نَذَرَ اَنْ يُطِيْعَ اللّٰهِ فَلْيُطِعْهُ'' ''جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے۔'' اس میں جائز نذر پوری کرنے کا حکم ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایسی ⬅

مسائل

① اطاعت والی نذر کو پورا کرنا ضروری ہے۔
② جب یہ ثابت ہو چکا کہ نذر اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے تو پھر اسے غیراللہ کے لیے ماننا اور پورا کرنا شرک ہے۔
③ جو نذر معصیت پر مبنی ہو اسے پورا کرنا جائز نہیں۔

⇐ عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ کو انتہائی محبوب اور پسند ہے کیونکہ جو عمل شرعاً واجب ہو وہ عبادت ہوتا ہے اور جو عمل عبادت کے بجالانے کا وسیلہ اور ذریعہ ہو وہ بھی عبادت ہوتا ہے۔ چونکہ نذر پوری کرنے کا وسیلہ اور ذریعہ 'نذر ماننا ہے' اگر نذر ہی نہ مانی ہو تو پوری کیسے ہوگی؟ لہٰذا نذر کو پورا کرنا اس لیے واجب ہوا کہ انسان نے اس عبادت (نذر) کو خود اپنے آپ پر لازم کر لیا ہے۔

"وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللّٰهَ فَلَا يَعْصِهِ" "اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نذر مانے تو وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔" کیونکہ انسان کا اپنے آپ پر اللہ کی نافرمانی کو لازم کر لینا' اللہ کی طرف سے وارد شدہ نافرمانی کی ممانعت کے خلاف ہے بلکہ ایسے انسان پر قسم کا کفارہ لازم آتا ہے جس کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے نذر ماننا ایک عظیم عبادت ہے اور غیراللہ کے لیے نذر ماننا بھی عبادت ہے جو حرام ہے۔ غیراللہ کے لیے نذر ماننے والا جب اپنی نذر پوری کرتا ہے تو وہ غیراللہ کی عبادت بجالاتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کے لیے نذر ماننے والا جب اپنی نذر پوری کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت بجالاتا ہے۔

باب : ۱۲

غیراللہ سے پناہ مانگنا شرک ہے [1]

[1] غیراللہ سے استعاذہ' شرک اکبر ہے۔ استعاذہ کا معنی "پناہ مانگنا" ہے' یعنی جو چیز انسان کو شر سے محفوظ رکھ سکے اس کی طلب اور جستجو کرنا۔ اور طلب و جستجو' توجہ اور دعا کی ایک قسم ہے کیونکہ جستجو میں بنیادی چیز یہی ہوتی ہے۔ چونکہ جس سے کچھ مانگا جائے وہ مانگنے والے سے مقام و مرتبہ میں ارفع اور بلند ہوتا ہے اس لیے اس کے متعلقہ فعل کو دعا کہا جاتا ہے۔ لہٰذا درحقیت استعاذہ سے مراد پناہ لینے کی دعا کرنا ہے۔ اور جب یہ دعا ہے تو عبادت بھی ہے اور ہر قسم کی عبادت کا سزاوار صرف اللہ عزوجل ہے۔ اس پر امت مسلمہ کا اتفاق بھی ہے اور قرآن کی آیات بھی اسی بات پر دلالت کرتی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأَنَّ ٱلْمَسَٰجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا۟ مَعَ ٱللَّهِ أَحَدًا ﴿١٨﴾ ﴾ (الجن ۷۲/ ۱۸)

"اور بلاشبہ سب مسجدیں اللہ کی ہیں تو تم اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو۔"

نیز فرمایا:

﴿ ۞ وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوٓا۟ إِلَّآ إِيَّاهُ ﴾ (الإسراء ۱۷/ ۲۳)

"اور تیرے رب نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔"

بلکہ ہر وہ دلیل جس میں محض اللہ سے دعا کرنے اور اسی کی عبادت کرنے کا ذکر ہے وہ بالخصوص اس مسئلہ (استعاذہ) کی دلیل بھی ہے۔

اور جو استعاذہ اللہ عزوجل ہی سے درست ہے درحقیقت اس میں ظاہری عمل اور باطنی عمل دونوں شامل ہیں۔ ظاہری عمل تو پناہ لینا' شر سے محفوظ ہونا اور نجات پانا ہے اور باطنی عمل یہ ہے کہ جس سے پناہ مانگی جارہی ہے اس سے دلی لگاؤ اور قلبی طمانیت رکھنا' اپنی بے چارگی اور حاجت اسے پیش کرنا اور اپنی نجات کا معاملہ بھی اسی کے سپرد کر دینا۔

لہٰذا بالاتفاق یہ استعاذہ' اللہ رب العزت کے سوا کسی دوسرے سے درست نہیں ہے۔

اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ جو چیز مخلوق کے بس میں ہے اس کی پناہ مخلوق سے مانگنا جائز ہے تو یہ اس وجہ سے کہ ایسے دلائل موجود ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں اور اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ مخلوق ⬅

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَأَنَّهُۥ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ ٱلۡإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ ٱلۡجِنِّ فَزَادُوهُمۡ رَهَقًا ۝٦ ﴾

(الجن ٧٢/ ٦)

"اور بعض لوگ جنات کی پناہ پکڑا کرتے تھے تو اس طرح وہ (جنات) سرکشی میں اور بڑھ گئے۔" [1]

خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص کسی جگہ قیام کرے اور یہ دعا پڑھ لے:

«أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ»(صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب في التعوذ من سوء القضاء، ح:٢٧٠٨ وجامع الترمذي، الدعوات، باب ما جاء ما يقول إذا نزل منزلا، ح:٣٤٣٧)

"میں اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات کی پناہ چاہتا ہوں ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہے۔"۔

تو اسکے وہاں سے روانہ ہونے تک کوئی چیز اسے ضرر نہ پہنچا سکے گی۔ [2]

◄ سے پناہ، محض زبانی طور پر مانگی جاتی ہے، دلی طمانیت اور لگاؤ اللہ عزوجل ہی کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ حسن ظن ہوتا ہے کہ یہ بندہ تو محض ایک سبب ہے، درحقیقت پناہ دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

لہٰذا جب ظاہری طور پر مخلوق سے پناہ مانگی جائے اور دلی رجحان اور توجہ مخلوق کی طرف نہ ہو تو پھر مخلوق سے پناہ مانگنا جائز ہوگا۔ اسی لیے اہل خرافات کا یہ قول باطل ہے کہ مردوں، جنات، اولیاء کرام اور دیگر مخلوق سے ان چیزوں کی پناہ مانگنا جائز ہے جو ان کی قدرت اور طاقت میں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں پناہ دینے کی قدرت بھی دے رکھی ہے۔

[1] یہاں "رَهَقًا" کا معنی یہ ہے کہ ان کے دلوں میں اس قدر خوف و اضطراب پیدا ہوگیا کہ وہ (جنات) ان پر ظلم و زیادتی کرنے لگے۔ ظلم جسم پر بھی ہوتا ہے اور روح پر بھی۔ گویا ان پر جنات کا یہ ظلم بطور سزا تھا اور سزا کسی گناہ ہی پر ہوتی ہے (تو معلوم ہوا کہ غیر اللہ سے پناہ مانگنا گناہ ہے)

آیت مبارکہ میں ان لوگوں کی مذمت بیان ہوئی ہے اور یہ مذمت صرف اس لیے ہے کہ انہوں نے اس عبادت کا حقدار غیر اللہ کو ٹھہرایا جبکہ اللہ عزوجل کا حکم ہے کہ اس کے سوا کسی سے پناہ نہ مانگی ◄

مسائل

① اس باب سے سورۃ الجن کی آیت نمبر۶ کی تفسیر ہوئی۔
② غیراللہ کی پناہ لینا شرک ہے۔
③ اس دعا سے علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات (کلام) مخلوق نہیں۔ اگر یہ کلمات مخلوق ہوتے تو ان کی پناہ طلب نہ کی جاتی کیونکہ مخلوق سے پناہ طلب کرنا شرک ہے۔
④ اس حدیث سے مذکورہ دعا کی فضیلت بھی ثابت ہوتی ہے' اگرچہ یہ مختصر سی ہے۔
⑤ کسی سے دنیوی فائدہ کا حاصل ہو جانا مثلاً کسی شر سے تحفظ یا کسی منفعت کا حاصل ہو جانا' یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ عمل جائز ہی ہے (بلکہ عین ممکن ہے کہ وہ عمل شرک بھی ہو)

جائے۔ امام قتادہ رحمہ اللہ اور بعض دیگر اسلاف کا قول یہ ہے کہ "رَهَقًا" کا معنی "گناہ" ہے اس سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیراللہ سے پناہ مانگنا باعث گناہ ہے۔

(۲) نبی کریم ﷺ نے اللہ کے کلمات کی پناہ مانگنے کی فضیلت بیان فرمائی اور شریر مخلوقات سے اللہ کے کلمات کی پناہ میں آنے کا سبق دیا ہے۔

"مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ" "ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہے۔" اس سے مقصود ان مخلوقات کے شر سے پناہ مانگنا ہے جن میں شر ہو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی بہت سی ایسی پاکیزہ مخلوقات بھی ہیں جن میں کسی قسم کا کوئی شر نہیں بلکہ وہ سراپا خیر ہیں' مثلاً جنت' ملائکہ' انبیاء' رسل اور اولیاء وغیرہ۔

باب : ۱۳

غیراللہ سے فریاد کرنا یا اسے پکارنا شرک ہے (۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَا تَدْعُ مِن دُونِ ٱللَّهِ مَا لَا يَنفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِن فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِّنَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿١٠٦﴾ وَإِن يَمْسَسْكَ ٱللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُۥٓ إِلَّا هُوَ وَإِن يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهِۦ يُصِيبُ بِهِۦ مَن يَشَآءُ مِنْ عِبَادِهِۦ وَهُوَ ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ ﴿١٠٧﴾ ﴾ (یونس ۱۰/ ۱۰۶۔۱۰۷)

"اور تم اللہ کو چھوڑ کر کسی کو مت پکارو جو تمھارا بھلا کر سکے نہ نقصان، اگر تم نے ایسا

---

(۱) اگرچہ استغاثہ (فریاد کرنا) دعا ہی کی ایک قسم ہے لیکن اس کو بالخصوص علیحدہ بیان کیا گیا ہے کیونکہ جس طرح دعا ایک طلب اور عرض ہوتی ہے اسی طرح فریاد کرنا بھی دراصل عرض کرنا ہی ہوتا ہے۔

استغاثہ کا معنی فریاد کرنا ہے۔ جو شخص شدید دکھ اور پریشانی میں اس قدر مبتلا ہو کہ اسے سخت نقصان پہنچنے یا اس کے ہلاک ہو جانے کا خدشہ ہو تو اس کی فریاد رسی کو غوث کہا جاتا ہے۔ لہٰذا جب یہ کہا جائے کہ فلاں نے فلاں کی فریاد رسی کی تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اس نے مدد کرتے ہوئے اسے اس مصیبت سے چھٹکارا دلایا جس میں وہ جکڑا ہوا تھا۔ چنانچہ جب مخلوق سے کسی ایسے کام کی فریاد کی جائے جو مخلوق کے بس میں نہ ہو بلکہ صرف اللہ کے بس اور اس کی قدرت میں ہو تو یہ فریاد کرنا شرک اکبر ہو گا۔ ہاں اگر مخلوق کے بس میں ہو تو جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں کہا ہے۔

﴿ فَٱسْتَغَٰثَهُ ٱلَّذِى مِن شِيعَتِهِۦ عَلَى ٱلَّذِى مِنْ عَدُوِّهِۦ ﴾ (القصص ۲۸/ ۱۵)

"جو شخص موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم سے تھا اس نے ان سے اپنے دشمن کے خلاف فریاد کی۔"

غیراللہ کو بطور عبادت پکارنا شرک اکبر ہے۔

پکار کی دو قسمیں ہیں (۱) بطور سوال پکارنا یعنی اللہ سے مانگنے اور طلب کرنے کے لیے ہاتھ اٹھا کر اسے پکارنا۔ ہمارے ہاں عموماً اسے دعا کہا جاتا ہے۔ (۲) بطور عبادت پکارنا جیسا کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے۔

کیا تو تم ظالموں (یعنی مشرکوں) میں سے ہو جاؤ گے اور اگر اللہ تمھیں کوئی نقصان پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اسے دور نہیں کر سکتا اور اگر وہ تمھارے ساتھ بھلائی کرنا چاہے تو کوئی اس کے فضل کو روک نہیں سکتا۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے اور وہی بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔''[1]

﴿ وَأَنَّ ٱلْمَسَٰجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُواْ مَعَ ٱللَّهِ أَحَدًا ﴿١٨﴾ ﴾ (الجن ۷۲/ ۱۸)

''اور بلاشبہ سب مسجدیں اللہ کی ہیں تو تم اس کے ساتھ کسی کو مت پکارو۔''

اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے ''اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ'' کہ ''دعا (پکار) ہی عبادت ہے۔''

چنانچہ بطور عبادت پکارنا ایسے ہی ہوگا جیسے کوئی آدمی نماز پڑھتا یا زکوٰۃ ادا کرتا ہے کیونکہ عبادت کی کوئی بھی قسم ہو اسے ''دعا'' (پکارنا) کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ پکارنا بطور عبادت ہوتا ہے۔ جب یہ بات ثابت ہو چکی تو پھر قرآنی دلائل اور اہل علم کی طرف سے پیش کیے جانے والے دلائل کو سمجھنے کے لیے مذکورہ بالا تفصیل اور تقسیم انتہائی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ اصل خرافات اور شرک کی دعوت دینے والے لوگ مسئلہ دعا کے بارے میں وارد شدہ آیت ''وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْ'' (المؤمن ۴۰/۶۰) کی غلط تاویل کرتے ہیں جبکہ درحقیقت بطور سوال پکارنے اور بطور عبادت پکارنے میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں کا ایک دوسرے سے تعلق ہے۔ بطور سوال پکارنا عبادت کی ایک قسم ہے اور بطور عبادت پکارنے سے یہ بات لازم آتی ہے کہ اللہ سے قبولیت کا سوال بھی کیا جائے۔

[1] ''وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ'' اور اللہ کو چھوڑ کر کسی کو مت پکارو۔

یہ ممانعت ہے اور اس میں بطور سوال اور بطور عبادت دونوں طرح پکارنے کی نفی ہے۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے بھی اس آیت سے یہی استدلال کیا ہے۔ چنانچہ آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ کسی انسان کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ اللہ کے سوا کسی اور کو بطور سوال یا بطور عبادت پکارے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس حکم کے اولین مخاطب امام المتقین و امام الموحدین محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔

''مِنْ دُوْنِ اللّٰه'' میں دو مفہوم آتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ کسی کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرا کر نہ پکارو اور دوسرا یہ کہ اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو مت پکارو۔

''مَالَا یَنْفَعُكَ وَلَا یَضُرُّكَ'' جو تمھیں کوئی نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان، اس میں ذوی العقول، مثلاً فرشتے، انبیاء و رسل اور اولیاء اور غیر ذوی العقول، مثلاً بت، درخت اور پتھر سبھی شامل ہیں۔

''فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ'' اگر آپ نے ایسا کیا یعنی اللہ کے ساتھ یا اللہ کو چھوڑ کر کسی کو

نیز ارشاد الٰہی ہے:

﴿ إِنَّ ٱلَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَٱبْتَغُوا۟ عِندَ ٱللَّهِ ٱلرِّزْقَ وَٱعْبُدُوهُ وَٱشْكُرُوا۟ لَهُۥٓ ۖ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿١٧﴾ ﴾ (العنکبوت۲۹/ ۱۷)

"تم اللہ کے سوا جن کو پوجتے ہو وہ تمہیں رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے۔ پس اللہ ہی سے رزق طلب کرو۔ اور اس کی بندگی کرو اور اس کا شکر بجالاؤ۔ تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔" (۱)

◄ پکارا جبکہ وہ تمہیں کوئی نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان تو آپ اس پکارنے کی وجہ سے ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔

یہاں ظلم سے مراد شرک ہے۔

جب نبی کریم ﷺ سے یہ بات کہی جارہی ہے حالانکہ ان کے ذریعے اللہ نے توحید کی تکمیل کی کہ غیر اللہ کو پکارنے کی وجہ سے آپ ظالم اور مشرک ٹھہریں گے تو پھر جو شخص معصوم عن الخطاء نہیں اس کے لیے یہ بہت بڑی تنبیہ ہے کہ غیراللہ کو پکارنے کی وجہ سے وہ بالاولیٰ ظالم اور مشرک ٹھہرے گا۔ اس کے بعد اللہ عزوجل نے دل سے شرک کی تمام جڑوں کو کاٹنے کے لیے فرمایا:

﴿ وَإِن يَمْسَسْكَ ٱللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُۥٓ إِلَّا هُوَ ﴾ (یونس ۱۰/ ۱۰۷)

"اور اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی نقصان پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اسے دور نہیں کر سکتا۔"

اگر اللہ کی طرف سے آپ کو کوئی نقصان پہنچے تو اسے کون دور کرے گا؟ یقیناً وہی جس نے مقدر میں لکھا اور فیصلہ کیا ہے۔ اس سے غیراللہ کی طرف رخ کرنے کی قطعاً نفی ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس بات کی اجازت ہے کہ جو کام بشر کے بس میں ہو اس کے لیے اس کی طرف رخ کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً مدد طلب کرنا' پانی مانگنا وغیرہ۔ کیونکہ اسے اللہ نے مشکل حل کرنے کا سبب اور ذریعہ بنایا ہے جبکہ در حقیقت مشکل کشا تو صرف اللہ ہی ہے۔ "ضُرٌّ" کوئی نقصان۔ اس میں نقصان کی تمام تر قسمیں شامل ہیں یعنی دینی نقصان ہو یا دنیوی' بدنی ہو یا مالی یا عیالی۔ ہر قسم کے نقصان کو دور کرنے والا صرف اللہ ہی ہے۔

(۱) "فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ"۔ "پس تم اللہ تعالیٰ ہی سے رزق طلب کرو۔"

علمائے معانی نے لکھا ہے کہ بیان میں مؤخر کو مقدم کرنے سے تخصیص حاصل ہوتی ہے۔ للہذا اس آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ "تم صرف اللہ ہی سے رزق طلب کرو۔" اس طلب کو اللہ ہی کے ساتھ خاص رکھو' طلب رزق کے لیے غیراللہ سے فریاد نہ کرو۔ رزق کا لفظ عام ہے۔ ہر وہ چیز جو انسان کو ◄

مزید ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُوا مِن دُونِ اللَّهِ مَن لَّا يَسْتَجِيبُ لَهُۥٓ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَن دُعَآئِهِمْ غَافِلُونَ ﴿٥﴾ وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَآءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِينَ ﴿٦﴾ ﴾ (الأحقاف ٤٦/ ٥-٦)

"اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہو گا جو اللہ کو چھوڑ کر ان کو پکارے جو قیامت تک (اس کی پکار سن کر) اسے جواب نہیں دے سکتے اور وہ ان کی پکار سے غافل اور بے خبر ہیں اور قیامت کو جب تمام انسان جمع کیے جائیں گے تو اس وقت وہ ان پکارنے والوں کے دشمن ہوں گے۔ اور ان کی پرستش کا انکار کریں گے۔" [1]

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ أَمَّن يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْأَرْضِ ۗ أَءِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ ۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿٦٢﴾ ﴾ (النمل ٢٧/ ٦٢)

"جب کوئی لاچار فریاد کرے تو کون ہے جو اس کی پکار اور فریاد کو سنے؟ کون اس کی تکلیف کو دور کرتا ہے؟ اور کون ہے جو تمہیں زمین میں خلیفہ بناتا ہے۔ تو بھلا اللہ کے ساتھ اور بھی کوئی معبود ہے؟ تم لوگ کم ہی سوچتے ہو" [2]

← ملے اور عطا ہو اسے رزق کہا جاتا ہے۔ اس میں صحت' عافیت اور مال و دولت سب کچھ شامل ہے۔
اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے "وَاعْبُدُوْهُ" (اور اس کی بندگی کرو) فرمایا تاکہ بطور سوال اور بطور عبادت دونوں طرح کا پکارنا اس میں شامل ہو جائے۔

[1] اس آیت میں ان لوگوں کی گمراہی کی انتہا بیان کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر مردوں کو پکارتے ہیں اس سے بتوں' پتھروں یا درختوں کو پکارنا مراد نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "مَنْ لَّایَسْتَجِیْبُ لَهٗ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ" جو قیامت تک (اس کی پکار سن کر) اسے جواب نہیں دے سکتے اور یہ اشیاء تو قیامت کے بعد بھی سننے پر قادر نہیں جبکہ مردے قیامت کے بعد اٹھ کر سننے لگیں گے۔
نیز اس کی دوسری دلیل یہ ہے کہ آیت میں "مَنْ" حرف موصول ہے۔ اس کا اطلاق ذوی العقول پر ہوتا ہے جو دوسروں سے بات کر سکتے ہوں اور ان سے بات کی جا سکتی ہو۔ وہ خود علم رکھتے ہوں اور ان سے علم حاصل کیا جا سکتا ہو۔

[2] اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بے کس اور لاچار آدمی کی دعا جو کہ بطور سوال ہوتی ہے ←

اور امام طبرانی رحمہ اللہ نے باسند بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ کے زمانے میں ایک منافق مومنوں یعنی صحابہ کرام کو بہت ایذائیں دیا کرتا تھا۔ صحابہ نے مشورہ کیا کہ چلو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس سے گلو خلاصی کے لیے استغاثہ کریں۔ نبی ﷺ نے فرمایا دیکھو! مجھ سے فریاد نہیں کی جاسکتی۔ بلکہ فریاد و پکار صرف اللہ تعالیٰ سے کرنی چاہیے۔" [1]

مسائل

(۱) دعا (پکارنا) عام ہے اور استغاثہ (فریاد کرنا) خاص۔ پس استغاثہ کے بعد دعا کا ذکر کرنا "عَطْفُ الْعَامِّ عَلَى الْخَاصِّ" کے قبیل سے ہے۔

(۲) آیت مبارکہ "وَلاَ تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالاَ يَنْفَعُكَ وَلاَ يَضُرُّكَ" کی تفسیر بھی ہوئی۔

(۳) غیراللہ کو پکارنا اور اس سے فریاد کرنا شرک اکبر ہے۔

(۴) نیز ثابت ہوا کہ اگر کوئی انتہائی برگزیدہ بندہ بھی غیراللہ کو راضی کرنے کے لیے اسے

← صرف اللہ عزوجل سنتا ہے اور پھر کبھی تو انسان کی فریاد پر تکلیف دور کرتا ہے اور کبھی بغیر فریاد کیے۔

"ءَاِلٰهٌ مَعَ اللّٰهِ" تو بھلا اللہ کے ساتھ اور بھی کوئی معبود ہے؟ یہ استفہام انکاری ہے۔ یعنی اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود نہیں جسے پکارا جائے یا جو چیز صرف اللہ کے اختیار میں ہو اس کی فریاد اس (غیراللہ) سے کی جائے۔

[1] مجمع الزوائد: (۱۰/۱۵۹) بعض روایات میں صراحت ہے کہ یہ مشورہ دینے والے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس معاملہ میں نبی ﷺ سے مدد طلب کرنا جائز تھا۔ کیونکہ انہوں نے نبی ﷺ کی زندگی میں آپ سے ایسی مدد طلب کی جس پر آپ کو زندگی میں قدرت حاصل تھی۔ چونکہ وہ منافق اہل ایمان کو ایذائیں دیا کرتا تھا آپ اس کو قتل کرنے، قید کرنے یا اس کے بارے میں کسی تعزیر کا حکم سنا کر یا کوئی دوسرا حکم دے کر صحابہ کی مدد کرسکتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک ایسے معاملہ میں آپ کی طرف رجوع کیا جس پر آپ کو قدرت تھی۔ اس موقع پر بھی آپ نے تعلیم و ارشاد فرماتے ہوئے ادب سکھایا اور تنبیہ فرمائی کہ دیکھو میرے سامنے فریاد نہ کی جائے، فریاد اور پکار سب سے پہلے صرف اللہ تعالیٰ سے کرنی چاہیے۔

پکارے تو وہ بھی ظالموں میں سے ہو گا۔

⑤ اس باب سے "وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" سے بعد والی آیت "وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ" کی تفسیر بھی معلوم ہوئی۔

⑥ غیراللہ کو پکارنا دنیا میں کچھ نفع بخش نہیں اور پھر یہ کفر بھی ہے۔

⑦ تیسری آیہ مبارکہ "فَابْتَغُوْا عِنْدَاللّٰهِ الرِّزْقَ" کی تفسیر بھی ہوئی۔

⑧ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے سے روزی مانگنا ایسے ہی درست نہیں جیسے اس کے سوا کسی دوسرے سے جنت نہیں مانگی جاسکتی۔

⑨ اس بحث سے چوتھی آیہ مبارکہ "وَمَنْ اَضَلُّ" کی تفسیر بھی ہوتی ہے۔

⑩ جو شخص کسی غیراللہ کو پکارے یا اس سے فریاد کرے اس سے بڑھ کر کوئی گمراہ نہیں۔

⑪ جن (غیراللہ) کو پکارا جاتا ہے وہ تو پکارنے والے کی پکار سے بے خبر ہیں۔

⑫ اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو پکارا جاتا ہے وہ اس پکار کے سبب قیامت کے دن ان پکارنے والوں کے دشمن ہوں گے۔

⑬ غیراللہ کو پکارنا درحقیقت اس کی عبادت ہے۔

⑭ جن کو پکارا جاتا ہے وہ قیامت کے دن ان کی عبادت اور پکار کا انکار کریں گے۔

⑮ ان امور کی وجہ ہی سے انسان سب سے زیادہ گمراہ کہلاتا ہے۔

⑯ اس باب سے آیہ "اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ" کی تفسیر بھی ہوتی ہے۔

⑰ حیران کن بات یہ ہے کہ بتوں کے پجاری بھی اعتراف کرتے ہیں کہ پریشان و لاچار کی پکار کو صرف اللہ تعالیٰ سنتا ہے اور وہی نجات دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مشکلات میں وہ بھی صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں۔

⑱ نبی ﷺ نے مکمل طور پر گلشن توحید کی حفاظت فرمائی اور امت کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو ادب و احترام ملحوظ رکھنا چاہئے اس کی تعلیم بھی آپ نے دی۔

باب : ۱۴

بے اختیار کو پکارنا شرک ہے[1]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿١٩١﴾ وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ نَصْرًا وَلَا أَنفُسَهُمْ يَنصُرُونَ ﴿١٩٢﴾﴾ (الأعراف۷/ ۱۹۱۔۱۹۲)

''کیا وہ ان کو اللہ کے شریک بناتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے حالانکہ وہ تو خود پیدا کیے گئے ہیں اور وہ نہ ان کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنی ہی۔''

---

[1] سابقہ ابواب کے بعد اس باب کا لانا حسن سیاق، فقہی عظمت اور رسوخ فی العلم کی دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ کی توحید اور عبادت میں اسی کے مستحق ہونے کی اصل دلیل وہ ہے جو ہر انسان کی فطرت میں اس کی ربوبیت کے اقرار کی صورت میں موجود ہے۔ فطری، مشاہداتی اور عقلی دلائل اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ عبادت کا مستحق صرف ایک اللہ ہی ہے اس کے علاوہ کوئی نہیں۔ اس باب میں یہ وضاحت ہے کہ خالق، رازق، مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بھی ان امور میں سے کسی کا مالک نہیں۔ حتیٰ کہ مخلوق میں سب سے اعلیٰ مقام رکھنے والے نبی ﷺ کو بھی ان میں سے کسی چیز کا کچھ بھی اختیار نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ ﴾ (آل عمران۳/ ۱۲۸)

''آپ کو کسی بھی چیز کا اختیار نہیں۔''

جب نبی ﷺ کو کسی بھی چیز کا اختیار نہیں تو پھر کون ہے جسے ہر چیز کا اختیار ہے؟ وہ صرف ایک اللہ ہی ہے۔ جب نبی ﷺ سے اس بات کی نفی ہوگئی تو پھر آپ سے کم تر درجہ والوں کی تو بالاولیٰ نفی ہوئی۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے منہ موڑ کر اصحاب قبور، صالحین یا انبیاء و اولیاء کی طرف رجوع کرتے ہیں، ان کے ذہن میں یہ تصور ہوتا ہے کہ وہ بھی صاحب قوت و اختیار ہیں۔ اور کچھ امور کے وہ بھی مالک ہیں۔ رزق بھی دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر واسطہ اور سفارش کا حق رکھتے ہیں۔ ایسی سب باتیں غلط ⬅

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِۦ مَا يَمْلِكُونَ مِن قِطْمِيرٍ ﴿١٣﴾ إِن تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا۟ دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا۟ مَا ٱسْتَجَابُوا۟ لَكُمْ ۖ وَيَوْمَ ٱلْقِيَـٰمَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ ۚ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ﴿١٤﴾ ﴾ (الفاطر ٣٥/ ١٣-١٤)

"اور تم اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہو وہ تو کھجور کی ایک گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں۔ تم اگر ان کو پکارو تو وہ تمھاری پکار نہیں سنتے اور اگر بفرض محال سن بھی لیں تو تمھیں کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ اور قیامت کے دن وہ تمھارے شرک کا انکار کریں گے۔ اور اللہ خبیر کی طرح تمھیں کوئی خبر نہیں دے سکتا۔" [1]

ہیں کیونکہ وہ تو خود اللہ تعالیٰ کے پروردہ اور اس کی مخلوق ہیں۔ وہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ وہ تو خود پیدا کیے گئے ہیں اور نہ ان کی مدد کر سکتے ہیں جو ان سے درخواست کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں بے شمار دلائل سے ثابت ہے کہ عبادت کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بھی عبادت کا حق دار نہیں۔ انھی دلائل کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ مشرکین بھی اللہ تعالیٰ کے لیے توحید ربوبیت کا اقرار کرتے تھے۔ ان تمام دلائل سے واضح ہوتا ہے کہ تم جس ذات کی ربوبیت کا اقرار کرتے ہو عبادت کا بھی وہی مستحق ہے۔ قرآن کریم کے دلائل میں یہ بھی بیان ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے رسولوں اور اولیاء کی دشمنوں کے مقابلہ میں مدد کی تھی۔ بعض دلائل میں مخلوق کی کمزوری بھی بیان ہوئی ہے۔ اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ زندہ ہونے میں بھی مخلوق کا کوئی اختیار نہیں۔ بلکہ اللہ عزوجل ہی عدم سے وجود بخشتا ہے اور اسی کے حکم سے انسان بغیر کسی اختیار کے وجود کے بعد عدم میں جا پہنچتا ہے۔

لہٰذا مخلوق مجبور و مقہور ہے۔ اسے ایک حالت سے دوسری حالت میں لانے اور لے جانے والا اللہ ہی ہے نہ کہ معبودان باطلہ۔ وہی زندگی اور موت سے دو چار کرتا ہے۔ ہر شخص فطری طور پر ان امور کا معترف ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قادر ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ اسماء حسنیٰ اور صفات عالیہ کا مالک ہے۔ اس کی ذات کامل' اور عظیم صفات سے متصف ہے۔ ہر قسم کا کمال اسی کو حاصل ہے۔ اس کے کسی نام یا صفت میں کوئی نقص یا کمی نہیں۔

[1] اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن ملائکہ' انبیاء' رسل اور فوت شدہ صالحین یا جنات کو پکارتے ہیں' ان میں سے کوئی بھی کھجور کی گٹھلی کے چھلکے تک کا بھی مالک نہیں تو یہ لوگ انھیں کیوں پکارتے اور ان سے حاجات کیوں طلب کرتے ہیں؟ انھیں چاہئے کہ اپنے تمام امور میں صرف اسی کو پکاریں جو ان تمام امور کا مالک اور تصرف کرنے والا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«شُجَّ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ أُحُدٍ وَكُسِرَتْ رَبَاعِيَتُهُ، فَقَالَ: كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ شَجُّوا نَبِيَّهُمْ؟ فَنَزَلَتْ: ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ (صحيح مسلم، الجهاد، باب غزوة أحد، ح: ١٧٩١ ومسند أحمد: ٣/ ٩٩، ١٧٨)

''نبی ﷺ غزوۂ احد میں زخمی ہو گئے اور آپ کے اگلے چار دانت شہید کر دیے گئے جس پر آپ نے فرمایا: ''وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے جس نے اپنے نبی کو زخمی کر دیا ہے۔'' تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ (اے نبی ﷺ!) ''اس معاملے میں آپ کو کچھ بھی اختیار نہیں۔''

اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ نے نماز فجر کی آخری رکعت میں رکوع سے سر اٹھایا تو ''سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ'' کے بعد فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَّفُلَانًا»(صحيح البخاري، التفسير، باب قوله تعالٰى ﴿ليس لك من الأمر شيء﴾ ٤٠٦٩، ٤٥٥٩ ومسند أحمد: ٢/ ١٤٧)

''یا اللہ! فلاں اور فلاں پر لعنت فرما''۔

تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ (آل عمران ٣/ ١٢٨)

(اے نبی ﷺ!) ''اس معاملے میں آپ کو کچھ بھی اختیار نہیں۔''

اور ایک روایت میں ہے:

«يَدْعُو عَلٰى صَفْوَانَ بْنِ أُمَيَّةَ وَسُهَيْلِ بْنِ عَمْرٍو وَالْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ، فَنَزَلَتْ: ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ (صحيح البخاري، المغازي، باب ليس لك من الأمر ...، ح: ٤٠٧٠)

''آپ صفوان بن امیہ' سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام کے لیے بد دعا کر رہے تھے' تب یہ آیت نازل ہوئی کہ اے پیغمبر! اس معاملے میں آپ کو کچھ بھی اختیار

نہیں۔""[1]

صحیح بخاری ہی میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی۔

«﴿ وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ ٱلْأَقْرَبِينَ ﴿٢١٤﴾ ﴾» (الشعراء٢٦/ ٢١٤)

"اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے۔" تو آپ نے کھڑے ہو کر فرمایا:

«يَامَعْشَرَ قُرَيْشٍ! أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا، اِشْتَرُوا أَنْفُسَكُمْ، لاَ أُغْنِي عَنْكُمْ مِّنَ اللهِ شَيْئًا، يَا عَبَّاسُ بْنَ عَبْدِالْمُطَّلِبِ لاَ أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللهِ شَيْئًا، يَا صَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُولِ اللهِ لاَ أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللهِ شَيْئًا، وَيَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ، سَلِينِي مِنْ مَّالِي مَا شِئْتِ، لاَ أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللهِ شَيْئًا»(صحيح البخاري، الوصايا، باب هل يدخل النساء والولد في الأرقاب، ح:٢٧٥٣ ومسند أحمد:٢/ ٣٦٠)

"اے جماعت قریش! یا اس طرح کا کوئی لفظ فرمایا' جنت کے عوض اپنی جانوں کا سودا کرلو۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں میں تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا۔ اے عباس بن عبدالمطلب! اللہ تعالیٰ کے ہاں میں تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا۔ اے میری پھوپھی صفیہ! اللہ تعالیٰ کے ہاں میں تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا۔ اے میری بیٹی فاطمہ! میرے مال میں سے جو چاہو مانگ لو مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں میں تمہارے کسی کام نہ

---

[1] ان احادیث سے واضح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی بادشاہت میں سے کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے تھے اور آپ نے اس بات کی تبلیغ کی اور صاف صاف بیان بھی کر دیا تو پھر آپ کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے جسے یہ اختیار حاصل ہو؟ چنانچہ ملائکہ' انبیاء اور اولیاء و صالحین سے تو بالاولیٰ اس بات کی نفی ہو گئی۔ لہٰذا غیر اللہ کی طرف رجوع کرنے کی تمام تر صورتیں باطل ہیں اور یہ ضروری ہے کہ عبادت اور عبادت کی تمام انواع یعنی دعا' استغاثہ (فریاد)' استعاذہ (پناہ مانگنا)' ذبح اور نذر کا سزاوار صرف اور صرف ایک اللہ کو ٹھہرایا جائے' اس کے علاوہ کسی کو نہیں۔

آسکوں گا۔"①

مسائل

① اس باب میں سورۃ الاعراف اور سورۂ فاطر کی مذکورہ آیات کی تفسیر ہے جن میں بے اختیار کو پکارنے سے منع کیا گیا ہے۔

② غزوۂ احد کا (مختصر سا) تذکرہ ہے۔

③ اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ سید المرسلین ﷺ نماز میں قنوت نازلہ پڑھتے اور آپ کے پیچھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آمین کہا کرتے تھے۔

④ جن پر بد دعا کی جارہی تھی وہ بلاشبہ کافر تھے۔

⑤ ان کفار نے نبی ﷺ کے ساتھ ایسی بدسلوکی کی تھی اور آپ کو ایسی ایذائیں دی تھیں کہ دیگر کفار نے ایسا نہ کیا تھا۔ مثلاً نبی ﷺ کو زخمی کرنا' آپ کے قتل کے درپے ہونا اور مسلمان شہداء کا مثلہ کرنا' حالانکہ وہ (شہداء) ان کفار کے عم زاد اور رشتہ دار بھی تھے۔ انہوں نے اس رشتے کا بھی لحاظ نہ کیا۔

⑥ اس کے باوجود ان کفار کی اس بدسلوکی اور نبی ﷺ کی ان کے خلاف بد دعاء کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ" کہ اے پیغمبر ﷺ! "اس معاملے میں آپ کو کچھ بھی اختیار نہیں۔"

⑦ بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا: "اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ" کہ "اللہ تعالیٰ کی

---

① یہ حدیث اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے قریبی رشتہ داروں کو بھی کچھ نفع نہیں دے سکتے تھے۔ ہاں اللہ کا پیغام انہیں ضرور پہنچایا اور اللہ کی طرف سے سونپی گئی عظیم امانت (رسالت و نبوت) کا حق ادا کیا۔

رہی بات اللہ کے عذاب' سزا اور عقوبت سے بچانے کی! تو یاد رہے! اللہ عزوجل نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو اپنی بادشاہت میں کچھ اختیار نہیں دیا۔ وہ سلطنت و قدرت میں تنہا اور کمال' جمال اور جلال میں یکتا ہے۔

مرضی ہے وہ انھیں معاف کر دے یا عذاب دے۔" چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انھیں معاف کردیا اور وہ ایمان لے آئے۔

(۸) نزول حوادث کے موقع پر قنوت نازلہ پڑھنے کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

(۹) نماز میں جن لوگوں پر بد دعا کی جائے ان کا اور ان کے آباء و اجداد کا نام بھی لیا جا سکتا ہے۔

(۱۰) قنوت نازلہ میں کسی مخصوص آدمی کا نام لے کر اس پر لعنت کرنا جائز ہے۔

(۱۱) "وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ" کے نزول کے موقع پر آپ کا اپنے قریبی رشتہ داروں کو بلا کر ایک ایک کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے اور اپنی اپنی نجات کی فکر کرنے کا بھی اس باب میں بیان ہے۔

(۱۲) جب نبی ﷺ نے توحید کی دعوت دی تو نبی ﷺ کو "مجنون" کہا گیا۔ اسی طرح آج بھی اگر کوئی توحید کی دعوت دے تو اسے بھی اسی قسم کی باتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

(۱۳) نبی ﷺ نے اپنے قریبی اور دور کے رشتہ داروں سے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں میں تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا۔ حتیٰ کہ نبی ﷺ نے یہی بات اپنی لخت جگر سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے بھی بالصراحت فرما دی۔ نبی ﷺ سید المرسلین ہونے کے باوجود اپنی لخت جگر اور سیدہ نساء العالمین سے فرما رہے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا۔

اور ہمارا یہ بھی ایمان ہے کہ نبی ﷺ کی زبان مبارک سے سوائے حق کے کچھ نہیں نکلتا۔ ان صراحتوں کی روشنی میں آج کل کے حالات پر غور کیا جائے کہ اس غلط فہمی (کہ اللہ کے ہاں انبیاء اور صالحین کچھ کام آسکتے ہیں) میں عوام ہی نہیں بلکہ خواص بھی مبتلا ہیں، تو توحید کی حقیقت منکشف ہو جاتی ہے اور یہ بھی عیاں ہو جاتا ہے کہ آج کل لوگ دین سے کس قدر دور ہیں۔

باب : ۱۵

فرشتوں پر اللہ تعالیٰ کی وحی کا خوف

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَا تَنفَعُ ٱلشَّفَٰعَةُ عِندَهُۥٓ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُۥ ۚ حَتَّىٰٓ إِذَا فُزِّعَ عَن قُلُوبِهِمْ قَالُوا۟ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ۖ قَالُوا۟ ٱلْحَقَّ ۖ وَهُوَ ٱلْعَلِىُّ ٱلْكَبِيرُ ﴿٢٣﴾ ﴾ (سبأ ۳۴/ ۲۳)

"جب ان فرشتوں کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوتی ہے تو وہ ایک دوسرے سے کہتے ہیں: تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ (اللہ کے مقرب فرشتے) کہتے ہیں کہ اس نے حق فرمایا ہے اور وہ عالی مقام اور بزرگ و برتر ہے۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا قَضَى اللهُ الأَمْرَ فِي السَّمَاءِ، ضَرَبَتِ الْمَلَائِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا خُضْعَانًا لِقَوْلِهِ، كَأَنَّهُ سِلْسِلَةٌ عَلٰى صَفْوَانٍ، يَنْفُذُهُمْ ذٰلِكَ، ﴿ حَتَّىٰٓ إِذَا فُزِّعَ عَن قُلُوبِهِمْ قَالُوا۟ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ۖ قَالُوا۟ ٱلْحَقَّ ۖ وَهُوَ ٱلْعَلِىُّ ٱلْكَبِيرُ ﴿٢٣﴾ ﴾ فَيَسْمَعُهَا مُسْتَرِقُ السَّمْعِ، وَمُسْتَرِقُو السَّمْعِ هٰكَذَا بَعْضُهُ فَوْقَ بَعْضٍ، وَصَفَهُ سُفْيَانُ بِكَفِّهِ، فَحَرَّفَهَا وَبَدَّدَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ، فَيَسْمَعُ الْكَلِمَةَ فَيُلْقِيهَا إِلٰى مَنْ تَحْتَهُ، ثُمَّ يُلْقِيهَا الآخَرُ إِلٰى مَنْ تَحْتَهُ، حَتَّى يُلْقِيَهَا عَلٰى لِسَانِ السَّاحِرِ أَوِ الْكَاهِنِ، فَرُبَّمَا أَدْرَكَهُ الشِّهَابُ قَبْلَ أَنْ يُلْقِيَهَا، وَرُبَّمَا أَلْقَاهَا قَبْلَ أَنْ يُدْرِكَهُ، فَيَكْذِبُ مَعَهَا مِائَةَ كَذْبَةٍ، فَيُقَالُ: أَلَيْسَ قَدْ قَالَ لَنَا يَوْمَ كَذَا وَكَذَا، كَذَا وَكَذَا؟ فَيُصَدَّقُ بِتِلْكَ الْكَلِمَةِ الَّتِي سُمِعَتْ مِنَ السَّمَاءِ»(صحيح البخاری، التفسير، باب قوله تعالٰى حتى إذا فزع عن قلوبهم،

ح: ٤٨٠٠)

"جب اللہ تعالیٰ آسمان پر کوئی فیصلہ صادر فرماتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس کی حکم برداری میں یوں اپنے پر مارتے ہیں گویا صاف پتھر پر نرم زنجیر ٹکرانے کی جھنکار ہو۔ اور وہ فرمان ان فرشتوں تک پہنچ جاتا ہے حتیٰ کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوتی ہے تو وہ ایک دوسرے سے کہتے ہیں: تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ تو (اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے) کہتے ہیں کہ اس نے جو کہا وہ برحق ہے۔ اور وہ عالی مقام اور بزرگ و برتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس بات کو شیاطین چوری چھپے سننے کی کوشش کرتے ہیں۔ حدیث کے راوی سفیان نے اپنے ہاتھ کو ذرا ٹیڑھا اور انگلیوں کو ایک دوسری سے جدا جدا کر کے اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ وہ شیاطین ایک دوسرے کے اوپر یوں سوار ہو جاتے ہیں۔ سب سے اوپر والا شیطان جب کوئی بات سن لیتا ہے تو وہ اپنے سے نیچے والے کو بتا دیتا ہے اور وہ آگے اپنے سے نیچے والے کو۔ یہاں تک کہ آخری (سب سے نیچے والا) شیطان وہ بات ساحر یا کاہن کو بتا دیتا ہے۔ کبھی تو کاہن تک وہ بات پہنچنے سے قبل ہی شعلہ (شہاب ثاقب) اس شیطان کو جلا دیتا ہے اور کبھی شعلے کے آنے تک شیطان اسے بات بتا چکا ہوتا ہے اور کاہن شیطان کی طرف سے سنی ہوئی بات کے ساتھ سو جھوٹ ملا دیتا ہے۔ اگر کوئی بات اس کی بتائی ہوئی بات کے مطابق ہو جائے تو لوگ کہتے ہیں کہ کیا فلاں روز فلاں ساحر یا کاہن نے ایسے ہی نہیں کہا تھا؟ چنانچہ اس کی صرف اس ایک بات کے سچے ہونے سے اس کاہن یا ساحر کو سچا سمجھ لیا جاتا ہے جو اس نے آسمان سے سنی ہوتی ہے۔"[1]

---

[1] فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی خوب معرفت ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جبار، جلیل اور کائنات کا مالک ہے۔ اسی لیے وہ اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرتے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے ایک لحظہ کے لیے بھی مستغنی نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کی متعدد تقسیمات ہیں۔ ایک تقسیم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات جلالی ہیں اور بعض جمالی۔ جلالی صفات وہ ہیں جن کی بنا پر دلوں میں اللہ تعالیٰ کا ڈر، خوف اور رعب پیدا ہوتا ہے۔ ایسی صفات بنیادی طور پر صرف اللہ تعالیٰ کی ہیں کیونکہ وہ اپنی صفات کے لحاظ سے کامل اور

نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا أَرَادَ اللهُ تَعَالٰى أَنْ يُّوحِيَ بِالْأَمْرِ تَكَلَّمَ بِالْوَحْيِ أَخَذَتِ السَّمٰوَاتِ مِنْهُ رَجْفَةٌ، أَوْ قَالَ: رَعْدَةٌ شَدِيْدَةٌ، خَوْفًا مِّنَ اللهِ عَزَّوَجَلَّ، فَإِذَا سَمِعَ ذٰلِكَ أَهْلُ السَّمٰوَاتِ صَعِقُوا وَخَرُّوا لِلّٰهِ سُجَّدًا، فَيَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يَرْفَعُ رَأْسَهُ جِبْرِيلُ فَيُكَلِّمُهُ اللهُ مِنْ وَّحْيِهِ بِمَا أَرَادَ، ثُمَّ يَمُرُّ جِبْرِيلُ عَلَى الْمَلَائِكَةِ، كُلَّمَا مَرَّ بِسَمَاءٍ سَأَلَهُ مَلَائِكَتُهَا مَاذَا قَالَ رَبُّنَا يَا جِبْرِيلُ؟ فَيَقُولُ جِبْرِيلُ: قَالَ الْحَقَّ، وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ، فَيَقُولُونَ كُلُّهُمْ مِثْلَ مَا قَالَ جِبْرِيلُ، فَيَنْتَهِي جِبْرِيلُ بِالْوَحْيِ إِلٰى حَيْثُ أَمَرَهُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ» (أخرجه ابن كثير في التفسير: ٦/ ٥٠٤ وابن خزيمة في كتاب التوحيد، ح: ٢٠٦)

"اللہ تعالیٰ جب کسی بات کی وحی کا ارادہ فرماتا ہے اور اس وحی کا تکلم فرماتا ہے تو اس کے خوف سے تمام آسمانوں پر دہشت اور کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔ جب آسمان والے اس آواز کو سنتے ہیں تو بے ہوش ہو کر سجدے میں گر پڑتے ہیں۔ سب سے پہلے جبریل (علیہ السلام) سر اٹھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی وحی میں سے جو چاہتا ہے ان سے کلام فرماتا ہے۔ پھر جبریل (علیہ السلام) ملائکہ کے پاس سے گزرتے ہیں۔ جب بھی کسی آسمان سے ان کا گزر ہوتا ہے تو اس آسمان کے فرشتے ان سے پوچھتے ہیں: اے جبریل (علیہ السلام)! ہمارے رب

⟸ مکمل ہے۔ چونکہ وہ اپنی صفات میں ہر لحاظ سے کامل ہے، اس لیے وہی عبادت کا مستحق ہے۔ اس کے برعکس انسان جو کہ اس کی مخلوق ہیں، اپنی صفات کے لحاظ سے ناقص اور کم تر ہیں۔ یہ اگرچہ زندہ ہیں تاہم ان کی حیات کامل نہیں کیونکہ اس حیات کو موت کا عارضہ لاحق ہو تو انسان میت (مردہ) ہو جاتا ہے اور اگر مرض کا عارضہ لاحق ہو تو مریض ہو جاتا ہے۔ یہ ہر لحاظ سے کمزور، فقیر اور محتاج ہیں۔ ان کی صفات میں کمال نہیں اور یہ ان کے ناقص، عاجز، اللہ کے سامنے مجبور و بے کس ہونے اور اس کے پروردہ ہونے کی دلیل ہے۔ اس لیے لوگوں پر واجب ہے کہ وہ عبادت کا حق دار بھی اسی ذات کو ٹھہرائیں جو کمال کی صفات اور جمال و جلال کے اوصاف سے متصف ہے اور وہ اللہ وحدہ ہی کی ذات ہے۔

نے کیا فرمایا ہے؟ تو جبریل (علیہ السلام) کہتے ہیں: اس نے حق فرمایا۔ وہ عالی مقام اور بزرگ و برتر ہے۔ پھر تمام فرشتے یہی بات دہراتے ہیں۔ پھر جبریل (علیہ السلام) اس وحی کو جہاں اللہ عزوجل کا حکم ہوتا ہے' وہاں پہنچا دیتے ہیں۔"

مسائل

① اس تفصیل سے سورۂ سباء کی آیت نمبر ۲۳ کی تفسیر ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ کی وحی کے وقت فرشتوں کی کیفیت بیان ہوئی ہے۔

② ابطال شرک کی دلیل ہے' بالخصوص ایسے شرک کی جس کا تعلق صالحین امت سے ہے۔ اور اس آیت کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ آیت' دلوں میں سے شجرۂ شرک کی جڑوں کو کاٹ پھینکتی ہے۔

③ اللہ تعالیٰ کے فرمان "قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ" کی تفسیر بھی ہوئی۔

④ فرشتوں کے سوال کی وجہ اور سبب بھی مذکور ہے۔

⑤ فرشتوں کے سوال پر جبریل علیہ السلام انہیں جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے۔"

⑥ جب سب فرشتے بے ہوش ہو جاتے ہیں تو سب سے پہلے جبریل علیہ السلام سر اٹھاتے ہیں۔

⑦ چونکہ ہر آسمان کے فرشتے جبریل علیہ السلام سے سوال کرتے ہیں' اس لیے وہ سب کو جواب دیتے ہیں۔

⑧ بے ہوشی اور غشی تمام آسمانوں کے فرشتوں پر طاری ہوتی ہے۔

⑨ اللہ تعالیٰ کے کلام سے آسمان لرز جاتے ہیں۔

⑩ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبریل علیہ السلام ہی اللہ تعالیٰ کی وحی کو منزل مقصود پر پہنچاتے ہیں۔

⑪ شیاطین چوری چھپے اللہ تعالیٰ کے کلام کو سننے کی کوشش کرتے ہیں۔

⑫ اور اس مقصد کے لیے وہ ایک دوسرے پر سوار ہو جاتے ہیں۔

(۱۳) ان شیاطین پر ایک شہاب (شعلہ) چھوڑا جاتا ہے۔

(۱۴) بعض اوقات کاہن تک بات پہنچنے سے قبل ہی شہاب (شعلہ) اس شیطان کو جلا کر خاکستر کر دیتا ہے اور کبھی شہاب کے آنے سے پہلے ہی یہ شیطان اپنے انسانی دوست (کاہن، نجومی) کو بات بتا چکا ہوتا ہے۔

(۱۵) بعض اوقات کاہن کی بتائی ہوئی ایک آدھ بات صحیح ثابت ہو جاتی ہے۔

(۱۶) اور کاہن اس ایک صحیح بات کے ساتھ سو جھوٹ ملا دیتا ہے۔

(۱۷) لوگ کاہن کی جھوٹی باتوں کو محض اس لیے درست مان لیتے ہیں کہ اس کی ایک بات تو صحیح تھی حالانکہ وہ بات آسمان سے سنی گئی ہوتی ہے۔

(۱۸) نفوس انسانی باطل کو بہت جلد قبول کر لیتے ہیں۔ دیکھئے! وہ کاہن کی صرف اس ایک بات کو مد نظر رکھتے ہیں اور اس کی ایک سو غلط باتوں کی طرف نہیں دیکھتے۔

(۱۹) شیاطین اس ایک بات کو ایک دوسرے سے حاصل کر کے یاد کر لیتے ہیں اور اس سے باقی جھوٹوں کے صحیح ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔

(۲۰) اللہ تعالیٰ کی صفات کا بھی اثبات ہوتا ہے۔ جبکہ اشاعرہ معطلہ ان صفات کے منکر ہیں۔

(۲۱) آسمانوں پر طاری ہونے والی دہشت اور کپکپی اللہ تعالیٰ کے خوف سے ہوتی ہے۔

(۲۲) فرشتے اللہ تعالیٰ (کی عظمت کے تصور سے اس) کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

باب : ۱۶

شفاعت کا بیان ①

① سابقہ دو ابواب کے بعد اس مسئلہ کی ازحد ضرورت تھی۔ کیونکہ جو لوگ نبی ﷺ سے فریادیں کرتے یا دیگر اولیاء و انبیاء کے آگے ہاتھ پھیلاتے اور ان سے مدد طلب کرتے ہیں جب ان کے سامنے توحید ربوبیت کے دلائل ذکر کیے جائیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم بھی ان تمام باتوں کو مانتے اور ان پر اعتقاد رکھتے ہیں' البتہ یہ تمام بزرگ اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا مرتبہ عظیم اور بلند ہے اور جو شخص ان بزرگوں کی طرف رجوع کرے تو یہ بزرگ اس کے حق میں سفارش کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی سفارش کو قبول فرمائے گا۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے مشرکین کی حالت اور ان کے دلائل باطلہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے فرمایا کہ جب انہیں دلائل پیش کیے جائیں تو سوائے مسئلہ شفاعت کے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں رہتی۔ اسی لیے اس مسئلہ کی وضاحت کے پیش نظر مستقل باب قائم کیا ہے۔

شفاعت' سفارش اور دعا کو کہتے ہیں' کوئی شخص جب یوں کہے کہ میں نبی ﷺ کی شفاعت کا طلب گار ہوں تو اس کی بات کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے حق میں رسول اکرم ﷺ کی سفارش اور دعا چاہتا ہے۔ گویا سفارش اور دعا کی درخواست کو شفاعت کہتے ہیں۔

سابقہ دلائل اور ان کے علاوہ قرآن و سنت کے دیگر دلائل جن سے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی بھی غیر کو پکارنے کا ابطال ہوتا ہے' ان تمام دلائل سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ فوت ہو چکے اور اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں ان سے شفاعت کی درخواست کرنا بھی باطل ہے۔ پس فوت شدہ سے شفاعت چاہنا بہت بڑا شرک ہے' البتہ زندہ آدمیوں سے شفاعت یعنی دعا کرانا جائز ہے کیونکہ وہ اس دنیا میں زندہ موجود ہیں اور ہماری درخواست کو پورا کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زندہ لوگوں سے دعا کرانے کی اجازت دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ کی زندگی میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کی خدمت میں تشریف لا کر دعا کی درخواست کیا کرتے تھے۔ یاد رہے کہ ہر شفاعت کا قبول ہونا ضروری نہیں۔ کوئی شفاعت مقبول اور کوئی مردود (نامقبول) بھی ہوتی ہے۔ مقبول ہونے کی چند شرائط ہیں اور مردود ہونے کی بھی کچھ وجوہات ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَأَنذِرْ بِهِ ٱلَّذِينَ يَخَافُونَ أَن يُحْشَرُوٓا۟ إِلَىٰ رَبِّهِمْ ۙ لَيْسَ لَهُم مِّن دُونِهِۦ وَلِىٌّ وَلَا شَفِيعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿٥١﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ٥١)

"اور (اے محمد ﷺ!) آپ اس قرآن کے ذریعہ ان لوگوں کو نصیحت کریں جو اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اپنے رب کے سامنے اس حال میں پیش کیے جائیں کہ ان کا اللہ کے سوا کوئی مددگار یا سفارشی نہ ہو تاکہ یہ لوگ اللہ سے ڈر جائیں۔" (١)

نیز فرمایا:

﴿ قُل لِّلَّهِ ٱلشَّفَـٰعَةُ جَمِيعًا ۖ ﴾ (الزمر٣٩/ ٤٤)

"(اے محمد ﷺ!) کہہ دیجیے کہ ہر قسم کی شفاعت اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔" (٢)

﴿ مَن ذَا ٱلَّذِى يَشْفَعُ عِندَهُۥٓ إِلَّا بِإِذْنِهِۦ ۚ ﴾ (البقرہ٢/ ٢٥٥)

"کون ہے جو اللہ کے حضور اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے۔"

الغرض قرآن و سنت سے شفاعت کی دو قسمیں ثابت ہیں۔ شفاعت منفیہ (غیر مقبولہ) اور شفاعت مثبتہ (مقبولہ)۔

منفی شفاعت (غیر مقبول) وہ ہے جس کی اللہ عزوجل نے مشرکین کے حق میں نفی کی ہے، جیسا کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے اس کی سب سے پہلی دلیل، سورۂ انعام کی آیت (۵۱) پیش کی ہے۔

(١) یہ وہ شفاعت ہے جس کی اہل توحید کے سوا تمام کے حق میں نفی کی گئی ہے۔

اہل توحید کے حق میں شفاعت قبول ہونے کی چند شرائط ہیں:

(الف) شفاعت کرنے والے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفاعت کی اجازت۔

(ب) شفاعت کرنے والے اور جس کے حق میں سفارش کی جائے، دونوں کے لیے اللہ کی رضا اور خوشنودی۔ گویا اصل سفارشی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس کے سوا کوئی اور نہیں۔ اس لیے مصنف رحمہ اللہ نے اس کے بعد دوسری آیت "قُلْ لِلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا" بیان کی ہے۔

(٢) یعنی ہر قسم کی شفاعت (سفارش) اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ درحقیقت اہل ایمان اور غیر اہل ایمان، سب کا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مددگار یا سفارشی نہیں، بلکہ شفاعت اللہ عزوجل کی اجازت اور رضامندی ہی سے ہوگی۔ اور چونکہ کوئی شفاعت مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ ہی مفید ہو سکتی ہے اس لیے مصنف رحمہ اللہ نے اس کے بعد دو مزید آیات بیان کی ہیں:

نیز ارشاد ہے:

﴿ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَرْضٰى ﴾ (النجم ۵۳/ ۲۶)

''اور آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں جن کی سفارش کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتی مگر بعد اسکے کہ اللہ جس کے حق میں شفاعت کی اجازت دے اور پسند کرے۔''[1]

---

[1] پہلی آیت ''مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ'' میں اجازت کی قید اور شرط ہے یعنی ملائکہ' انبیاء اور اللہ کا قرب پانے والوں میں سے کوئی بھی اس کی اجازت کے بغیر شفاعت نہ کر سکے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی شفاعت کا مالک ہے اور وہی اس کی توفیق بخشنے والا ہے۔ اسی طرح دوسری آیت ''اِلَّا مِنْ بَعْدِ اَنْ یَّاْذَنَ اللّٰہُ لِمَنْ یَّشَاءُ وَیَرْضٰی'' میں بھی یہی ارشاد ہے کہ وہ شفاعت کرنے والوں میں سے جسے چاہے گا اجازت بخشے گا اور شفاعت کرنے والے کے قول سے اور جس کی شفاعت کی جائے گی اس سے راضی ہونے کے بعد شفاعت کی اجازت ہوگی۔

شفاعت کی مذکورہ بالا شروط سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ مخلوق کے ساتھ حصول شفاعت کی غرض سے تعلق قائم کرنا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ اللہ کے ہاں اسے اس قدر مقام و مرتبہ حاصل ہے کہ یہ از خود شفاعت کا اختیار رکھتا ہے' قطعاً درست نہیں۔ یہی اعتقاد مشرکین کا اپنے معبودان باطلہ کے بارے میں ہوتا ہے کہ وہ لازماً ان کی شفاعت کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت کو رد بھی نہیں کرے گا۔

زیر نظر آیات میں مشرکین کے اسی دعویٰ کا ابطال اور نفی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت اور جس کی شفاعت مقصود ہے اس کے متعلق اللہ کی رضامندی کے بغیر بھی کوئی شفاعت کر سکتا ہے۔ جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا شفاعت کا مالک نہیں اور جو کوئی بھی کسی کی شفاعت کرے گا تو اللہ کے اذن اور اجازت ہی سے کر سکے گا تو پھر مخلوق کے ساتھ اس کی شفاعت کے حصول کے لیے لگاؤ رکھنا کیسے درست ہوا؟ تعلق و لگاؤ تو محض اسی کے ساتھ ہونا چاہئے جو شفاعت کا حقیقی مالک ہے۔

قیامت کے دن نبی کریم ﷺ یقیناً شفاعت کریں گے لیکن ہم اس شفاعت کے حصول کی درخواست کس سے کریں؟ صرف اللہ وحدہ سے اور یوں دعا کریں کہ یا اللہ! ہمیں اپنے نبی ﷺ کی شفاعت نصیب فرما کیونکہ اللہ رب العزت ہی نبی کریم ﷺ کو توفیق بخشے گا اور آپ کے دل میں الہام کرے گا کہ فلاں فلاں کے حق میں شفاعت کریں اور یہ شفاعت انھی لوگوں کے حق میں ہوگی جنھوں نے اللہ تعالیٰ سے' نبی کریم ﷺ کی شفاعت کے حصول کی دعا کی ہوگی۔

﴿ قُلِ ٱدْعُوا۟ ٱلَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ ۖ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَلَا فِى ٱلْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِن شِرْكٍ وَمَا لَهُۥ مِنْهُم مِّن ظَهِيرٍ ﴿٢٢﴾ وَلَا تَنفَعُ ٱلشَّفَٰعَةُ عِندَهُۥٓ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُۥ ﴾ (سبأ ۳۴/ ۲۲-۲۳)

''(اے محمد ﷺ!) ان مشرکین سے کہہ دیجئے کہ اللہ کے سوا تم جن کو معبود سمجھتے ہو' انہیں پکار کر دیکھو' وہ تو آسمان و زمین میں ایک ذرہ کے بھی مالک نہیں۔ زمین و آسمان کی ملکیت یا تخلیق میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔ اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔ اور اللہ کے حضور کسی کے لیے کوئی سفارش مفید نہیں ہوگی مگر اس کے لیے جس کے حق میں سفارش کی وہ اجازت بخش دے۔''[1]

اسی لیے مصنف رحمہ اللہ نے اس کے بعد سورۂ سبا کی یہ آیت بیان کی ہے:

﴿ قُلِ ٱدْعُوا۟ ٱلَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ ۖ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَلَا فِى ٱلْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِن شِرْكٍ وَمَا لَهُۥ مِنْهُم مِّن ظَهِيرٍ ﴿٢٢﴾ وَلَا تَنفَعُ ٱلشَّفَٰعَةُ عِندَهُۥٓ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ ﴾ (سبأ ۳۴/ ۲۲-۲۳)

[1] اس آیت میں تین احوال ذکر ہوئے ہیں:

(الف) اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے علاوہ جن بزرگوں کو صاحب اختیار سمجھتے ہیں ان کو پکار کر تو دیکھیں 'کیا وہ زمین و آسمان میں کسی بھی چیز کے بذات خود مالک ہیں؟ یعنی وہ تو بے بس' بے اختیار اور بے کس ہیں اور کسی بھی چیز کے مالک و مختار نہیں۔

(ب) اللہ نے واضح فرمایا کہ یہ بزرگ اس کائنات میں' تدبیر امور میں' زمین و آسمان کی ملکیت میں یا کسی بھی امر میں اللہ کے شریک یا ساجھی نہیں ہیں اور ان میں سے کوئی بھی اللہ کا وزیر' مشیر یا مددگار نہیں۔

(ج) ان لوگوں کا عقیدہ تھا اور وہ اس زعم کا شکار تھے کہ ان کے معبودان باطلہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش کے مالک ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عقیدہ کا بھی ابطال کیا اور فرمایا:

﴿ وَلَا تَنفَعُ ٱلشَّفَٰعَةُ عِندَهُۥٓ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُۥ ﴾ (سبأ ۳۴/ ۲۳)

''اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش اسی کے حق میں مفید ہوگی جس کے حق میں سفارش کرنے کی وہ خود اجازت دے گا۔''

جب یہ بات حتمی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ 'کسے سفارش کرنے کی اجازت دے گا؟ اور کس کے لیے پسند کرے گا کہ وہ سفارش کرے؟ اور کس کے حق میں راضی ہوگا کہ اس کی سفارش کی جائے؟ ان تینوں سوالوں کا جواب شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے کلام میں موجود ہے۔

شیخ الاسلام ابو العباس ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
اللہ تعالیٰ نے اپنے علاوہ تمام مخلوق سے ان باتوں کی نفی کر دی جن سے مشرکین استدلال کیا کرتے تھے۔ مثلاً اس نے اس بات کی نفی کی ہے کہ کسی کو زمین و آسمان میں کسی قسم کی قدرت، کلی یا جزوی اختیارات ہوں، یا کوئی اللہ تعالیٰ کا معاون اور مددگار ہو، البتہ سفارش ہو سکتی ہے۔ مگر وہ بھی صرف اسی کے لیے مفید ہو گی جس کے حق میں سفارش کی اجازت خود اللہ تعالیٰ دے گا جیسا کہ اس نے فرمایا:

﴿ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ٱرْتَضَىٰ ﴾ (الأنبياء۲۱/ ۲۸)

"اور وہ کسی کے حق میں سفارش نہیں کر سکیں گے بجز اس کے جس سے اللہ راضی ہو۔"

پس وہ سفارش جس کے مشرکین قائل ہیں قیامت کے دن معدوم ہو گی جیسا کہ قرآن مجید نے اس کی نفی اور انکار کیا ہے اور رسول اکرم ﷺ نے اپنے بارے میں فرمایا ہے کہ: آپ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہو کر فوراً سفارش کی بجائے اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوں گے اور اس کی حمد و ثنا کریں گے۔ اس کے بعد آپ سے کہا جائے گا کہ اپنا سر اٹھائیں اور بات کریں، آپ کی بات سنی جائے گی، آپ سوال کریں، آپ جو مانگیں گے آپ کو دیا جائے گا: آپ سفارش کریں، آپ کی سفارش قبول کی جائے گی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ (ﷺ)! سب سے زیادہ خوش نصیب کون ہے جو آپ کی سفارش کا حق دار ہو گا؟ آپ نے فرمایا: "جس نے خلوص دل سے کلمۂ توحید "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه" کا اقرار کیا"۔ یعنی یہ سفارش اللہ تعالیٰ کی اجازت سے صرف خلوص دل سے کلمہ پڑھنے والوں کو حاصل ہو گی اور مشرکین کے حق میں سفارش کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

اس کا مفہوم یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ صرف مخلصین اہل توحید پر اپنا خصوصی فضل فرمائے گا اور جن کو سفارش کی اجازت دے گا ان کی دعا (سفارش) کے نتیجہ میں اہل توحید کی

مغفرت فرمائے گا اور اس طرح سفارش کرنے والے (رسول اللہ ﷺ) کا اکرام فرمائے گا اور آپ "مقام محمود" سے سرفراز ہوں گے۔ پس جس شفاعت کا قرآن نے انکار کیا ہے اس سے وہ شفاعت مراد ہے جس میں اللہ کے ساتھ شرک ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر اپنی اجازت سے شفاعت کا اثبات کیا ہے اور نبی کریم ﷺ نے صاف صاف فرمایا ہے کہ شفاعت صرف اہل توحید اور اہل اخلاص کے لیے ہو گی۔ [1]

---

[1] مشرکین کا اعتقاد تھا کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت اور رضامندی کے بغیر شفاعت کا حصول ممکن ہے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ شفاعت کرنے والا بالذات خود شفاعت کا مالک ہوتا ہے۔ قرآن نے اس بات کی نفی کی کہ جس شفاعت کے امیدوار اور طلب گار مشرکین ہیں وہ قیامت کے روز ہرگز حاصل نہیں ہوسکے گی جبکہ مذکورہ بالا شروط کے ساتھ شفاعت کا حصول ممکن ہو گا جیسا کہ کتاب و سنت میں اس کا اثبات ہے۔

نبی کریم ﷺ شفاعت کے لیے اللہ کے حضور حاضر ہوں گے تو فوراً شفاعت کرنے کے بجائے سجدہ ریز ہوں گے اور اللہ کی تحمید و تقدیس کریں گے' پھر اللہ عزوجل فرمائے گا: سر اٹھائیں اور بات کریں' آپ کی بات سنی جائے گی' سوال کریں' جواب عنایت کیا جائے گا' شفاعت کریں قبول ہو گی۔

یہ اللہ کی طرف سے اجازت کے کلمات ہوں گے۔ اجازت نبی کریم ﷺ کو بھی ملے گی اور دوسروں کو بھی۔ لیکن کوئی بھی ابتداء میں شفاعت نہیں کرے گا بلکہ پہلے اللہ سے شفاعت کی اجازت مانگیں گے تو اجازت ملے گی کیونکہ انہیں اللہ کی طرف سے شفاعت کا اختیار تو حاصل ہے لیکن شفاعت کا حقیقی مالک صرف اللہ رب العزت ہی ہے' چنانچہ اللہ کی رضامندی اور شفاعت کی اجازت ملنے کے بعد نبی کریم ﷺ جن کے حق میں شفاعت کریں گے وہ اہل توحید اور اہل اخلاص ہی ہوں گے۔ مشرکین کو یہ شفاعت نصیب نہ ہو گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ فوت شدگان' انبیاء و رسل اور صالحین کی طرف رجوع کرنے والا اور ان سے شفاعت کا خواستگار مشرک ہے کیونکہ وہ غیر اللہ سے دعا کرتا اور اسے پکارتا ہے جبکہ وہ بذات خود شفاعت کے مالک ہی نہیں۔ اللہ کی طرف سے اجازت اور رضامندی کے بعد انہیں شفاعت کا حق حاصل ہو گا۔

لہٰذا جس شخص نے کسی فوت شدہ سے شفاعت کی درخواست کی اس نے اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کر کے اپنے آپ کو شفاعت مصطفیٰ ﷺ سے محروم کر لیا۔

بالآخر اللہ عزوجل شفاعت کے واسطے سے اہل توحید کی مغفرت فرمائے گا اور یہ شافع (شفاعت کرنے والے) کی تعظیم و اکرام اور اس پر اللہ کی خصوصی رحمت کے اظہار کے لیے ہو گا۔ درحقیقت یہ اللہ کا فضل ہی ہو گا کہ خود شفاعت کی اجازت دے کر اسے قبول فرمائے گا۔ شافع (شفاعت کرنے والے) پر یہ فضل اس صورت میں ہو گا کہ اسے شفاعت کا حق دے کر اکرام و اعزاز سے نوازے گا اور مشفوع لہ ⟸

(جس کے حق میں شفاعت کی جائے گی) پر یہ فضل اس طرح سے ہو گا کہ اس پر رحم فرما کر اس کے حق میں شفاعت قبول فرمائے گا۔ اہل عقل و دانش کے لیے یہ دلائل' اللہ کی عظمت کا واضح ثبوت ہیں کہ وہ اپنی شہنشاہی میں یکتا ہے۔ شفاعت کا مکمل اختیار اسی کے پاس ہے اور سارے کے سارے نظام کا شاہ حقیقی بھی وہی ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ شفاعت کی امید میں بھی دل اسی کی طرف مائل ہوں۔

قرآن مجید نے اس شفاعت کی نفی کی ہے جس میں شرک ہو' جیسا کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿ لَيْسَ لَهُم مِّن دُونِهِۦ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ ﴾ (الأنعام٦/ ٥١)

"قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مددگار ہو گا نہ سفارشی۔"

اس آیت میں اس شفاعت کی نفی ہے جس میں شرک کی آمیزش ہو یعنی جس قسم کی شفاعت کا اعتقاد مشرکین رکھتے ہیں وہ قیامت کے روز بالکل معدوم ہو گی۔ اس طرح مشرکین کے حق میں شفاعت کی نفی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہی نہ ہو گا۔ جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ شفاعت کا حق دار وہی ٹھہرے گا جس پر اللہ عزوجل نے انعام کیا اور اسے توفیق بخشی کہ اس نے اللہ کی عظمت کو جانا پہچانا اور اپنا دلی لگاؤ اسی کے ساتھ رکھا' اس کے علاوہ کسی کی طرف اس کا قلبی میلان نہ ہوا تو پھر شرک اکبر کے مرتکب ہر شخص کے حق میں شفاعت کی نفی ہو گئی کیونکہ شفاعت' اہل اخلاص پر اللہ کا خصوصی فضل ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر اذن اور اجازت کی شرط کے ساتھ شفاعت کا اثبات کیا ہے۔

اذن کی دو قسمیں ہیں: (۱) اذن کونی (۲) اذن شرعی۔

اذن کونی کا مطلب یہ ہے کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ جسے شفاعت کی اجازت ہو وہ شفاعت کر سکے جب تک کہ اللہ کی طرف سے اسے اجازت نہ مل جائے۔ جب تک اللہ اسے شفاعت کرنے سے روک رکھے گا اس وقت تک وہ شفاعت کر سکے گا نہ اس کی زبان شفاعت کے لیے حرکت میں آسکے گی۔

اور اذن شرعی کا مطلب یہ ہے کہ شفاعت میں شرک نہ ہو اور جس کے حق میں شفاعت ہو گی وہ مشرک بھی نہ ہو۔

البتہ اس حکم عام سے نبی کریم ﷺ کے چچا ابو طالب مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان کے بارے میں نبی علیہ السلام شفاعت کریں گے اور یہ شفاعت جہنم سے رہائی کی نہیں بلکہ تخفیف عذاب کے لیے ہو گی اور یہ صرف نبی علیہ السلام کا خاصہ ہے۔ اللہ رب العزت ہی نے آپ کی طرف یہ وحی کی اور وہی آپ کو اجازت بخشے گا کہ آپ ان کے حق میں شفاعت کر سکیں۔

اس ساری تفصیل سے واضح ہوا کہ مبتدعین اور غیر اللہ سے تعلق رکھنے والوں کے دلوں میں جس شفاعت کا گمان اور خیال ہے وہ باطل ہے اور ان کا یہ قول "وَهٰؤُلَاءِ شُفَعَآءُ نَا عِنْدَ اللّٰهِ" (یہ ہستیاں' اللہ کے ہاں ہمارے حق میں شفاعت کریں گی) بھی باطل ہے کیونکہ شفاعت تو صرف اہل اخلاص کے حق میں نفع بخش ہو گی اور یہ لوگ تو ہمیشہ غیر اللہ سے شفاعت مانگتے اور غیر اللہ ہی سے سوال کرتے رہے' یہی ان کی شفاعت سے محروم ہو جانے کی علامت اور نشانی ہے۔

مسائل

① اس باب میں چند آیات قرآنیہ کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔
② غیر مقبول شفاعت کی بھی وضاحت ہوئی۔
③ اور مقبول شفاعت کا بیان بھی ہوا۔
④ شفاعت کبریٰ کا ذکر بھی ہے جس کی اجازت نبی ﷺ کو ملے گی۔ اسی کو مقام محمود بھی کہتے ہیں۔
⑤ نبی ﷺ کس طرح شفاعت کریں گے؟ نبی ﷺ جاتے ہی شفاعت نہیں کریں گے بلکہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوں گے۔ پھر اجازت ملنے پر شفاعت کریں گے۔
⑥ کون سا آدمی شفاعت کا سب سے زیادہ حقدار ہو گا؟ وہ جو خلوص دل سے کلمۂ توحید "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کا اقرار کرے۔
⑦ مشرکین کو یہ شفاعت حاصل نہ ہو سکے گی۔
⑧ شفاعت کی حقیقت بھی واضح ہوئی کہ دراصل یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک انداز ہے۔ جن کو شفاعت کرنے کی اجازت دی جائے گی یہ ان کے لیے اعزاز اور عزت افزائی کا باعث ہو گی۔ اور جن کے حق میں کی جائے گی یہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت اور مہربانی ثابت ہو گی۔

اس سارے باب کا خلاصہ یہ ہوا کہ اہل خرافات اور مشرکین کا غیر اللہ سے شفاعت کی امید رکھنا ان کے حق میں بہتر نہیں بلکہ نقصان دہ ہو گا کیونکہ وہ غیر اللہ سے شفاعت کی امید رکھ کر حقیقی شفاعت سے محروم ہو گئے اور ان کی یہ امید بھی ایسی تھی کہ اللہ نے شرعاً اس کی اجازت ہی نہیں دی کہ وہ شرکیہ شفاعت کے خواہشمند ہوں اور غیر اللہ کی طرف رجوع کریں اور ان کے دل غیر اللہ کی طرف مائل ہوں۔

باب : ۱۷

ہدایت دینا صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَآءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِٱلْمُهْتَدِينَ ﴿٥٦﴾ ﴾ (القصص۲۸/ ۵۶)

"(اے محمد ﷺ!) یقیناً آپ' جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے' لیکن اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔ اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔"[1]

---

[1] ہدایت کی دو قسمیں ہیں: (۱) ہدایت توفیق (۲) ہدایت دلالت

ہدایت توفیق: اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ اپنے کسی بندے کے دل میں ہدایت قبول کرنے کا جذبہ پیدا کر دے۔ انسانوں کے قلوب اللہ کے تصرف میں ہیں۔ وہ انہیں جدھر چاہے پھیرتا رہتا ہے۔ دلوں میں ہدایت قبول کرنے کا جذبہ بھی اللہ ہی پیدا کرتا ہے۔ یہ معاملہ اس کے علاوہ کسی کے اختیار میں نہیں حتیٰ کہ کوئی نبی بھی اپنی مرضی سے جسے چاہے مسلمان یا ہدایت یافتہ نہیں بنا سکتا۔ نبی ﷺ کے رشتہ داروں میں سب سے زیادہ آپ کا ساتھ دینے والے ابوطالب تھے لیکن اس کے باوجود آپ انھیں ہدایت کی توفیق نہ دے سکے۔

ہدایت دلالت: اس سے صراط مستقیم کی طرف لوگوں کی رہنمائی کرنا مراد ہے۔ جیسا کہ نبی ﷺ اور دیگر تمام انبیاء و رسل اور ہر داعیء حق لوگوں کی رہنمائی کرتا رہا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ إِنَّمَآ أَنتَ مُنذِرٌ ۖ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴿٧﴾ ﴾ (الدھر ۱۳/ ۷)

"آپ تو محض (ان لوگوں کو اللہ کی نافرمانی سے) ڈرانے والے ہیں۔ اور ہر قوم کا کوئی نہ کوئی ہادی ضرور ہوتا ہے۔"

نیز اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ سے فرمایا:

صحیح بخاری میں سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد مسیب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں۔ جب ابو طالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ وہاں عبداللہ بن ابی امیہ اور ابو جہل بھی بیٹھے تھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«يَا عَمِّ! قُلْ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ، كَلِمَةً أُحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَاللهِ»

"چچا جان! کلمہ "لَاۤ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه" کا اقرار کر لو' تاکہ میں اسی کلمہ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے حق میں بطور دلیل پیش کر سکوں۔"

وہ دونوں (عبداللہ بن ابی امیہ اور ابو جہل) بولے: کیا تم عبدالمطلب کے دین کو چھوڑ دو گے؟ نبی ﷺ بھی اور وہ دونوں سردار اپنی اپنی بات کو دہراتے رہے۔ بالآخر ابو طالب نے کہا میں عبدالمطلب کے مذہب پر قائم ہوں۔ اور اس نے "لَاۤ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه" کا اقرار کرنے سے انکار کر دیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ، مَا لَمْ أُنْهَ عَنْكَ»

"جب تک مجھے منع نہ کیا گیا میں ضرور تمہارے لیے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا۔"

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَن يَسْتَغْفِرُوا۟ لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوٓا۟ أُو۟لِى قُرْبَىٰ ﴾ (التوبة۹/ ۱۱۳)

"نبی اور اہل ایمان کو زیبا نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کریں خواہ وہ ان

﴿ وَإِنَّكَ لَتَهْدِىٓ إِلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٥٢﴾ ﴾ (الشوری۴۲/ ۵۲)

"اور یقیناً آپ' لوگوں کی سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔"

یعنی آپ مختلف دلائل' اور مختلف انداز سے لوگوں کی صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتے ہیں جو معجزات اور ایسے پختہ دلائل سے مؤید ہے جو آپ کے صدق پر شاہد عادل ہیں۔

جب محمد رسول اللہ ﷺ جیسی جلیل القدر اور عظیم الشان ہستی سے ہدایت توفیق کی نفی ہو گئی تو پھر تمام اہم معاملات' ہدایت' مغفرت' رضا' برائیوں سے دوری اور بھلائیوں کے حصول کے لیے بھی اللہ عزوجل کے علاوہ کسی دوسرے کے ساتھ دلی تعلق رکھنا باطل ہے۔

کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔"

اور اللہ تعالیٰ نے ابوطالب کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿٥٦﴾ ﴾ (القصص۲۸/ ۵۶)

"(اے محمد ﷺ!) بلاشبہ آپ' جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے۔ لیکن اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت قبول کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ (صحیح بخاری' التفسیر' باب تفسیر قوله تعالٰی (انک لا تھدی من احببت)' حدیث ۴۷۷۲ و صحیح مسلم' الایمان' باب الدلیل علی صحة إسلام من حضره الموت.....الخ' حدیث ۲۴)" [1]

---

[1] "لَأَسْتَغْفِرَنَّ" میں لام قسم کا ہے یعنی اللہ کی قسم! میں ضرور مغفرت کی دعا کروں گا اور نبی ﷺ نے حقیقتاً اپنے چچا کے حق میں مغفرت کی دعا کی بھی' لیکن کیا نبی ﷺ کی دعا نے آپ کے چچا کو کوئی فائدہ پہنچایا؟ نہیں! کیونکہ وہ مشرک تھا۔ مشرک کے حق میں استغفار اور شفاعت قطعاً مفید نہیں۔

نبی ﷺ کو بھی یہ اختیار نہیں کہ وہ کسی مشرک کے گناہوں کی معافی میں اسے کچھ نفع دے سکیں۔ یا کوئی شخص اگر شرک کا ارتکاب کرتے ہوئے آپ کی طرف رجوع کرے تو آپ اس کی پریشانی کو دور کرکے یا بھلائی پہنچا کر اس کے کچھ کام آسکیں۔ اسی لیے آپ نے فرمایا:

"لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَالَمْ أُنْهَ عَنْكَ۔" "اللہ کی قسم! جب تک مجھے روکا نہ گیا۔............"

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ ﴾ (التوبة۹/ ۱۱۳)

"نبی اور اہل ایمان کو زیبا نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کریں خواہ وہ ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جبکہ یہ واضح ہو چکا ہو کہ وہ جہنمی ہیں۔"

اس آیت سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اب اس صورت میں اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ نبی ﷺ عالم برزخ میں دعائے مغفرت کرنے کی قدرت رکھتے ہیں تب بھی آپ کسی ایسے مشرک کے حق میں دعائے مغفرت نہیں کر سکتے جو اللہ کے علاوہ آپ سے شفاعت کا طلب گار ہو' آپ سے فریاد و استغاثہ کرے' آپ کے لیے جانور ذبح کرے' نذر و نیاز مانے' آپ کو عبادت کا اہل جانے' آپ پر توکل کرے یا آپ کے سامنے اپنی حاجات و ضروریات پیش کرنے کے شرک میں مبتلا ہو۔

مسائل

① اس باب میں آیت کریمہ "اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ" کی تفسیر ہے۔

② آیت کریمہ "مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ آمَنُوا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِکِیْنَ وَلَو کَانُوا اُولِی قُرْبٰی" کی تفسیر اور شان نزول بھی بیان ہوا ہے۔

③ کلمۂ توحید "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کا زبان سے اقرار ضروری ہے۔ اس میں علم کے ان دعوے داروں کی تردید ہے جو محض دلی معرفت کو کافی سمجھتے ہیں۔

④ جب نبی ﷺ نے اپنے چچا سے "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" پڑھنے کو کہا تو ابوجہل اور اس کے ساتھی جانتے تھے کہ نبی ﷺ کی اس سے کیا مراد ہے؟ اسی لیے وہ ابوطالب کو عبدالمطلب کے مذہب پر قائم رہنے کی تلقین کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا برا کرے جن کی نسبت ابوجہل اصل دین "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کے مفہوم کو بہتر جانتا تھا۔

⑤ نبی ﷺ نے اپنے چچا کو مسلمان کرنے کی پوری پوری کوشش کی تھی۔

⑥ جو لوگ ابوطالب اور اس کے اسلاف کو مسلمان سمجھتے ہیں' اس میں ان کی بھی تردید ہے۔

⑦ نبی ﷺ نے ابوطالب کے حق میں مغفرت کی دعا کی مگر اللہ تعالیٰ نے نہ صرف اس کی مغفرت نہیں کی بلکہ نبی ﷺ کو مشرکین کے لیے دعا کرنے سے بھی روک دیا۔

⑧ برے لوگوں کی صحبت ہمیشہ نقصان دہ ہوتی ہے۔

⑨ اکابر و اسلاف کی تعظیم میں غلو کرنا نقصان دہ ہے۔

⑩ باطل پرست لوگ اپنے اکابر والا دین اور طور اطوار اختیار کرنے میں اس شبہ کا شکار ہیں کہ ابوجہل نے بھی ابوطالب کو یہی تلقین کی تھی۔

⑪ نجات کا دارومدار زندگی کے آخری اعمال پر ہے کیونکہ اگر ابوطالب بوقت وفات کلمہ کا اقرار کرلیتا تو اسے ضرور فائدہ ہوتا۔

⑫ گمراہ لوگوں کے دلوں میں راسخ اس بڑے مغالطے کے بارے میں غور و فکر کرنا

چاہئے' اس لیے کہ ابوطالب کے قصہ میں مذکور ہے کہ سرداران مکہ اسی مغالطہ کی بنا پر ابوطالب سے جھگڑتے رہے جبکہ نبی ﷺ نے مبالغہ اور تکرار کے ساتھ ابوطالب کے سامنے کلمۂ حق' کلمۂ توحید پیش کیا۔ چونکہ ان لوگوں کے ہاں یہ بہت بڑی بات تھی کہ آباؤ اجداد کے دین کو چھوڑا نہیں جاسکتا اسی لیے وہ اپنی بات پر ڈٹے رہے۔

باب : ۱۸

بنی آدم کے کفراور ترکِ دین کا بنیادی سبب صالحین کی عزت و تکریم میں غلو کرنا ہے [1]

[1] شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے اس باب میں اور اس سے بعد کے ابواب میں ثابت کیا ہے کہ اس امت اور سابقہ امتوں میں شرک کا سب سے بڑا سبب صالحین کی عزت و تکریم میں غلو اور حد سے تجاوز کر جانا ہے جس سے اللہ اور اس کے رسول نے منع کیا ہے۔ اصول اور عقائد ذکر کرنے کے بعد اب گمراہی کے اسباب کو بیان کرنا مقصود ہے۔ "غلو" دراصل عربی مقولہ "غلافی الشیء" سے ماخوذ ہے جس کا معنی کسی چیز کو اس کی حد سے بڑھا دینے کا ہے لیعنی بنی آدم کے کفر اور اللہ کے مقرر کردہ دین کو ترک کرنے کا سبب' صالحین کی عزت و تکریم میں اس حد سے تجاوز کر جانا ہے جس کی اللہ عزوجل نے اجازت دی ہے۔ صالحین میں انبیاء و رسل اور اولیاء کے علاوہ وہ تمام لوگ شامل ہیں جو نیکی اور اخلاص کی صفات سے متصف ہوں۔ وہ نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے ہوں یا متوسط درجہ کے' اللہ کے ہاں ان کے درجات ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی خاطر صالحین سے محبت رکھنے' ان کی تکریم کرنے اور نیکی اور دین و علم کی باتوں میں ان کی اقتداء کرنے کی اجازت ہے۔ جبکہ ہر دور میں انبیاء و رسل کی شریعتوں اور ان کے احکام پر عمل کرنے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کا حکم بھی ہے۔ صالحین کے احترام' ان سے محبت و دوستی' ان کی طرف سے دفاع اور ان کی مدد کرنے کی یہ وہ حد ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے۔ ان کی تعظیم میں غلو کی ایک صورت یہ ہے کہ ان میں بعض الٰہی خصوصیات کا عقیدہ رکھا جائے یا یہ اعتقاد ہو کہ وہ لوح و قلم کے اسرار سے واقف ہیں۔ جیسا کہ بوصیری نے اپنے ایک مشہور قصیدہ میں کہا ہے'

لَوْ نَاسَبَتْ قَدْرَهُ آيَاتُهُ عِظَمًا
أَحْيَا اسْمُهُ حِيْنَ يُدْعَى دَارِسَ الرِّمَمِ

بعض شارحین نے اس شعر کی شرح میں لکھا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو جو معجزات دیے گئے ہیں' ←

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَـٰٓأَهۡلَ ٱلۡكِتَـٰبِ لَا تَغۡلُواْ فِي دِينِكُمۡ وَلَا تَقُولُواْ عَلَى ٱللَّهِ إِلَّا ٱلۡحَقَّۚ﴾ (النساء٤/ ١٧١)

"اے اہل کتاب! اپنے دین میں حد سے نہ بڑھو اور اللہ کے متعلق حق کے سوا کچھ نہ کہو۔"①

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت کریمہ:

﴿وَقَالُواْ لَا تَذَرُنَّ ءَالِهَتَكُمۡ وَلَا تَذَرُنَّ وَدّٗا وَلَا سُوَاعٗا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسۡرٗا ٢٣﴾ (نوح٧١/ ٢٣)

"اور انہوں نے کہا کہ اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور نہ ود، سواع، یغوث، یعوق اور

وہ اور حتیٰ کہ قرآن کریم بھی آپ کے شایان شان نہیں۔ نبی ﷺ کی شان تو اس سے کہیں زیادہ بلند ہے۔ آپ کا تو یہ مقام ہے کہ آپ کا نام لینے سے مردوں کی بوسیدہ، مٹی اور خاک میں ملی ہوئی ہڈیاں یکجا جمع ہو کر زندہ ہو جاتی ہیں۔ (نَعُوذُ بِاللّٰہ) ایسا غلو وہ لوگ کیا کرتے ہیں جو غیر اللہ کے پجاری ہیں۔ اور وہ اللہ کے سوا انبیاء و رسل وغیرہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان میں الٰہی صفات کا عقیدہ رکھتے ہیں جس کی انہیں قطعاً اجازت نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بہت بڑا شرک ہے اور مخلوق کو خالق کے ساتھ تشبیہ دینے کے مترادف ہے۔ اللہ کی پناہ، ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے۔ صالحین کی تعظیم کی ایک حد ہے جس کی شرعاً اجازت ہے، دوسری طرف غلو ہے۔

اور ایک تیسری صورت، جفا کہلاتی ہے یعنی صالحین سے محبت نہ رکھنا، ان کا احترام نہ کرنا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے جو حقوق متعین کیے ہیں ان کی پاسداری نہ کرنا چنانچہ صالحین کی شان میں کمی کرنا "جفا" اور ان کی محبت میں حد سے تجاوز کرنا "غلو" ہے۔

① اللہ تعالیٰ نے بالخصوص اہل کتاب کو غلو سے منع کیا ہے۔ اور کلام کا سیاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دین کے معاملے میں کسی بھی قسم کا غلو منع ہے۔ اہل کتاب کے حالات کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ عیسائیوں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام، ان کی والدہ اور ان کے حواریوں کے حق میں اور یہودیوں نے عزیر علیہ السلام، اصحاب موسیٰ، اپنے علماء کرام اور درویشوں کے حق میں غلو کیا، ان کے بارے میں بعض الٰہی خصوصیات کا عقیدہ رکھا، ان سے شفاعت کی امیدیں وابستہ رکھیں اور سمجھنے لگے کہ ان بزرگوں کا بھی اس کائنات میں کچھ حصہ اور اشتراک ہے۔ یہ بھی نظام کائنات کو چلاتے اور اس میں تصرفات کرتے ہیں۔

نسر کو چھوڑنا۔''

کی تفسیر میں روایت ہے کہ یہ سب (ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر) قوم نوح کے صالح لوگ تھے۔ ان کی وفات کے بعد شیطان نے ان کی قوم کو اس بات پر آمادہ کیا کہ یہ نیک لوگ جہاں بیٹھا کرتے تھے وہاں بطور یادگار پتھر نصب کر دو۔ اور ان پتھروں کو ان کے ناموں سے موسوم کرو۔ انہوں نے ایسے ہی کیا۔ لیکن اس دور میں ان پتھروں کی پوجا نہ کی گئی۔ جب یہ لوگ مرگئے اور بعد والوں پر جہالت چھا گئی، علم جاتا رہا اور اصل بات ذہنوں سے محو ہو گئی تو بعد والوں نے ان یادگاروں کی پرستش شروع کر دی۔ (صحیح بخاری، التفسیر، تفسیر سورۂ نوح، حدیث:۴۹۲۰)

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: متعدد اسلاف اہل علم کا قول ہے کہ جب وہ مرگئے تو اولاً یہ لوگ ان کی قبروں کے مجاور بنے، پھر ان کے مجسّمے بنائے، پھر عرصہ دراز گزرنے کے بعد ان کی پوجا شروع کردی۔ [1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ تُطْرُوْنِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ، إِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ،

---

[1] **قوم نوح کا شرک:** قوم نوح جس شرک میں مبتلا تھی وہ صالحین اور ان کی ارواح کے متعلق غلو کی صورت میں تھا۔ شیطان بزرگ انسان کی صورت میں ان کے پاس آیا اور اپنی بزرگی اور تقرب الی اللہ کا تاثر دیتے ہوئے ان سے کہا کہ جو لوگ میرے ساتھ شامل ہوں گے میں ان کے حق میں شفاعت کروں گا۔ بعد ازاں انہیں آہستہ آہستہ تصویروں، مورتیوں، ڈھیریوں کے احترام اور بت پرستی تک پہنچادیا، جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی تفصیل بیان کی ہے۔

ان لوگوں نے جب ان بزرگوں کی تصاویر بنانے کا قصد کیا تو انہیں یقین تھا کہ وہ ان تصاویر کی پرستش نہیں کریں گے۔ لیکن مستقبل میں علم مٹ جانے سے انہی تصاویر کی پرستش کو صالحین اور بزرگوں کے تقرب کا وسیلہ، سبب اور ذریعہ سمجھ لیا گیا۔

کبھی کبھی شیطان تصویر کے پاس آکر ناظرین یا مخاطبین کو یہ تاثر دیتا کہ یہ تصویر بولتی ہے اور اس کے منہ سے باتیں کرنے کی آواز سنائی دیتی ہے اور اسی طرح کے دیگر کرتب دکھاتا جن سے ان کے دل صالحین کی روحوں کی طرف مائل ہوجاتے۔ الغرض اس طرح سے شیطان نے انہیں بزرگوں کی عبادت پر ←

فَقُولُوا: عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ»(صحیح البخاری، أحادیث الأنبیاء، باب قوله تعالى ﴿واذكر في الكتب مريم﴾ ح:٣٤٤٥، وأصله عند مسلم في الصحيح، ح:١٦٩١)

”تم میری تعریف کرنے میں حد سے نہ بڑھ جانا، جیسے نصاریٰ عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کی تعریف میں حد سے بڑھ گئے تھے۔ میں تو ایک بندہ ہوں۔ تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہو۔“ (1)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ، فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ الْغُلُوُّ»(سنن النسائي، المناسك، باب التقاط الحصى، ح:٣٠٥٩ وسنن ابن ماجه، المناسك، باب قدر حصى الرمي، ح:٣٠٢٩)

”غلو سے بچ کر رہو، تم سے پہلے لوگوں کو غلو (تعریف میں مبالغہ اور حد سے تجاوز) ہی نے ہلاک کیا تھا۔“ (2)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

←ٹکسایا۔ بعینہ یہی صورت حال آج کل ان لوگوں کی ہے جو قبروں پر مجاور بن کر بیٹھتے ہیں اور اللہ عزوجل کی عبادت کے ساتھ ساتھ اہل قبور کی عبادت بھی کرتے ہیں۔ یہی عمل اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کا سبب بنتا ہے۔

(1) ”اطراء“ کا معنی کسی کی مدح میں حد سے بڑھ جانا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مدح میں حد سے بڑھ جانے سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ جب نصاریٰ، عیسیٰ علیہ السلام کی مدح میں حد سے بڑھ گئے تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ کفر اور اللہ کے ساتھ شرک کے مرتکب ہونے کے ساتھ ساتھ یہ دعویٰ بھی کرنے لگے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ اسی لیے آپ نے فرمایا:

«إِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ فَقُولُوا: عَبْدُاللهِ وَرَسُولُهُ»

”میں تو ایک بندہ ہوں۔ تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہو۔“

(2) اس حدیث میں ہر قسم کے غلو سے منع کیا گیا ہے کیونکہ غلو (تعریف میں حد سے تجاوز) ہر برائی کا باعث اور اقتصاد (میانہ روی اور اعتدال) ہر قسم کی خیر وفلاح کا سبب ہے۔

«هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ ـ قَالَهَا ثَلاثًا»(صحيح مسلم، العلم، باب هلك المتنطعون، ح: ٢٦٧٠)

"غلو کرنے والے اور حد سے بڑھنے والے ہلاک ہوئے آپ نے یہ کلمات تین مرتبہ ارشاد فرمائے۔"[1]

مسائل

① جو شخص اس باب کو اور اس سے بعد والے دو ابواب کو اچھی طرح سمجھ لے اس پر اسلام کی اجنبیت واضح ہو جائے گی (یہ اجنبیت ہی ہے کہ بہت سے لوگ اسلام کی روح سے ناآشنا ہیں) اور دلوں کے پھیرنے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجیب کرشمے اس کے سامنے آئیں گے۔

② روئے زمین پر رونما ہونے والا اولین شرک بزرگوں کے ساتھ حد درجہ محبت اور ان کی بہت زیادہ تعظیم و تکریم کے سبب ہوا۔

③ یہ بھی معلوم ہوا کہ سب سے پہلی چیز جس کے ذریعہ انبیاء کے دین میں تغیر ہوا وہ کیا تھی؟ اور اس کا سبب کیا تھا؟ جبکہ اس بات کا بھی خوب علم تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی

---

[1] "مُتَنَطِّعُوْن" سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اپنے افعال و اقوال اور کسی چیز کا علم حاصل کرنے میں اس قدر غلو اور تکلف کیا کہ جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔ "تنطع"، "اطراء" اور "غلو" کے معانی قریب قریب ہیں۔ صرف لفظ "غلو" میں یہ تمام معانی آجاتے ہیں۔
شیخ رحمہ اللہ نے اس باب میں ثابت کیا ہے کہ جب لوگ بزرگان دین کے حق میں غلو یعنی ان کی عزت و تکریم میں حد سے تجاوز کرنے لگ جائیں تو وہ دین سے دور اور کفر میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ قوم نوح نے صالحین کے حق میں غلو کیا اور ان کی قبروں پر مجاور بن کر بیٹھ گئے تو آخر کار انھی کی پوجا شروع کر دی۔ اسی طرح عیسائیوں نے اپنے رسول سیدنا عیسیٰ علیہ السلام، ان کے حواریوں اور علماء کے حق میں غلو کیا، بالآخر انھیں معبود سمجھنے لگے۔ اسی طرح اس امت میں بھی بعض لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق الٰہی خصوصیات اور اختیارات کا عقیدہ رکھنے لگے ہیں، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعینہٖ ان باتوں سے منع فرمایا ہے۔

نے انھیں رسول بنا کر بھیجا ہے۔

(۴) بدعات و محدثات کو بہت جلد قبول کرنے کا سبب کیا ہے؟ جبکہ شریعتِ اسلامیہ اور فطرتِ سلیمہ ان باتوں کی تردید کرتی ہے۔

(۵) ان تمام باتوں کا سبب، حق و باطل کو دو وجوہ کی بنا پر خلط ملط کر دینا تھا۔ پہلی وجہ صالحین کی حد درجہ محبت تھی اور دوسری وجہ یہ کہ بعض اہل علم اور اصحاب دین نے کچھ ایسے امور سرانجام دیے جن میں ان کا ارادہ تو خیر ہی کا تھا مگر بعد والوں نے ان کا مقصد کچھ اور ہی سمجھ لیا۔

(۶) سورۂ نوح کی آیت ۲۳ کی تفسیر بھی ہوئی جس میں مختلف بتوں کے نام وارد ہوئے ہیں۔

(۷) فطری طور پر انسان کے دل میں حق بتدریج کم ہوتا رہتا ہے جبکہ باطل بڑھتا رہتا ہے۔

(۸) اسلاف اہل علم کی تائید ہوتی ہے کہ بدعات، کفر کا سبب بنتی ہیں۔

(۹) شیطان (ابلیس) بدعت کے انجام سے خوب آگاہ ہے کہ یہ کس طرح انسان کو تباہ کر دیتی ہے اگرچہ بدعت جاری کرنے والے کی نیت اچھی ہی کیوں نہ ہو۔

(۱۰) ایک عمومی قاعدہ ثابت ہوتا ہے کہ غلو سے مکمل طور پر اجتناب کرنا چاہئے اور اس کے انجام کو سمجھنا چاہئے۔

(۱۱) کسی صالح عمل کی انجام دہی کے لیے بھی قبر پر بیٹھنا نقصان دہ ہے۔

(۱۲) مجسموں کی ممانعت اور ان کو مٹا ڈالنے اور توڑ ڈالنے کی حکمت بھی واضح ہوتی ہے۔

(۱۳) قوم نوح کے قصہ کی اہمیت کا پتہ چلا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قوم نوح میں کس طرح شرک شروع ہوا؟ اسے جاننا اور پہچاننا نہایت ضروری ہے جبکہ اکثر لوگ اس سے غفلت کا شکار ہیں۔

(۱۴) افسوسناک بات تو یہ ہے کہ اہل بدعات، یہ واقعہ کتب تفسیر و حدیث میں پڑھتے ہیں اور سمجھتے بھی ہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ ان لوگوں اور ان کے دلوں کے درمیان

آڑ بن گیا مگر اس کے باوجود ان لوگوں کا یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ قوم نوح والا عمل (بزرگوں کی تصاویر بنا کر رکھنا، ان کی تعظیم و تکریم میں غلو کرنا اور قبروں پر مجاور بن کر بیٹھنا) افضل ترین عبادت ہے۔

اور جو شخص انھیں ان منہیات سے باز رہنے کی نصیحت کرے اس کے بارے میں یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ یہ کافر ہے اور اس کے مال و جان مباح ہیں۔

⑮ ان بتوں کو پوجنے والوں کا ارادہ صرف یہ تھا کہ یہ بزرگ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری شفاعت کریں گے۔

⑯ ان مشرکین کا یہ گمان تھا کہ جن سابق اہل علم نے ان بزرگوں کی تصاویر بنائی تھیں ان کا مقصد بھی یہی تھا جو ہمارا ہے۔

⑰ "لَا تُطْرُونِیْ كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ" اس حدیث میں مسلمانوں کے لیے کھلی اور عظیم نصیحت ہے۔ نبی ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں نازل ہوں کہ آپ نے واضح طور پر تبلیغ کا حق ادا فرما دیا۔

⑱ نبی ﷺ نے ہمیں تاکیداً یہ نصیحت فرمائی ہے کہ تکلف کرنے والے اور حد سے تجاوز کرنے والے ہمیشہ ہلاک ہوتے ہیں۔

⑲ علم کی اہمیت اور عدم علم کے نقصان کا بھی پتہ چلتا ہے کہ قوم نوح میں علم ختم ہونے کے بعد ہی بتوں کی پوجا پاٹ شروع ہوئی تھی۔

⑳ دنیا سے علماء کا رخصت ہونا فقدان علم کا ایک بڑا سبب ہے۔

باب : ۱۹

کسی صالح آدمی کی قبر کے پاس' اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ناجائز اور سنگین جرم ہے' تو خود اس مرد صالح کی عبادت کرنا کتنا بڑا جرم ہو گا؟ (۱)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک کلیسا اور اس میں موجود تصویروں اور مجسّموں کا ذکر کیا جو انہوں نے حبشہ کی سرزمین میں دیکھا تھا' تو آپ نے فرمایا:

«أُولٰئِكِ إِذَا مَاتَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ، أَوِ الْعَبْدُ الصَّالِحُ، بَنَوْا

---

(۱) پیش نظر باب سے اور اس کے بعد کے ابواب سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ اپنی امت کے از حد خیر خواہ اور اس کی ہدایت کے انتہائی حریص تھے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے امت کو ہر اس چیز کی تنبیہ فرمائی اور اس کا سدباب کیا جو شرک تک پہنچانے کا سبب بن سکتی ہے۔ مثلاً آپ نے فرمایا کہ کسی نیک آدمی کی قبر کے پاس اس جگہ کی برکت کے نظریہ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا بھی شرک ہے۔ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ نیک لوگوں کی قبریں اور ان کے قرب و جوار بڑے بابرکت ہیں اور وہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا عام جگہ سے زیادہ بہتر ہے۔ لیکن جب ان قبروں کے پاس اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی اجازت نہیں تو اس قبر یا صاحب قبر کی عبادت کیونکر جائز ہو گی؟ قبر پرستوں کی عبادت کا مرکز کبھی تو قبر ہوتی ہے اور کبھی صاحب قبر اور کبھی قبر کا قرب و جوار بلکہ اب تو لوگ قبر کے اردگرد چار دیواری اور لوہے کے جنگلوں کی بھی عبادت کرتے اور حصول برکت کے لیے انھیں ہاتھ لگاتے ہیں۔ ان کے احترام کو اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور ان کے مجاور بننے کو اور ان کا احترام کرنے کو اپنے لیے نہ صرف مفید اور بہتر تصور کرتے ہیں بلکہ ان کی بے حرمتی یا ان سے بے توجہی کو اپنے لیے نقصان دہ خیال کرتے ہیں۔

عَلٰى قَبْرِهِ مَسْجِدًا وَّصَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّوَرَ، أُولٰئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللهِ»(صحيح البخاري، الصلاة، باب تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد، ح:٤٢٧، ٤٣٤، ١٣٤١ وصحيح مسلم، المساجد، باب النهي عن بناء المسجد على القبور، ح:٥٢٨)

''ان لوگوں کے ہاں جب کوئی بزرگ فوت ہو جاتا تو وہ اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے اور اس میں تصاویر (مجسّمے) بنا دیتے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نظر میں بدترین مخلوق ہیں۔''

کیونکہ انھوں نے بیک وقت دو عظیم گناہوں کا ارتکاب کیا۔ ایک تو قبروں کو عبادت گاہ بنانے کا اور دوسرا ان میں مجسّمے اور تصویریں بنانے کا۔ (اغاثة اللهفان:۱/۲۰۱)

اور صحیحین ہی میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر موت کی علامات ظاہر ہوئیں تو آپ شدت تکلیف سے اپنے چہرہ مبارک کو چادر سے ڈھانپ لیتے اور جب دم گھٹنے لگتا تو چادر کو ہٹا دیتے۔ اسی عالم میں آپ نے فرمایا:

«لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْيَهُودِ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَاءِهِمْ مَسَاجِدَ» (صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب ما ذكر عن بني إسرائيل، ح:٣٤٥٣، ١٣٩٠ وصحيح مسلم، المساجد، باب النهي عن اتخاذ القبور مساجد، ح:٥٢٩)

''یہود و نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو' انھوں نے انبیاء کرام کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنالیا تھا۔''

اس بات سے آپ کا مقصود اپنی امت کو ایسے طرز عمل سے ڈرانا اور روکنا تھا۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو سجدہ گاہ بنانے کا خدشہ نہ ہوتا تو آپ کی قبر بھی عام مسلمانوں کی طرح ظاہر...... کھلی جگہ...... پر ہوتی۔ [1]

---

[1] مسجد ہر اس جگہ کو کہا جاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے مقرر کر لیا جائے۔ صالحین کی قبروں پر بنائے گئے کلیسے اور قبر یا قبر کے قریب دیوار پر آویزاں تصاویر بھی اسی لیے تھیں تاکہ لوگوں کو اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دینے کے ساتھ ساتھ اس مرد صالح اور اس کی قبر کی تعظیم بھی کی جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے صالحین و بزرگان کی تعظیم کرتے ہوئے ان کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا وہ

اللہ تعالیٰ کی نظر میں بدترین مخلوق ہیں۔ واضح رہے کہ ان لوگوں نے بزرگوں کی عبادت نہیں کی تھی بلکہ انھوں نے تو ان کی قبروں کی صرف تعظیم کی اور ان کی تصاویر اور مجسّمے بنا لیے۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے انھیں سب سے برے لوگ قرار دیا ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قبروں پر مسجدیں بنانا اور وہاں مجسّمے یا تصاویر رکھنا ممنوع ہے کیونکہ یہ دونوں عمل شرک اکبر کے جنم لینے کا سبب بنتے ہیں۔ جن احادیث میں ذرائع شرک اختیار کرنے، قبروں پر مساجد بنانے اور انبیاء و صالحین کی قبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے منع کیا گیا ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی مؤخر الذکر حدیث ان میں سب سے زیادہ اہم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی ﷺ انتہائی تکلیف و پریشانی اور سکرات الموت کے عالم میں بھی اس جانب سے غافل نہ ہوئے بلکہ آپ نے امت کو شرک کے اسباب سے بچنے کی اس حالت میں بھی تلقین فرمائی۔ اور آپ نے انبیاء کی قبروں پر مساجد (سجدہ گاہیں) بنانے والوں (یہود و نصاریٰ) پر اللہ تعالیٰ کی لعنت فرمائی۔

آپ کو یہ اندیشہ تھا کہ ان انبیاء کی طرح کہیں آپ کی قبر کو بھی سجدہ گاہ نہ بنا لیا جائے۔ آپ کی اس لعنت سے مقصود، درحقیقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس عملِ قبیح سے ڈرانا اور یہ بتانا تھا کہ ان لوگوں کا یہ عمل بہت بڑا گناہ تھا، لہٰذا اس سے بچ کر رہنا۔ کسی قبر کو سجدہ گاہ بنانے کی تین صورتیں ہوتی ہیں:

(الف) قبر کے اوپر سجدہ کرنا۔ یہ سب سے خطرناک صورت ہے۔

(ب) قبر کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنا۔ اس صورت میں چونکہ قبر اور اس کے گردوپیش کو عاجزی و خضوع کی جگہ بنا لیا جاتا ہے جبکہ مسجد بھی عجز و نیاز کی مخصوص جگہ ہوتی ہے اس لیے نبی علیہ السلام نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ قبر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جائے کیونکہ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا اس کی تعظیم کا ایک وسیلہ اور ذریعہ ہے اور یہی صورت شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے قائم کردہ اس باب سے تعلق رکھتی ہے۔

(ج) مسجد کے اندر قبر بنا دینا۔ یہود و نصاریٰ کا طریق کار یہ ہوتا تھا کہ جب کوئی نبی فوت ہو جاتا تو اس کی قبر کے گرد عمارت قائم کر کے قبر کے ماحول کو مسجد (عبادت گاہ) کی حیثیت دے کر اس جگہ کو عبادت اور نماز کے لیے مقرر کر لیتے تھے۔

نبی ﷺ کو عام قبرستان میں دفن نہ کرنے کی وجہ: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ثابت ہوا کہ نبی ﷺ کو باہر عام قبرستان میں اس خدشہ کے پیشِ نظر دفن نہ کیا گیا کہ کہیں آپ کی قبر پر مسجد بنا کر اس کی پوجا نہ شروع کر دی جائے۔

اور اس کی دوسری وجہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بیان کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا تھا ''اِنَّ الْاَنْبِیَاءَ یُقْبَرُوْنَ حَیْثُ یُقْبَضُوْنَ''۔ ''انبیاء کو جہاں موت آئے انہیں وہیں دفن کیا جاتا ہے۔''

جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پانچ دن قبل میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«إِنِّي أَبْرَأُ إِلَى اللهِ أَنْ يَكُونَ لِي مِنْكُمْ خَلِيْلٌ، فَإِنَّ اللهَ قَدِ اتَّخَذَنِي خَلِيلاً، كَمَا اتَّخَذَ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلاً، وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِّنْ أُمَّتِي خَلِيلاً لاَتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلاً، أَلاَ وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَّسَاجِدَ، أَلاَ فَلاَ تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ فَإِنِّي أَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ»(صحيح مسلم، المساجد، باب النهي عن بناء المساجد على القبور، ح:٥٣٢)

”میں اللہ کے سامنے اس بات سے براءت ولاتعلقی کا اظہار کرتا ہوں کہ تم میں سے کوئی میرا خلیل ہو کیونکہ مجھے تو اللہ نے اپنا خلیل بنالیا ہے جس طرح اس نے ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا تھا۔ اور اگر مجھے اپنی امت میں سے کسی کو اپنا خلیل بنانا ہوتا تو ابوبکر کو بناتا۔ خبردار! تم سے پہلے لوگ انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنا لیتے تھے، خبردار! تم قبروں کو سجدہ گاہیں نہ بنالینا۔ میں تمھیں اس طرز عمل سے روک رہا ہوں۔“

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل شنیع سے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں منع فرمایا اور ایسا کرنے والوں پر لعنت فرمائی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر قبر کی پوجا نہ بھی کی جائے تب بھی قبر کے قریب نماز پڑھنا منع ہے۔

⟸ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت پر خوب اچھی طرح عمل کیا اور انھوں نے روضہ مبارکہ میں سے تین میٹر یا اس سے بھی کچھ زیادہ جگہ لے کر وہاں پہلے ایک دیوار، پھر دوسری دیوار بنائی اور پھر لوہے کا ایک جنگلہ لگادیا۔ اور اس مقصد کے لیے مسجد کا بھی کچھ حصہ لے لیا تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے قریب سجدہ نہ ہو سکے اور کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مسجد کے اندر ہے۔ یاد رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مسجد کے اندر نہیں بلکہ حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اندر ہے۔ مسجد اور قبر کے درمیان متعدد دیواریں حائل ہیں۔ نیز شرقی جانب تو مسجد ہے ہی نہیں۔ خلاصہ یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سجدہ گاہ نہیں بنائی گئی۔

اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول "خَشِيَ اَنْ يُّتَّخَذَ مَسْجِدًا" کا بھی یہی مفہوم ہے۔ اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تو یہ توقع نہ تھی کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو مسجد بنائیں گے جبکہ ہر وہ جگہ جہاں نماز ادا کی جائے، مسجد ہی ہوتی ہے۔

جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ "جُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّ طَهُوْرًا" "تمام روئے زمین کو میرے لیے مسجد اور ذریعہ طہارت (وضو اور غسل کے لیے پانی کا قائم مقام) بنا دیا گیا ہے"۔ [1]

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ مِنْ شِرَارِ النَّاسِ مَنْ تُدْرِكُهُمُ السَّاعَةُ وَهُمْ أَحْيَاءٌ، وَّالَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْقُبُورَ مَسَاجِدَ»(مسند أحمد:٥٣١٦ وصحيح ابن خزيمة، ح:٧٨٩)

"سب سے بدترین لوگ وہ ہوں گے جن کی زندگی میں ان پر قیامت قائم ہو گی۔ اور وہ لوگ بھی بدترین ہیں جو قبروں کو مساجد (سجدہ گاہوں) کا درجہ دیں گے۔" [2]

---

[1] جیسے یہود و نصاریٰ نے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنالیا تھا ویسے ہی اس امت میں یہ فتنہ واقع ہو چکا ہے اور یہ شرک کا ایک بہت بڑا سبب اور وسیلہ ہے اور وسائل و اسباب ہمیشہ مابعد مقصود تک پہنچایا کرتے ہیں۔ قواعد شرعیہ میں ایک مسلمہ قاعدہ اور علماء محققین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ شرک اور دیگر محرمات تک پہنچانے والے ذرائع و وسائل کا سدباب کرنا واجب ہے، اسی لیے کسی قبر پر بنائی گئی مسجد میں نماز پڑھنا درست نہیں کیونکہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت کے منافی ہے۔ لہٰذا جو مسجد کسی قبر کے اوپر بنائی گئی ہو اس مسجد میں اور قبر کے اردگرد نماز ادا کرنا جائز نہیں، خواہ اس جگہ کی برکت کے عقیدہ سے نماز پڑھی جائے یا نماز جنازہ کے علاوہ ویسے نفلی نماز پڑھی جائے۔ یہ سب ناجائز ہیں، جیسا کہ صحیح بخاری میں تعلیقاً روایت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کو ایک قبر کے قریب نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا: "یہ قبر ہے قبر۔ یہاں نماز نہ پڑھو۔"

اس سے معلوم ہوا کہ کسی قبر کے قریب نماز ادا کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ شرک کے بڑے اسباب و ذرائع میں سے ہے۔

[2] بدترین ہیں وہ لوگ جو قبروں کو سجدہ گاہیں بنالیتے ہیں۔ قبر کے اوپر، اس کی طرف رخ کر کے یا ←

مسائل

① اس باب سے ثابت ہوا کہ کسی بزرگ کی قبر کے پاس اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے مسجد تعمیر کرنے سے نبی ﷺ نے تنبیہ اور اس کی مذمت فرمائی ہے اگرچہ مسجد بنانے والے کی نیت صحیح ہی ہو۔

② تصاویر و مجسّمے بنانے کی حرمت اور اس پر شدید وعید بھی ہے۔

③ مذکورہ اعمال کے معاملہ میں نبی ﷺ کے مبالغہ آمیز بیان سے عبرت حاصل ہوتی ہے کہ پہلے تو آپ نے اس کام سے امت کو ویسے تنبیہ فرمائی' پھر آخر عمر میں وفات سے پانچ روز قبل مزید تنبیہ فرمائی۔ پھر نبی ﷺ کا جب سفر آخرت شروع ہونے والا تھا' اس عالم میں ایک مرتبہ پھر سخت ممانعت فرمائی۔

④ نبی ﷺ نے اپنی قبر پر ایسا عمل کرنے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا' حالانکہ آپ کی قبر ابھی وجود میں بھی نہیں آئی تھی۔

⟸ اس کے گرد نماز پڑھنا اسے سجدہ گاہ کا درجہ دینے ہی کی مختلف صورتیں ہیں۔ اسی لیے قبر کے پاس نماز پڑھنے کا قصد کرنے والا انسان ان بدترین لوگوں میں شامل ہو جاتا ہے جن کی نبی کریم ﷺ نے مذمت بیان فرمائی ہے۔ مذکورہ بالا احادیث کے ساتھ ساتھ مسلمان ممالک اور علاقوں میں مسلمانوں کے طرز عمل کو دیکھیں کہ لوگوں نے قبروں کے اوپر بلند و بالا عمارتیں اور قبے کھڑے کیے ہوئے ہیں۔ ان قبوں اور عمارتوں کی بنا پر ان قبروں کی تعظیم کی جاتی ہے اور لوگ ان کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور ان اصحاب قبور کو اولیاء ظاہر کر کے ان کے فضائل و مناقب میں بے سروپا طویل و عریض حکایات بیان کر کے ثابت کیا جاتا ہے کہ یہ اولیاء کرام لوگوں کی پکار کو سنتے' اور ان کی فریاد کو پہنچتے ہیں۔ اس سے موجودہ اور گزشتہ زمانوں میں خالص اسلام کی اجنبیت عیاں ہوتی ہے کہ لوگ اپنے دین کے ساتھ کس قدر ظلم اور زیادتی روا رکھے ہوئے ہیں۔ بلکہ اس سے بھی افسوسناک امر یہ ہے کہ وہ ان تمام باتوں کو نہ صرف جائز سمجھتے ہیں بلکہ اسے عین توحید قرار دیتے ہیں۔ اور جو لوگ انہیں سمجھائیں اور عقل سے کام لینے کی دعوت دیں یہ ان پر عدم معرفت اور کم عقل ہونے کے الزام دھرتے ہیں حالانکہ وہ شخص انہیں توحید کی دعوت دیتا ہے جبکہ یہ لوگ جہنم کی طرف جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سلامتی اور عافیت سے نوازے۔ آمین!

۵ انبیاء و صلحاء کی قبروں پر مساجد بنا کر ان میں عبادت کرنا یہود و نصاریٰ کا طرز عمل ہے۔
۶ اسی عمل کی وجہ سے نبی ﷺ نے یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائی۔
۷ لعنت کرنے سے اصل مقصود یہ تھا کہ مسلمان آپ کی قبر پر ایسا کوئی کام نہ کریں۔
۸ نبی ﷺ کی قبر کو کھلی اور عام جگہ پر نہ بنانے کی اصل وجہ اور مصلحت بھی معلوم ہوتی ہے۔
۹ یہ بھی واضح ہوا کہ قبروں کو مساجد بنانے کا مفہوم کیا ہے؟
۱۰ نبی ﷺ نے قبروں پر مساجد تعمیر کرنے والوں اور جن لوگوں پر ان کی زندگی میں قیامت قائم ہو گی، دونوں کا اکٹھے ذکر کر کے کفر و شرک کے وقوع پذیر ہونے سے قبل ہی اس کے اسباب اور انجام سے آگاہ فرما دیا۔
۱۱ نبی ﷺ نے اپنی وفات سے پانچ روز قبل اپنے خطبہ میں ان دو گروہوں کا رد فرمایا جو اہل بدعت میں سب سے زیادہ بُرے ہیں۔ بلکہ بعض اہل علم نے تو انہیں بہتر (۷۲) گروہوں سے بھی خارج قرار دیا ہے۔ ان میں سے ایک روافض اور دوسرا جہمیہ ہے۔ خصوصاً روافض ہی کی وجہ سے مسلمانوں میں شرک اور قبر پرستی کی ابتدا ہوئی اور انہی لوگوں نے سب سے پہلے قبروں پر مساجد بنانے کا سلسلہ شروع کیا۔
۱۲ نزع کے وقت نبی ﷺ کو بہت تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔
۱۳ نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے خلیل ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔
۱۴ صاف معلوم ہوا کہ خلیل ہونے کا مرتبہ، مقامِ محبت سے بلند تر ہے۔
۱۵ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں۔
۱۶ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف بھی اشارہ ہے۔

باب : ۲۰

صالحین اور بزرگوں کی قبروں کے بارے میں غلو کا انجام ''شرکِ اکبر'' ہے [1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ لاَ تَجْعَلْ قَبْرِي وَثَنًا يُّعْبَدُ، اِشْتَدَّ غَضَبُ اللهِ عَلٰى قَوْمٍ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَّسَاجِدَ»(الموطأ لإمام مالك، الصلاة، باب جامع الصلاة، ح:٢٦١ والمصنف لابن أبي شيبة:٣/ ٣٤٥)

''یا اللہ! میری قبر کو بت نہ بنانا جسے لوگ پوجنا شروع کر دیں۔ ان لوگوں پر اللہ کا سخت غضب اور قہر نازل ہوا جنہوں نے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنالیا۔'' [2]

---

[1] قبر بہرحال قبر ہی ہوتی ہے' وہ نیک آدمی کی ہو یا کسی دوسرے کی۔ کوہان کی صورت میں ہو یا مربع شکل میں۔ شریعت نے اس کی کوئی تمیز رکھی ہے نہ شریعت میں اس کی کوئی دلیل وارد ہوئی ہے۔

صالحین کی قبروں کے بارے میں غلو کا مفہوم یہ ہے کہ ان کے بارے میں جو حکم دیا گیا اور جن باتوں سے روکا گیا ہے' ان سے تجاوز کرنا۔ قبروں پر کتبے لگانا' انہیں خواہ مخواہ بلند بنانا' ان پر عمارت کھڑی کرنا' انہیں سجدہ گاہ بنانا' قبر کو اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ سمجھنا' قبر یا صاحب قبر کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی سمجھنا' قبر یا صاحب قبر کے لیے نذر ماننا' اس کے تقرب کے لیے جانور ذبح کرنا' یا قبر کی خاک کو سفارشی یا متبرک سمجھنا اور ان اعمال کو اللہ تعالیٰ کے قرب کا وسیلہ اور ذریعہ سمجھنا۔ یہ تمام باتیں غلو ہیں اور ''شرکِ اکبر'' کی اقسام ہیں۔

[2] نبی کریم ﷺ نے اپنی قبر کی پوجا و پرستش شروع ہو جانے کے اندیشہ کے باعث اللہ تعالیٰ سے یہ دعا فرمائی کہ یا اللہ! میری قبر کو پوجا اور عبادت کا مرکز نہ بنانا۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ جس قبر کی پوجا ہو وہ بت ہی ہے اور اس پوجا کا سبب وہ چیز ہوتی ہے جس کا ذکر حدیث کے دوسرے جملہ میں ہوا ہے۔

ابن جریر رحمہ اللہ نے آیت مبارکہ:

﴿ أَفَرَءَيْتُمُ ٱللَّٰتَ وَٱلْعُزَّىٰ ﴿١٩﴾ ﴾ (النجم ٥٣/١٩)

کی تفسیر میں مجاہد رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے:

«يَلُتُّ لَهُمُ السَّوِيقَ فَمَاتَ فَعَكَفُوا عَلٰى قَبْرِهِ»(رواه ابن جرير في التفسير: ٢٧/ ٥٨)

"لات" حجاج کرام کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا۔ اس کی وفات کے بعد لوگ اس کی قبر کے مجاور بن کر بیٹھ گئے۔"

ابو الجوزاء رحمہ اللہ نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ: "لات" حجاج کرام کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا۔" (1)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

«لَعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ زَائِرَاتِ الْقُبُورِ، وَالْمُتَّخِذِينَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ» (سنن أبي داود، الجنائز، باب في زيارة النساء القبور، ح:٣٢٣٦ وجامع الترمذي، الصلاة، باب ما جاء في كراهية أن يتخذ على القبر مسجد، ح:٣٢٠ وسنن النسائي، الجنائز، باب التغليظ في اتخاذ السرج على القبور، ح:٢٠٤٥)

«اِشْتَدَّ غَضَبُ اللهِ عَلٰى قَوْمٍ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ»

شرک تک پہنچانے والے ذرائع و وسائل کو اختیار کرنا ہی قبروں کے بارے میں غلو ہے۔ نبی ﷺ نے اس حدیث میں جہاں قبروں کی پوجا کے ذریعہ اور وسیلہ کا ذکر کیا ہے وہاں اس سے بچنے کے ساتھ ساتھ اس عمل شنیع کا ارتکاب کرنے والوں پر اللہ کے شدید غضب کی تنبیہ بھی فرمائی ہے اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ آخر کار ان وسائل کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ بتوں کی طرح قبروں کی عبادت اور پوجا شروع ہو جاتی ہے۔

الغرض اس حدیث نے واضح کر دیا کہ جس قبر کی پوجا کی جائے وہ بت ہی ہے۔

(1) "لات" چونکہ حاجیوں کو ستو گھول کر پلاتا تھا' اس کی اسی نیکی کی وجہ سے لوگ اس کی قبر کے بارے میں غلو کا شکار ہو گئے۔ مجاور بن کر بیٹھنے کا مطلب ہے قبر کی تعظیم کرتے ہوئے برکت' ثواب' نفع کے حصول اور ضرر کے دفع ہونے کی امید سے قبر پر بیٹھ رہنا۔

یاد رہے! کسی قبر کا مجاور بن کر بیٹھنے سے وہ پرستش گاہ اور بت بن جاتی ہے۔

”رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت کو جانے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے اور ان لوگوں کو بھی ملعون قرار دیا جو قبروں پر مساجد بناتے اور چراغاں کرتے ہیں۔“ [1]

مسائل

(۱) اس بحث سے اوثان یعنی بتوں کی تشریح ہوتی ہے۔
(۲) اور عبادت کا مفہوم واضح ہوتا ہے۔
(۳) نبی ﷺ نے اس چیز سے پناہ مانگی جس کے وقوع پذیر ہونے کا آپ کو اندیشہ تھا۔
(۴) جہاں نبی ﷺ نے یہ دعا مانگی کہ ”یااللہ! “میری قبر کو بت نہ بنانا جس کی پوجا کی جائے۔“ وہاں آپ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ ”پہلے لوگوں نے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہیں بنالیا تھا۔“
(۵) نبی ﷺ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ ایسا کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کا شدید قہر اور غضب نازل ہوا۔
(۶) یہ بھی معلوم ہوا کہ ”لات“ جو عرب کا سب سے بڑا بت تھا‘ اس کی کس طرح عبادت شروع ہوئی؟
(۷) اس تفصیل سے واضح ہوا کہ وہ ایک صالح بزرگ (لات) کی قبر تھی۔
(۸) ”لات“ صاحب قبر کا نام ہے۔ اور اس میں اس کی وجہ تسمیہ بھی مذکور ہوئی ہے۔
(۹) نبی ﷺ نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو قبروں کی زیارت کو جاتی ہیں۔
(۱۰) نبی ﷺ نے قبروں پر چراغاں کرنے والوں پر بھی لعنت فرمائی ہے۔

---

[1] قبروں پر مساجد تعمیر کرنا اور وہاں چراغاں کرنا منع ہے کیونکہ یہ ان کی تعظیم میں غلو اور حد سے تجاوز ہے۔ ماضی میں قبروں پر چراغ اور قندیلیں روشن کی جاتی تھیں۔ آج کل بڑے بڑے برقی قمقمے اور بلب جلائے جاتے ہیں۔ اس سے قبر کی تعظیم ظاہر ہوتی ہے۔ قبروں پر ایسا کرنا ناجائز ہے اور نبی ﷺ کے ارشاد کے مطابق ایسا کرنے والے ملعون ہیں۔

باب : ۲۱

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا توحید کی مکمل حفاظت کے سلسلے میں شرک بننے والی ہر راہ کو بند کرنا

ارشاد الٰہی ہے:

﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِٱلْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢٨﴾ ﴾ (التوبة۹/ ۱۲۸)

"(لوگو!) تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آیا ہے۔ تم پر اگر کوئی تکلیف یا مشقت آئے تو وہ اسے شاق گزرتی ہے۔ وہ تمہاری فلاح و ہدایت کا حریص ہے۔ اہل ایمان کے لیے نہایت مہربان اور شفیق ہے۔" (۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قُبُوراً وَّلاَ تَجْعَلُوا قَبْرِي عِيدًا، وَّصَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلاَتَكُمْ تَبْلُغُنِي حَيْثُ كُنْتُمْ»(سنن أبي داود، المناسك، باب زيارة القبور، ح: ۲۰۴۲)

"تم اپنے گھروں کو (نماز' دعا اور تلاوت قرآن ترک کر کے) قبرستان نہ بناؤ نہ میری قبر کو میلہ گاہ بنانا اور تم جہاں بھی ہو مجھ پر درود و سلام بھیجو' تمہارے درود و سلام مجھے پہنچ جائیں گے۔" (۲)

---

(۱) ان کی اسی حرص اور تمنا کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے گلشن توحید کی مکمل حفاظت کی اور ہر وہ راہ جس سے ہم شرک کے مرتکب ہو سکتے تھے اسے بند کر ڈالا۔

(۲) لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِی عِیدًا "میری قبر کو میلہ گاہ نہ بنانا" یعنی سال میں کسی خاص دن یا مقررہ اوقات ⬅

زین العابدین علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو نبی ﷺ کی قبر کے گرد بنی دیوار کے ایک شگاف سے اندر داخل ہو کر قبر کے پاس دعا کرتے دیکھا تو اسے روک دیا اور فرمایا کیا میں تجھے وہ حدیث نہ سناؤں جو میرے باپ (حسین رضی اللہ عنہ) نے میرے دادا (علی رضی اللہ عنہ) سے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے' آپ نے فرمایا:

«لَا تَتَّخِذُوا قَبْرِي عِيدًا وَّلَا بُيُوتَكُمْ قُبُورًا وَّصَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ تَسْلِيمَكُمْ يَبْلُغُنِي أَيْنَ مَا كُنْتُمْ»(رواه الضياء المقدسي في المختارة، ح:٤٢٨ ومجمع الزوائد: ٤/ ٣)

"میری قبر کو میلہ گاہ نہ بنانا۔ اور تم (نماز' دعا اور تلاوت قرآن ترک کر کے) اپنے گھروں کو قبرستان (کی مانند) نہ بنالینا اور مجھ پر درود پڑھتے رہنا۔ اس لیے کہ تم جہاں بھی ہو گے' تمہارا اسلام مجھے پہنچ جائے گا۔" (1)

⟸ میں میلے کی مانند وہاں حاضری نہ دینا کیونکہ ایسا کرنے سے نبی کی تعظیم' اللہ کی سی تعظیم ہو جاتی ہے۔

چونکہ قبروں کو میلہ گاہ بنانا شرک کا سبب اور ذریعہ ہے اس لیے نبی علیہ السلام نے فرمایا "تم جہاں بھی ہو وہیں مجھ پر درود و سلام بھیج دیا کرو اس لیے کہ تمہارے درود و سلام مجھ تک پہنچ جاتے ہیں۔"

(1) نبی ﷺ نے توحید اور گلشن توحید کی مکمل حفاظت فرمائی اور ذریعۂ شرک بننے والی ہر راہ حتیٰ کہ اپنی قبر کی بھی حد درجہ تعظیم سے امت کو منع فرمایا۔ جب نبی ﷺ کی قبر کی تعظیم میں غلو کرنا منع ہے تو باقی لوگوں کی قبروں کی بھی ایسی تعظیم کی اجازت نہیں۔ مگر افسوس کہ امت نے نبی ﷺ کی ہدایات و فرامین کی پروا نہ کی۔ ان سب احکام' ہدایات اور فرامین کو پس پشت ڈالتے ہوئے قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ ان پر میلے اور عرس کرنے لگے۔ ان پر قبے کھڑے کر دیے۔ حتیٰ کہ ان پر چراغاں کیے جاتے ہیں' قبروں پر جانور ذبح کیے جاتے اور چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں۔ کعبہ کی مانند ان کا بھی طواف ہوتا ہے۔ اور قبر کے اردگرد کی جگہ کو اسی طرح مقدس سمجھا جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی مقررہ حدوں کو مقدس سمجھتے ہیں۔ یہ قبر پرست لوگ نبی یا کسی صالح و بزرگ شخصیت یا کسی ولی کی قبر کے پاس آکر اس قدر عاجزی' انکسار اور خاموشی اختیار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حضور ایسی عاجزی نہیں کرتے۔ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی صریح مخالفت اور ان سے عداوت کا اظہار ہے۔ والعیاذ باللہ!

مسائل

① اس تفصیل سے سورۂ توبہ کی مذکورہ آیت کی تفسیر و توضیح ہوتی ہے۔
② نبی ﷺ نے اپنی امت کو حدود شرک سے بہت دور رہنے کی ہدایت اور تلقین فرمائی ہے۔
③ نبی ﷺ اپنی امت پر نہایت شفیق و مہربان اور اس کی رشد و ہدایت کے انتہائی حریص اور خواہش مند تھے۔
④ نبی ﷺ نے مخصوص طریقہ پر اپنی قبر کی زیارت سے منع فرمایا ہے لیکن آپ کی قبر کی زیارت' شرعی حدود و قیود میں رہ کر کی جائے تو یہ انتہائی فضیلت والا عمل ہے۔
⑤ نبی ﷺ نے بار بار زیارت قبر کے لیے جانے سے منع فرمایا ہے۔
⑥ ان احادیث میں نفلی نماز گھروں میں ادا کرنے کی ترغیب بھی ہے۔
⑦ یاد رہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں یہ بات طے شدہ اور معروف تھی کہ قبرستان میں نماز نہیں پڑھی جا سکتی۔
⑧ اس باب میں مذکورہ احادیث سے ثابت ہوا کہ آدمی جہاں بھی ہو وہیں درود و سلام پڑھ سکتا ہے خواہ دور ہی کیوں نہ ہو' لہٰذا اس غرض سے انسان کو قبر کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔
⑨ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اکرم ﷺ برزخ میں ہیں اور امت کے اعمال میں سے درود و سلام' آپ کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں۔

باب : ۲۲

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیم کے بعض افراد کے بت پرستی میں مبتلا ہونے کی پیش گوئی [1]

---

[1] توحید کی معرفت اور اس کے علم کا وجوب' شرک سے بچنے کی تنبیہ' اقسام توحید' شرک اکبر اور شرک اصغر کی اقسام اور ان کے اسباب و ذرائع کا ذکر کرنے کے بعد شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے ذہن میں یہ بات آئی کہ کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ یہ سب کچھ اپنی جگہ پر درست ہے۔ مگر امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیم) تو شرک اکبر میں مبتلا ہو ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ الشَّيْطَانَ أَيِسَ أَنْ يَعْبُدَهُ الْمُصَلُّونَ فِي جَزِيرَةِ الْعَرَبِ وَلٰكِنْ فِي التَّحْرِيشِ بَيْنَهُمْ»(صحيح مسلم، صفات المنافقين، باب تحريش الشيطان، . . . ، ح: ٢٨١٢)

"شیطان اس بات سے مایوس و نامراد ہو چکا ہے کہ جزیرہ نمائے عرب میں نمازی (مسلمان) اس کی عبادت کریں' البتہ وہ ان کے درمیان پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرتا رہے گا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی امت "شرک اکبر" میں مبتلا نہ ہو گی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ شیطان اس بات سے مایوس' ناکام اور نامراد ہو چکا ہے مگر اللہ نے اسے اس سے مایوس نہیں کیا۔ دوسری بات یہ کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ شیطان اس بات سے ناامید ہے کہ جزیرہ نمائے عرب میں نماز پڑھنے والے اس کی عبادت کریں اور یہ بات یقینی ہے کہ نمازی ہمیشہ نیکی کا حکم کرتے اور برائی سے روکتے رہیں گے۔ اور سب سے بڑی برائی شرک ہے۔ جو لوگ صحیح معنوں میں نماز کی اقامت کریں' شیطان ان لوگوں سے واقعتاً مایوس ہے کہ وہ کبھی اس کی عبادت نہیں کریں گے۔ اس لیے حدیث کا یہ مفہوم قطعاً نہیں کہ اس امت میں سے کوئی بھی شیطان کی عبادت (اطاعت) نہیں کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ کی وفات کے کچھ ہی عرصہ بعد کچھ عرب قبائل مرتد ہو گئے تھے۔ یہ بھی تو شیطان کی عبادت ہی تھی کیونکہ شیطان کی عبادت سے مراد اس کی اطاعت ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ⬅

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ نَصِيبًا مِّنَ ٱلْكِتَٰبِ يُؤْمِنُونَ بِٱلْجِبْتِ وَٱلطَّٰغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا۟ هَٰٓؤُلَآءِ أَهْدَىٰ مِنَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ سَبِيلًا ﴿٥١﴾ ﴾ (النساء٤/ ٥١)

"کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا' وہ بتوں اور شیطان کو مانتے ہیں اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان لانے والوں سے زیادہ صحیح راستہ پر ہیں۔" [1]

ہے:

﴿ أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَٰبَنِىٓ ءَادَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا۟ ٱلشَّيْطَٰنَ ۖ إِنَّهُۥ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٦٠﴾ ﴾ (يس٣٦/ ٦٠)

"اے اولادِ آدم! کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت (اطاعت) نہ کرنا کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔"

اس آیت کی تفسیر ملاحظہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ جس طرح شرک کے ارتکاب اور ایمان اور اس کے تقاضوں کو ترک کرنے میں شیطان کی اطاعت اس کی عبادت کے مترادف ہے' اسی طرح اوامر ونواہی میں بھی اس کی اطاعت اس کی عبادت ہی ہے۔

(عربی عنوان میں مذکور لفظ) "اوثان"...... "وثن" کی جمع ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ جس چیز کو بھی لوگ عبادت اور فریاد کا مستحق سمجھیں یا اللہ کے اذن اور حکم کے بغیر بھی اس کے نفع مند اور ضرر رساں ہونے کا عقیدہ رکھیں یا اس سے اس طرح ڈریں جس طرح اللہ سے ڈرنا چاہئے' وہ کسی انسان یا غیر انسان کا مجسمہ اور تصویر ہو یا دیوار' قبر یا کوئی مردہ ہو' ایسی تمام اشیاء "وثن" کی تعریف میں شامل ہیں۔

[1] **جبت:** ہر وہ چیز جس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی اعتقاداً مخالفت ہو وہ "جبت" ہے۔ جادو بھی جبت ہے کاہن کو بھی جبت کہا جاتا ہے اور حقیر و گھٹیا ضرر رساں چیز کو بھی جبت کہتے ہیں۔

طاغوت: ہر وہ معبود یا متبوع جسے انسان اس کی حد سے بڑھا دے 'طاغوت ہے۔ شرعی طور پر متبوع کی حد یہ ہے کہ وہ انھی کاموں کا حکم دے جن کا شریعت نے حکم دیا ہے' اور ان کاموں سے روکے جن سے شریعت نے منع کیا ہے۔ للہذا شرعی حدود سے نکل کر جن کی عبادت' اتباع اور اطاعت کی جائے وہ سب طاغوت میں شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُم بِشَرٍّ مِّن ذَٰلِكَ مَثُوبَةً عِندَ اللَّهِ ۚ مَن لَّعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ ۚ ﴾ (المائدہ٥/ ٦٠)

"(اے محمد ﷺ!) آپ ان لوگوں سے کہہ دیں، کیا تمھیں ان لوگوں کی نشان دہی کر دوں جن کا انجام اللہ کے ہاں، فاسقوں کے انجام سے بھی بد تر ہے؟ وہ لوگ جن پر اللہ نے لعنت کی اور ان پر اللہ کا غضب ہوا اور ان میں سے بعض کو بندر اور خنزیر بنا دیا اور جنھوں نے طاغوت کی بندگی کی۔" (١)

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم مَّسْجِدًا ﴿٢١﴾ ﴾

(الکہف١٨/ ٢١)

"اور ان کے سرکردہ لوگوں نے کہا ہم تو ان کی غار پر ضرور مسجد (عبادت گاہ) بنائیں گے۔" (٢)

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، حَذْوَ الْقُذَّةِ بِالْقُذَّةِ، حَتَّى لَوْ

وجہ مناسبت: پیش نظر باب سے اس آیت کی وجہ مناسبت یوں ہے کہ یہود و نصاریٰ اہل کتاب ہونے کے باوجود بتوں اور شیاطین پر ایمان لے آئے اور نبی علیہ السلام نے بتلایا ہے کہ گزشتہ امتوں میں جو برائیاں واقع ہوئیں وہ اس امت میں بھی واقع ہوں گی۔ اس امت میں جادو پر ایمان رکھنے والے بھی ہوں گے اور غیر اللہ کی عبادت پر ایمان لانے والے بھی۔ الغرض وہ پچھلوں کے طریقوں پر چلیں گے۔

(١) بتوں کی پوجا، قبروں کی عبادت، اصحاب قبور کو معبود سمجھنا یہ سب طاغوت کی عبادت ہے۔ یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ امت محمدیہ کے بہت سے افراد قبروں، آستانوں، درختوں، پتھروں وغیرہ کی عبادت میں مبتلا ہو چکے ہیں۔

(٢) جیسے ان لوگوں نے صالحین کی تعظیم میں غلو کیا اور ان کی غار پر اور قبروں پر مسجد بنالی، یہ امت بھی ضرور ایسے کام کرے گی کیونکہ سابقہ امتوں نے جو بھی شرکیہ خصلت اختیار کی، نبی ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق یہ امت اس کو ضرور اختیار کرے گی۔

دَخَلُوا جُحْرَ ضَبٍّ لَدَخَلْتُمُوهُ، قَالُوا: يَارَسُولَ اللهِ! اَلْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى؟ قَالَ: فَمَنْ؟»(صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب ما ذكر عن بني إسرائيل، ح:٣٤٥٦ وصحيح مسلم، العلم، باب اتباع سنن اليهود والنصارى، ح:٢٦٦٩)

"تم پہلی امتوں کے راستوں کی پیروی کرتے ہوئے یوں ان کی برابری کرو گے جیسے تیر کا ایک پر دوسرے پر کے برابر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر وہ ضب (سانڈے) کے بل میں گھسے تو تم بھی جا گھسو گے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کی مراد یہود و نصاری ہیں؟ آپ نے فرمایا: اور کون؟"[1]

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ زَوٰى لِيَ الأَرْضَ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا، وَإِنَّ أُمَّتِي سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زُوِيَ لِي مِنْهَا، وَأُعْطِيتُ الْكَنْزَيْنِ: الأَحْمَرَ وَالأَبْيَضَ، وَإِنِّي سَأَلْتُ رَبِّي لأُمَّتِي أَنْ لاَّ يُهْلِكَهَا بِسَنَةٍ عَامَّةٍ، وَّأَنْ لاَّ يُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِّنْ سِوٰى أَنْفُسِهِمْ، فَيَسْتَبِيحَ بَيْضَتَهُمْ، وَإِنَّ رَبِّي قَالَ: يَا مُحَمَّدُ! إِنِّي إِذَا قَضَيْتُ قَضَاءً فَإِنَّهُ لاَ يُرَدُّ، وَإِنِّي أَعْطَيْتُكَ لأُمَّتِكَ أَنْ لاَّ أُهْلِكَهُمْ بِسَنَةٍ عَامَّةٍ، وَّأَنْ لاَّ أُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِّنْ سِوٰى أَنْفُسِهِمْ فَيَسْتَبِيحَ بَيْضَتَهُمْ، وَلَوِ اجْتَمَعَ عَلَيْهِمْ مَّنْ بِأَقْطَارِهَا، حَتّٰى يَكُونَ بَعْضُهُمْ يُهْلِكُ بَعْضًا وَّيَسْبِي بَعْضُهُمْ بَعْضًا»(صحيح مسلم، الفتن، باب هلاك هذه الأمة بعضهم

---

[1] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "لَتَتَّبِعُنَّ" کا لفظ بول کر قسمیہ انداز میں انتہائی تاکید کے ساتھ یہ پیش گوئی فرمائی کہ یہ امت پہلی امتوں کے راستوں کی پیروی ضرور کرے گی اور اس طرح ان سے برابری کرے گی جیسے تیر کا ایک پَر دوسرے پَر کے بالکل برابر ہوتا ہے۔ دونوں کے مابین کچھ فرق نہیں ہوتا۔

اس پورے باب کا انحصار اور دارومدار اس حدیث پر ہے' اس سے معلوم ہوا کہ سابقہ امتوں نے جس جس قسم کے کفر و شرک کا ارتکاب کیا یہ امت بھی ویسا ہی کفر و شرک ضرور کرے گی۔

ببعض، ح: ۲۸۸۹)

"اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو اس حد تک سمیٹ اور سکیڑ دیا کہ میں نے اس کے مشرق و مغرب دیکھ لیے۔ میری امت کی حکومت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک زمین مجھے سمیٹ کر دکھائی گئی۔ اور مجھے سفید (چاندی) اور سرخ (سونا) دو خزانے عطا کیے گئے۔ اور میں نے اپنی امت کے لیے اپنے رب سے دعا کی کہ وہ عام قحط سالی سے اسے ہلاک نہ کرے۔ اور ان پر کوئی ایسا بیرونی دشمن بھی مسلط نہ کرے جو انھیں تباہ کر کے رکھ دے۔ میرے رب نے فرمایا: اے محمد (ﷺ!) جب میں کوئی فیصلہ کر دیتا ہوں تو اسے ٹالا نہیں جا سکتا۔ میں آپ کی امت کے بارے میں آپ کی یہ دعا قبول کرتا ہوں کہ میں انہیں عام قحط سالی سے ہلاک نہیں کروں گا اور ان پر کوئی ایسا بیرونی دشمن بھی مسلط نہیں کروں گا جو انھیں تباہ کر کے رکھ دے اگرچہ سارے دشمن ان کے خلاف متحد اور مجتمع کیوں نہ ہو جائیں۔ البتہ یہ خود آپس میں ایک دوسرے کو ہلاک کریں گے اور ایک دوسرے کو قیدی بھی بنائیں گے۔"

اور اس حدیث کو امام حافظ البرقانی رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب "الصحیح" میں روایت کیا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے:

«وَإِنَّمَا أَخَافُ عَلٰى أُمَّتِي الأَئِمَّةَ الْمُضِلِّينَ، وَإِذَا وَقَعَ عَلَيْهِمُ السَّيْفُ لَمْ يُرْفَعْ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَلَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَلْحَقَ حَيٌّ مِّنْ أُمَّتِي بِالْمُشْرِكِينَ، وَحَتّٰى تَعْبُدَ فِئَامٌ مِّنْ أُمَّتِي الْأَوْثَانَ، وَإِنَّهُ سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي كَذَّابُونَ ثَلَاثُونَ، كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ، وَّأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ، لَا نَبِيَّ بَعْدِي، وَلَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي عَلَى الْحَقِّ مَنْصُورَةً، لَا يَضُرُّهُمْ مَّنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى»(سنن أبي داود، الفتن والملاحم، باب ذكر الفتن ودلائلها، ح: ٤٢٥٢ ومسند أحمد: ٥/ ٢٧٨، ٢٨٤)

"مجھے اپنی امت کے بارے میں صرف گمراہ پیشواؤں کا خدشہ ہے۔ اور جب ان میں

ایک دفعہ تلوار چل پڑی تو قیامت تک بند نہ ہو گی اور قیامت اس وقت تک بپا نہیں ہو گی جب تک میری امت کی ایک بڑی جماعت مشرکین سے نہ جا ملے اور میری امت کے بہت سے گروہ بت پرستی نہ کرنے لگیں۔ اور میری امت میں تیس (۳۰) دجال پیدا ہوں گے۔ وہ سب نبوت کا دعویٰ کریں گے' حالانکہ میں آخری نبی ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اور میری امت میں ایک گروہ ہمیشہ (قیامت تک) حق پر رہے گا اور ان کی (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) مدد کی جائے گی۔ اور ان کا ساتھ چھوڑ جانے والے ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم (قیامت) آجائے۔" [1]

مسائل

(۱) اس بحث سے سورۂ نساء کی آیت (۵۱)

(۲) اور سورۂ مائدہ کی آیت (۶۰)

(۳) اور سورۂ کہف کی آیت (۲۱) کی تفسیر معلوم ہوئی۔ (اول الذکر آیت میں ذکر ہے کہ اہل کتاب نے بتوں اور شیطان کی پوجا کی۔ دوسری آیت میں بیان ہے کہ طاغوت کی بندگی کرنے والوں یعنی مشرکین کا انجام فاسقوں سے بھی بد تر ہوا۔ اور تیسری آیت میں بیان ہے کہ لوگوں نے اصحاب کہف کے غار اور قبروں پر مسجد بنانے جیسے مذموم

---

[1] گمراہ پیشواؤں سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں انسانوں نے دین یا سلطنت میں اپنے پیشوا بنا رکھا ہے جن کے ہاتھ میں انسانوں کی باگ ڈور ہے اور وہ بدعات و شرکیات کے ذریعے گمراہی پھیلاتے اور لوگوں کی نظروں میں اس قدر مستحسن کرکے دکھاتے ہیں کہ وہ انہیں حق ہی سمجھنے لگتے ہیں۔ اس حدیث میں اس جماعت کو "منصورہ" کہا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجت و برہان کے ذریعے ان کی مدد کی جائے گی۔ اس مدد سے مراد' شمشیر و سنان کی مدد نہیں اس لیے کہ اگرچہ بعض معرکوں میں انہیں ہزیمت سے دو چار ہونا پڑے یا ان کی حکومت و سلطنت ختم ہو جائے مگر اس کے باوجود وہ اپنے دلائل' نصوص' موقف کی پختگی اور درستی کی بنا پر سچے ہوں گے اور ان کے معاندین و مخالفین باطل پر ہوں گے۔

عمل کا ارتکاب کیا۔)

۴ "جبت" (بت) اور طاغوت (شیطان) پر ایمان لانے کا مفہوم اچھی طرح واضح ہوا کہ اس سے صرف قلبی اعتقاد مراد ہے یا ان سے نفرت اور ان کے بطلان کا عقیدہ رکھتے ہوئے بظاہر ان کی موافقت؟

۵ یہود کی یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اپنے کفر سے واقف کفار' اہل ایمان سے زیادہ صحیح راہ پر ہیں۔

۶ معلوم ہوا کہ اس امت میں بھی وہی برائیاں پائی جاتی ہیں جو گزشتہ امتوں میں تھیں' جیسا کہ ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بیان ہے۔

۷ اس امت کے بہت سے لوگ بت پرستی میں مبتلا ہوں گے۔

۸ تعجب خیز بات تو یہ ہے کہ مختار ثقفی جیسا شخص نبوت کا دعویٰ کرنے لگا حالانکہ وہ توحید و رسالت کا معترف اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے کا دعویٰ کرتا اور مانتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برحق اور قرآن کریم سچی کتاب ہے۔ اور اس قرآن میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں۔ اس کی باتوں میں اس قدر واضح تضاد کے باوجود لوگ اس کی تصدیق کرتے رہے۔ یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے آخری دور میں ظاہر ہوا اور بہت سے لوگوں نے اس کی پیروی کی۔

۹ اس حدیث میں یہ بشارت بھی ہے کہ امت محمدیہ سے کلی طور پر حق مٹ نہیں جائے گا جیسا کہ سابقہ زمانوں میں متعدد مرتبہ ایسا ہوا بلکہ اس کے برعکس اس امت میں ایک جماعت حق پر قیامت تک قائم رہے گی۔

۱۰ اس میں ایک پیش گوئی اور اہل حق کی ایک علامت یہ بیان ہوئی ہے کہ اہل حق کی قلت کے باوجود ان کا ساتھ چھوڑ جانے والے اور ان کی مخالفت کرنے والے ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے۔

۱۱ یہ پیش گوئی وجود قیامت تک برقرار رہے گی۔

۱۲ اس حدیث میں مندرجہ ذیل اہم باتیں بطور خاص بیان ہوئی ہیں:

* نبی ﷺ کا فرمان: اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کے مشارق و مغارب سمیٹ اور سکیڑ دیے۔ نبی ﷺ نے جو کچھ بیان فرمایا وہ حرف بحرف صحیح ثابت ہوا بخلاف شمال و جنوب کے (کہ نبی ﷺ نے ان کا ذکر ہی نہیں فرمایا)
* آپ کا یہ فرمان کہ مجھے دو خزانے عطا کیے گئے ہیں۔ ایک سفید (چاندی) اور ایک سرخ (سونا) (گویا ساری دنیا کے خزانے دیے گئے)۔
* نبی ﷺ نے یہ خبر دی کہ امت کے بارے میں آپ کی پہلی دو دعائیں قبول ہو گئی ہیں۔
* اور تیسری دعا قبول نہیں ہوئی۔
* نبی ﷺ نے یہ پیش گوئی بھی فرمائی کہ جب اس امت میں تلوار چلی تو قیامت تک نہ رکے گی۔
* نبی ﷺ نے یہ بتایا کہ میری امت کے لوگ ایک دوسرے کو ہلاک کریں گے اور ایک دوسرے کو قیدی بھی بنائیں گے۔
* نبی ﷺ نے اپنی امت کے بارے میں گمراہ پیشواؤں کا خدشہ بھی ظاہر کیا۔
* نبی ﷺ نے یہ خبر دی کہ اس امت میں نبوت کے جھوٹے دعوے دار (جھوٹے نبی) پیدا ہوں گے۔
* آپ کا خبر دینا کہ ایک منصورہ (اللہ کی طرف سے مدد کی ہوئی) جماعت قیامت تک موجود رہے گی۔

نبی ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق یہ تمام باتیں حرف بحرف پوری ہوئی ہیں' حالانکہ عقلی طور پر ان تمام باتوں کا وقوع پذیر ہونا بڑا مشکل اور بہت بعید ہے۔

(۱۳) نبی ﷺ نے امت کے صرف گمراہ پیشوا طبقہ سے ضلالت و گمراہی کا خطرہ محسوس کیا۔ (ہدایت یافتہ پیشواؤں سے نہیں)

(۱۴) عبادت اوثان یعنی بت پرستی کا صحیح معنی اور حقیقی مفہوم بھی اچھی طرح واضح ہوا۔

باب : ۲۳

جادو کا بیان [1]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَقَدْ عَلِمُوا۟ لَمَنِ ٱشْتَرَىٰهُ مَا لَهُۥ فِى ٱلْـَٔاخِرَةِ مِنْ خَلَـٰقٍ ﴾

(البقرہ ۲/ ۱۰۲)

"اور وہ خوب جانتے تھے کہ اس (جادو) کو خریدنے یعنی سیکھنے والے کے لیے آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔" [2]

---

[1] جادو بھی شرک اکبر کی اقسام میں سے ہے اور توحید کے منافی ہے۔

جادو کی حقیقت: اس کی اصل حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کی تاثیر میں شیطان سے خدمت لی جاتی ہے۔ کوئی جادوگر جب تک شیطان کا دوست، مقرب اور محبوب نہ ہو، اس کا جادو کارگر نہیں ہو سکتا۔ جب وہ شیطان کا مقرب بن جاتا ہے تو شیاطین اس طرح اس کی خدمت کرتے ہیں کہ وہ مسحور (جس پر جادو کیا جائے اس) کے بدن پر اثر انداز ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا کوئی جادوگر شیاطین کے تقرب کے بغیر جادوگر نہیں بن سکتا۔ اسی لیے جادو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے:

﴿ وَمِن شَرِّ ٱلنَّفَّـٰثَـٰتِ فِى ٱلْعُقَدِ ﴿٤﴾ ﴾ (الفلق ۱۱۳/ ۴)

"(آپ کہہ دیں کہ میں دھاگے پروئی گئی) گانٹھوں پر پھونک مارنے والی (عورتوں یعنی جادوگرنیوں کے شر سے (پناہ مانگتا ہوں)"۔

"نَفَّاثَات": یہ "نَفَّاثَةٌ" کی جمع اور "نَفَثَ" سے مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی پھونک مارنا۔ "نَفَّاثه" جادوگرنی کو کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنا عمل کرتے ہوئے گانٹھوں پر پھونکیں مارتی ہے اور مختلف کلمات و الفاظ پڑھ کر جنات سے مدد اور خدمت کی طالب ہوتی ہے تاکہ وہ مسحور کے بدن پر اثر انداز ہو سکے۔

[2] جادوگر توحید کے عوض جادو خریدتا ہے۔ گویا وہ توحید کو اپنے اس سودے (جادو) کی قیمت کے طور پر ادا کر ڈالتا ہے۔ اسی لیے توحید سے محروم مشرک کی طرح جادوگر کے لیے بھی آخرت میں کچھ نہیں ہوگا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی بابت فرمایا:

﴿ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ﴾ (النساء٤/ ٥١)

''وہ جادو اور شیطان پر ایمان رکھتے تھے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«اَلْجِبْتُ: السِّحْرُ، وَالطَّاغُوْتُ: الشَّيْطَانُ»(أخرجه الطبري في التفسير، برقم: ٥٨٣٤)

''یعنی ''الجبت'' کا معنی جادو اور ''الطاغوت'' سے مراد شیطان ہے۔''[1]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«اَلطَّوَاغِيتُ كُهَّانٌ كَانَ يَنْزِلُ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ، فِي كُلِّ حَيٍّ وَّاحِدٌ» (أخرجه ابن أبي حاتم في التفسير كما في الدر المنثور: ٢/ ٢٢ ورواه البخاري في الصحيح معلقًا، فتح الباري: ٨/ ٣١٧)

''طاغوت وہ کاہن ہیں جن پر شیطان اترتا تھا۔ اور ہر قبیلے کا الگ الگ کاہن ہوتا تھا۔''

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ، قَالُوا: يَارَسُوْلَ اللهِ! وَمَاهُنَّ؟ قَالَ: الشِّرْكُ بِاللهِ، وَالسِّحْرُ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلاَّ بِالْحَقِّ، وَأَكْلُ الرِّبَا، وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ، وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ،

---

[1] اہل کتاب کے جادو پر ایمان لانے کی بنا پر اس آیت میں ان کی مذمت کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کر کے ان پر ناراضی کا اظہار کیا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ جادو حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔ چونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیروں کو شریک کیا جاتا ہے' اس لیے ظاہر ہے کہ یہ شرک ہے۔ یہی حکم جادو کی تمام اقسام کا ہے جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ جبت کے مفہوم میں بہت سی اشیاء شامل ہیں۔ اور یاد رہے! یہودیوں کی نسبت سے ان میں سب سے واضح جادو ہے کیونکہ وہ جادو پر ایمان رکھتے ہیں اور طاغوت (شیطان) پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ طاغوت میں ہر وہ چیز شامل ہے جس کی اطاعت میں لوگ حق اور صواب سے دور نکل گئے۔

وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ»(صحيح البخاري، الوصايا، باب قوله تعالى ﴿إن الذين يأكلون أموال اليتامىٰ ظلما﴾ ح:٢٧٦٦، ٥٧٦٤ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الكبائر وأكبرها، ح:٨٩)

”سات مہلک کاموں سے بچ کر رہو۔“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ سات کام کون کون سے ہیں؟ آپ نے فرمایا:

① اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا

② جادو کرنا

③ اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق قتل کرنا

④ سود خوری

⑤ یتیموں کا مال کھانا

⑥ کفار سے مقابلے کے دن پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا۔

⑦ پاک دامن اور عفت مآب اہل ایمان عورتوں پر تہمت طرازی۔“ ①

جندب رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے (یعنی وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں) کہ آپ نے فرمایا:

«حَدُّ السَّاحِرِ ضَرْبَةٌ بِالسَّيْفِ»(جامع الترمذي، الحدود، باب حد الساحر، ح:١٤٦٠)

”جادوگر کی حد (سزا) یہ ہے کہ اسے تلوار سے قتل کر دیا جائے“۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ روایت موقوف (صحابی کا قول) ہے۔ ②

---

① اس حدیث سے ثابت ہوا کہ یہ سب کام مہلک اور دنیا و آخرت میں تباہی و خسارے کا سبب ہیں۔ اور یہ سب کبیرہ گناہ ہیں۔ اس حدیث میں شرک کے معاً بعد جادو کے ذکر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جادو بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کے برابر ہے۔

② جادوگر کسی بھی نوعیت کا ہو اس کی سزا قتل ہی ہے۔ درحقیقت یہ مرتد کی سزا ہے اور چونکہ جادو میں شرک لازمی طور پر پایا جاتا ہے اور شرک کا ارتکاب کرنے والا مرتد ہوتا ہے اور اس کا خون اور مال ⬅

بجالہ بن عبدۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں لکھا:

«اُقْتُلُوا كُلَّ سَاحِرٍ وَّسَاحِرَةٍ، قَالَ: فَقَتَلْنَا ثَلَاثَ سَوَاحِرَ»(صحيح البخاري، الجزية والموادعة، باب الجزية والموادعة مع أهل الذمة والحرب، ح:٣١٥٦ وسنن أبي داود، الخراج، باب في أخذ الجزية من المجوس، ح:٣٠٤٣ ومسند أحمد:١/ ١٩٠، ١٩١ واللفظ له)

"ہر جادوگر مرد اور عورت کو قتل کر دو۔ آگے بجالہ کہتے ہیں سو ہم نے تین جادوگرنیوں کو قتل کیا۔"

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے:

«أَنَّهَا أَمَرَتْ بِقَتْلِ جَارِيَةٍ لَّهَا سَحَرَتْهَا، فَقُتِلَتْ، وَكَذٰلِكَ صَحَّ عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ أَحْمَدُ: عَنْ ثَلَاثَةٍ مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ»(الموطأ للإمام مالك، العقول، باب ما جاء في الغيلة والسحر، ح:٤٦)

"ان کی ایک لونڈی نے انہیں جادو کر دیا تو انہوں نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا' چنانچہ اسے قتل کر دیا گیا تھا۔

اسی قسم کا قول جندب رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جادوگر کو قتل کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تین صحابہ (جندب' عمر اور حفصہ) رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے"۔ ①

⟸ حلال ہو جاتے ہیں (اس کی عزت و عصمت اور حرمت و حفاظت باقی نہیں رہتی) اس لیے جادوگر کی یہ سزا اس کے مشرک اور مرتد ہونے کی بنا پر ہے۔

① جادو خواہ کسی بھی قسم کا ہو:

ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بلا تفریق ہر جادوگر کو قتل کرنے کا حکم اور فتویٰ صادر فرمایا خواہ جادو کسی بھی قسم کا ہو۔ لہٰذا مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ ہر قسم کے جادو سے اجتناب کریں۔ اور انہیں جس کے بارے میں علم ہو کہ وہ شعبدہ بازی (جادو) کرتا ہے اس تک اور دوسرے لوگوں تک بھی یہ اسلامی تعلیمات پہنچا کر اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو کر برائی کا قلع قمع کریں۔

ائمہ کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جس علاقہ میں جادوگروں کا عمل دخل شروع ہو جائے وہاں فساد' ظلم' زیادتی اور سرکشی کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔

مسائل

① اس باب میں سورۂ بقرہ کی آیت ۱۰۲ کی تفسیر ہے جس میں جادوگروں کا انجام بیان کیا گیا ہے۔
② نیز اس باب سے سورۂ نساء کی آیت ۵۱ کی تفسیر بھی ہوئی جس میں بیان ہے کہ یہود' جادو اور شیطان پر ایمان رکھتے ہیں۔
③ جبت اور طاغوت کے معانی اور ان کے مابین فرق بھی واضح ہوا۔
④ طاغوت' جن بھی ہوتے ہیں اور انسان بھی۔
⑤ مذکورہ حدیث سے ان سات کاموں کا بھی علم ہوا جو انتہائی مہلک اور خاص طور پر ممنوع ہیں۔
⑥ جادوگر کافر ہے۔
⑦ جادوگر کو فوراً قتل کر دیا جائے اور اسے توبہ اور رجوع کی مہلت بھی نہ دی جائے۔
⑧ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی جادوگر موجود تھے تو اس سے بعد کے ادوار میں کیا حال ہو گا؟

باب : ۲۴

جادو کی بعض اقسام کا بیان [1]

قبیصہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ الْعِيَافَةَ وَالطَّرْقَ وَالطِّيَرَةَ مِنَ الْجِبْتِ»

(سنن أبي داود، الكهانة والتطير، باب في الخط وزجر الطير، ح: ٣٩٠٧)

"پرندوں کو اڑا کر فال لینا' زمین پر لکیریں کھینچنا (علم رمل) اور کسی چیز کو دیکھ کر بدفالی (بدشگونی) لینا' یہ سب جادو کی اقسام ہیں۔"

عوف کہتے ہیں "العِيَافَة" سے مراد ہے پرندوں کو اڑا کر فال لینا' اور "الطَّرْقُ" سے زمین پر لکیریں کھینچنا مراد ہے۔ یہ علم آج کل "علم رمل" کہلاتا ہے۔ [2]

حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں: شیطانی آہ وبکاء اور چیخ پکار "جبت" ہے۔ [3]

---

[1] لغوی طور پر جادو لفظ عام ہے۔ جس طرح اس میں یہ خاص مفہوم شامل ہے کہ جادوگر اپنی خدمت کے لیے شیاطین سے مدد کا خواستگار اور ان کی عبادت کر کے ان کے تقرب کا خواہش مند ہوتا ہے' اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے علاوہ بعض ایسی چیزوں کو بھی جادو ہی کہا ہے جو درحقیقت جادو نہیں اور نہ ہی ان پر جادو والے حکم کا اطلاق ہوتا ہے۔ گویا اس کے درجات مختلف ہیں۔ جادو کی ان اقسام میں فرق جاننا انتہائی ضروری ہے۔ جادو کی انہی اقسام میں تفریق کے لیے امام (مصنف) رحمہ اللہ نے یہ باب قائم کیا ہے۔

[2] ابوداود' الكهانة والتطير' باب في الخط وزجر الطير' حدیث: 3908

[3] (مسند احمد' ۳/۴۷۷' ۵/۶۰) عوف رحمہ اللہ کی تفسیر کے مطابق "عیافہ" کا معنی پرندوں کو اڑا کر فال لینا ہے جیسا کہ مشرکین مکہ کیا کرتے تھے کہ جب کوئی آدمی کسی آدمی کی طرف جانا چاہتا تو پرندے کو اڑا کر دیکھتا کہ وہ اڑ کر کس طرف جاتا ہے اور جس طرف وہ جانا چاہتا پرندے کو اسی طرف اڑانے کی کوشش کرتا۔ اگر تو وہ پرندہ اسی طرف اڑ کر جاتا تو وہ آدمی یہ سمجھتا کہ اس کا کوئی کام بخوبی انجام پائے گا اور اگر پرندہ مخالف سمت میں اڑ کر جاتا تو وہ سمجھتا کہ وہ اپنے مقصد میں ناکام ہوگا۔ اسی عمل اور طریقے ←

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِّنَ النُّجُومِ فَقَدِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِّنَ السِّحْرِ، زَادَ مَا زَادَ» (سنن أبي دواد، الكهانة والتطير، باب في النجوم، ح: ٣٩٠٥)

''جس نے علم نجوم کا کچھ حصہ سیکھا' اس نے اسی قدر جادو سیکھا۔ جتنا زیادہ سیکھتا جائے' اس کی وجہ سے گناہ میں اتنا ہی اضافہ ہوتا جائے گا۔''[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«مَنْ عَقَدَ عُقْدَةً، ثُمَّ نَفَثَ فِيهَا فَقَدْ سَحَرَ، وَمَنْ سَحَرَ فَقَدْ أَشْرَكَ، وَمَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُّكِلَ إِلَيْهِ»(سنن النسائی، تحریم الدم، باب الحكم في السحرة، ح: ٤٠٨٤)

''جس نے گرہ باندھ کر اس پر پھونک ماری' تحقیق اس نے جادو کیا۔ اور جس نے جادو

سے وہ لوگ مستقبل کے بارے میں بھی شگون لیتے کہ آئندہ حالات خوشگوار ہوں گے یا پریشان کن۔
اسے جبت یعنی جادو کی ایک قسم کہا گیا ہے کیونکہ پیچھے گزر چکا ہے کہ جبت ہر اس گھٹیا اور رذیل چیز کو کہا جاتا ہے جو کسی کو حق سے روک اور ہٹا دے۔ چونکہ عیافہ بھی کسی کام سے رک جانے یا کر لینے کا سبب ہے اور جس طرح جادو اپنے اندر ایک خاص اثر رکھتا ہے اسی طرح عیافہ کا عمل بھی کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے میں اثر انداز ہوتا ہے اس لیے اسے جبت اور جادو کی قسم کہا گیا ہے۔
''الطیرۃ'' کا مفہوم عیافہ سے وسیع ہے کیونکہ عیافہ کے بہت سے معانی میں سے عوف رحمہ اللہ کے مقرر کردہ ایک معنی کے مطابق یہ عمل صرف پرندوں کے ساتھ خاص ہے جبکہ ''طیرہ'' سے ہر وہ چیز مراد ہے جس سے بدفالی اور بدشگونی لی جاتی ہے۔ آئندہ مستقل بحث میں اس کا ذکر ہو گا ان شاء اللہ۔
''الطرق'' کا معنی زمین پر خط کھینچنا ہے۔ کاہن یا شعبدہ باز زمین پر لکیریں کھینچتا ہے پھر ایک ایک یا دو دو لکیروں کو تیزی کے ساتھ ہاتھ سے مٹاتا ہے جو لکیریں باقی رہ جاتی ہیں ان کو دیکھ کر کہتا ہے کہ اس لکیر سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ہو گا اور یہ لکیر بتاتی ہے کہ ایسا ہو گا۔ یہ کہانت ہے اور کہانت جادو ہی کی قسم ہے۔

[1] اس سے ثابت ہوا کہ ''علم نجوم'' جادو کی قسم ہے۔ آئندہ ایک مستقل باب میں بیان ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے ستارے کس لیے پیدا فرمائے ہیں۔

کیا وہ شرک کا مرتکب ہوا۔ اور جو کوئی (اپنے گلے' ہاتھ' بازو وغیرہ پر) کوئی چیز (باندھے یا) لٹکائے تو اسے اسی کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔''[1]

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَلاَ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ مَا الْعَضْهُ؟ هِيَ النَّمِيمَةُ: الْقَالَةُ بَيْنَ النَّاسِ»(صحيح مسلم، البر والصلة ولادب، باب تحريم النميمة ح:٢٦٠٦ ومسند احمد، ١/ ٤٣٧)

''کیا میں تمہیں نہ بتلاؤں کہ جادو کیا ہے؟ (پھر خود ہی فرمایا) وہ چغلی ہے یعنی لوگوں کے درمیان (فتنہ اور لڑائی) کی باتیں کرنا۔''[2]

---

[1] گرہ باندھ کر اس پر پھونک مارنے سے مراد یہ ہے کہ شیاطین سے مدد لینے اور جنات کو حاضر کرنے کے لیے کوئی کلام پڑھ کر اس پر پھونک مارنا' لہٰذا گرہ پر ہر قسم کی پھونک مارنے کو جادو نہیں کہا جائے گا۔ واضح رہے کہ جب کوئی جادوگر گانٹھ دے کر اس پر پھونک مارتا ہے تو جن اس جادوگر کی خدمت کرتا اور اس پر اثر انداز ہوتا ہے۔ جادوگروں کا خیال ہے کہ جب تک وہ گانٹھ نہ کھلے' جادو کا اثر زائل نہیں ہو سکتا۔ جادوگر جس مقصد کے لیے جادو کرتا ہے وہ اس گانٹھ اور پھونک دونوں کے اجتماع سے حاصل ہوتا ہے۔ گانٹھ بسا اوقات بڑی اور واضح ہوتی ہے۔ اور بعض اوقات معمولی اور اس قدر چھوٹی ہوتی ہے کہ بڑی مشکل سے نظر آتی ہے۔ پس جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق جوڑ لیا اس کے لیے وہی کافی ہے اور جس نے غیراللہ کے ساتھ تعلق جوڑا اسے اسی کے حوالے کر دیا جاتا ہے' حالانکہ ہر مخلوق اللہ تعالیٰ ہی کی محتاج ہے اور اللہ تعالیٰ ہی فضل و انعام کرنے والا ہے' جیسا کہ اس نے فرمایا:

﴿ ۞يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ أَنتُمُ ٱلْفُقَرَآءُ إِلَى ٱللَّهِ ۖ وَٱللَّهُ هُوَ ٱلْغَنِىُّ ٱلْحَمِيدُ ﴿١٥﴾ ﴾ (الفاطر ٣٥/ ١٥)

''لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور صرف وہی اللہ سب سے مستغنی اور تعریفوں کے لائق ہے۔''

[2] پیش نظر حدیث میں لفظ ''العَضْه'' وارد ہوا ہے۔ اس کا اطلاق جادو وغیرہ متعدد اشیاء پر ہوتا ہے۔ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا معنی ''چغلی'' بیان فرمایا ہے جس سے لوگوں کے درمیان فتنہ اور لڑائی ہو جائے۔

چغلی اور جادو میں وجہ مشابہت یہ ہے کہ دو دوستوں میں تفریق یا دو دشمنوں کے درمیان محبت کرنے میں جادو کی خاص تاثیر ہوتی ہے جو انتہائی مخفی اور پوشیدہ ہوتی ہے۔ اسی طرح چغل خور بھی اپنی بات کے ذریعہ دوستوں کے درمیان تفریق اور دوریاں پیدا کرتا ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا»(صحيح البخاري، النكاح، باب الخطبة، ح:٥١٤٦، ٥٧٦٧ ومسند أحمد: ٢/١٦، ٥٩، ٦٣، ٩٤)

''کسی کسی کے بیان کرنے میں بھی جادو کی سی تاثیر ہوتی ہے۔''[1]

مسائل

① اس باب سے معلوم ہوا کہ ''العِيَافَة'' ''الطَّرْق'' اور ''الطِّيَرَة'' سب جادو کی اقسام ہیں۔
② ان تینوں کا معنی و مفہوم بھی خوب واضح ہوا۔
③ علم نجوم جادو ہی کی ایک صورت ہے۔
④ گرہ لگانا اور پھونک مارنا بھی جادو کی ایک شکلیں ہیں۔
⑤ چغلی بھی جادو کی ایک صورت ہے۔
⑥ بعض لوگوں کا فصیح و بلیغ کلام' بسا اوقات جادو کی سی تاثیر رکھتا ہے۔

---

[1] بعض فصیح الفاظ کانوں اور دلوں پر جادو کی طرح اثر کرتے ہیں جس سے انسان حق کو باطل یا باطل کو حق سمجھنے لگتا ہے۔ اس حدیث کی شرح میں اہل علم کے متعدد اقوال ہیں۔ ان میں سے صحیح قول یہ ہے کہ اس حدیث میں جادو کی طرح اثر انداز ہونے والے بیان کی مدح نہیں بلکہ مذمت ہے۔
چونکہ اس باب میں حرام کی مختلف اقسام بیان کی گئی ہیں اس لیے شیخ رحمہ اللہ نے اس باب میں یہ حدیث بھی بیان کر دی ہے۔

باب : ۲۵

نجومیوں اور غیب کا دعوی کرنے والوں کا بیان ①

بعض ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے روایت ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ أَتٰى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ فَصَدَّقَهُ، لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ أَرْبَعِينَ يَوْمًا»(صحيح مسلم، السلام، باب تحريم الكهانة وإتيان الكهان، ح: ٢٢٣٠ دون قوله فصدقه فهو عند أحمد في المسند: ٤/ ٦٨، ٥/ ٣٨٠)

---

① کہانت یعنی غیب کی خبریں جاننے کا دعویٰ کرنا اور لوگوں کو غیب کی خبریں دینا توحید کے منافی ہے۔ کاہن درحقیقت مشرک ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ جنات کی عبادت کر کے' ان کا تقرب اور خوشنودی حاصل کر کے ان کی خدمات حاصل کرتا ہے جس کے نتیجے میں وہ اسے بعض پوشیدہ اور مخفی باتیں بتا جاتے ہیں۔ قبل از اسلام بنیادی طور پر کاہن وہ ہوتے تھے جن کے متعلق لوگوں کا اعتقاد ہوتا کہ وہ نیک اور اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں اور مستقبل میں' زمین پر یا کسی کے ساتھ جو امور پیش آنے والے ہیں وہ ان سے واقف ہیں۔ اس لیے لوگ ان کاہنوں سے ڈر کر ان کی خوب تعظیم کیا کرتے تھے۔

اس کی اصل حقیقت یوں ہے کہ جنات' چوری چھپے' فرشتوں کی آپس میں ہونے والی گفتگو سن کر ان کاہنوں اور نجومیوں کو آکر بتا جاتے۔ اس کی تین صورتیں ہوتی تھیں:

(الف) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل ایسا بکثرت ہوتا کہ جنات' فرشتوں کی آپس میں ہونے والی گفتگو سن لیتے۔

(ب) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد کوئی جن' فرشتوں کی باتیں نہ سن سکا۔ اگر کبھی شاذ و نادر ایسا ہوا بھی تو وہ اللہ کی وحی کے ماسوا ان کی آپس کی ہونے والی عام گفتگو ہی سن سکا۔

(ج) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد جنات کے لیے فرشتوں کی گفتگو سننے کے مواقع دوبارہ پیدا ہو گئے مگر پہلے کی مانند کثرت سے نہیں' کیونکہ مختلف شہاب ثاقبوں کے ذریعے آسمان کی خوب حفاظت کر دی گئی۔ "کاہن" کو "عراف' رمال" اور "مُنَجِّم" بھی کہا جاتا ہے۔

''جس نے کسی نجومی کے پاس جاکر کچھ دریافت کیا اور پھر اس کی بتائی ہوئی بات کو سچ سمجھا تو چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہ ہوگی۔ [1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَتٰی کَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ»(سنن أبي داود، الكهانة والتطهير، باب في الكهان، ح: ٣٩٠٤)

''جس شخص نے کسی کاہن کے پاس جاکر اس کی باتوں کی تصدیق کی تو اس نے اس دین کے ساتھ کفر کیا جو محمد ﷺ پر اتارا گیا۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے' نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَتٰی عَرَّافًا أَوْ كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ»(مسند أحمد: ٢/ ٤٢٩، والمستدرك للحاكم: ١/ ٨ وسنن الكبرى للبيهقي: ٨/ ١٣٥)

''جس نے کسی نجومی یا کاہن کے پاس جاکر اس کی باتوں کی تصدیق کی تو اس نے اس دین کے ساتھ کفر کیا جو محمد ﷺ پر اتارا گیا۔'' [2]

---

[1] شارحین نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ لفظ ''فَصَدَّقَهُ'' (اس کی بات کو سچ سمجھا) صحیح مسلم میں نہیں بلکہ مسند احمد میں ہے۔ چونکہ دونوں کی روایت ایک ہی ہے۔ اس لیے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اہل علم کے طریقہ کے مطابق ایک کے الفاظ کو دوسرے کی طرف منسوب کر دیا۔

نماز کی عدم مقبولیت کا مفہوم: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نجومیوں کے پاس جاکر ان سے احوال دریافت کرنا' ان کی باتوں کو سچ جاننا اتنا بڑا جرم ہے کہ چالیس دن تک ایسے شخص کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ نماز ادا کرے تو اس کی طرف سے ادا تو ہو جائے گی مگر اسے اس کا ثواب نہیں ملے گا۔ اور اس پر ان نمازوں کی قضا بھی واجب نہیں کیونکہ نجومی کے پاس جاکر اس سے احوال دریافت کرنے کا گناہ چالیس دنوں کی نمازوں کے ثواب کے برابر ہے اور یہ گناہ اس ثواب کو مٹا ڈالتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نجومی سے احوال دریافت کرنے والا اس کی باتوں کی تصدیق کرے یا نہ کرے' وہ بہرصورت گناہ گار ہے۔

[2] اس کی وجہ یہ ہے کہ کاہن' جادوگر' اور نجومی جھوٹ بولتے ہیں' سچ نہیں کہتے۔ یہ کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَطَيَّرَ أَوْ تُطُيِّرَ لَهُ أَوْ تَكَهَّنَ أَوْ تُكُهِّنَ لَهُ أَوْ سَحَرَ أَوْ سُحِرَ لَهُ، وَمَنْ أَتٰى كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ»(مسند البزار، ح:٣٠٤٤ ومجمع الزوائد، الطب، باب في السحر والكهانة . . . ، ح:٨٤٨٠)

''وہ شخص ہم میں سے نہیں جو فال نکالے' یا نکلوائے' کہانت کرے یا کرائے' جادو کرے' یا کرائے' اور جس کسی نے کاہن کے پاس جاکر اس کی باتوں کی تصدیق کی تو اس نے اس دین کا انکار کیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا۔''

اس حدیث کو بزار نے بسند جید روایت کیا ہے۔ جبکہ یہی حدیث' امام الطبرانی نے ''المعجم الاوسط'' میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ اس میں ''مَنْ اَتٰی کَاهِنًا'' سے آخر تک کے الفاظ نہیں ہیں۔ [1]

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ''عراف'' وہ ہے جو علامات کی روشنی میں چوری شدہ یا گم شدہ چیز کی نشان دہی یا اسی طرح کے دوسرے امور کی معرفت کا دعویٰ کرے۔

بعض اہل علم کہتے ہیں کہ ''عراف'' اور ''کاہن'' ایک ہی ہوتا ہے یعنی وہ شخص جو مستقبل میں رونما ہونے والے امور کی خبر دیتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ جو دل کی بات بتائے وہ ''کاہن'' کہلاتا ہے۔

⟸ اس حدیث کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اس میں ''کفر سے مراد' ملت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام سے خروج نہیں بلکہ محض گناہ مراد ہے۔'' (واللہ اعلم)

[1] ''لَیْسَ مِنَّا''...... ''وہ شخص ہم میں سے نہیں جو......'' کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ مذکورہ تمام اعمال حرام ہیں اور بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ اعمال کبیرہ گناہوں میں سے ہیں۔ کاہن کی باتوں کی تصدیق کرنے والے کے متعلق نبی علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اس نے دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کفر کیا۔ کیونکہ کاہن کی تصدیق کرنے سے شرک اکبر میں اس کا تعاون پایا جاتا ہے۔ یہ تو اس شخص کے بارے میں وعید ہے جو کاہن کے پاس جاکر اس سے کچھ دریافت کرے۔ رہا خود کاہن! تو اس کے متعلق ذکر کیا جاچکا ہے کہ وہ شرک اکبر کا مرتکب ہوتا ہے۔

ابوالعباس امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "عراف" ایک جامع لفظ ہے جس کا اطلاق "کاہن' نجومی' رمال " اور اس قسم کے تمام لوگوں پر ہوتا ہے۔ جو اپنے طریقوں سے بعض امور و واقعات کی خبر دیتے ہیں۔ [1]

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

جو لوگ حروف ابجد لکھ کر حساب کرتے اور نجوم (ستاروں) سے رہنمائی لیتے ہیں میرے خیال میں ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں آخرت میں کچھ نہیں۔ [2]

مسائل

① اس بحث سے معلوم ہوا کہ قرآن پر ایمان اور کاہنوں کی تصدیق یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کی متضاد ہیں' اس لیے یہ ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتیں۔

② اس باب میں یہ صراحت بھی ہے کہ کاہن کی تصدیق کرنا کفر ہے۔

③ کہانت کروانے والے۔

④ فال نکلوانے والے۔

⑤ اور جادو کروانے والے کا حکم بھی معلوم ہوگیا کہ وہ مسلمانوں میں سے نہیں ہیں۔

⑥ حروف ابجد لکھ کر حساب کرنے والوں کی مذمت بھی بیان ہوئی ہے۔

⑦ نیز اس باب میں "کاہن" اور "عراف" کے مابین فرق کی وضاحت کی گئی ہے۔

---

[1] فتاوی ابن تیمیہ: ۳۵/۱۷۳ کاہن بات کرتے اور بتاتے وقت یوں اظہار کرتا ہے گویا وہ یہ باتیں اپنے علم کی بنیاد پر کہہ رہا ہے۔ اس سے سامع دھوکا کھا جاتا ہے' حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا بلکہ اسے یہ علم جنات سے حاصل ہوتا ہے۔ مگر کمزور عقیدہ کے لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کاہنوں کے پاس خصوصی علم اور فن ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں۔ اس لیے وہ مستقبل کے احوال سے واقف ہیں۔

[2] مصنف عبدالرزاق: ۱۱/۲۶ والسنن الکبری للبیہقی: ۸/۱۳۹

باب: ٢٦

جادو ٹونے کے ذریعے جادو کا علاج کرنے کی ممانعت (١)

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے "نشرہ" یعنی جادو کے ذریعہ جادو کے علاج کی بابت دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

«هِيَ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ»(مسند أحمد بسندٍ جيدٍ: ٣/ ٢٩٤ وسنن أبي داود، الطب، باب في النشرة، ح: ٣٨٦٨)

"یہ شیطانی عمل ہے۔"

امام ابوداود رحمہ اللہ کہتے ہیں، امام احمد رحمہ اللہ سے یہی مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

"عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان سب کاموں کو ناجائز کہتے تھے۔" (٢)

---

(١) جس شخص پر جادو کا اثر ہو، اس کا علاج کرنے کو "النشرۃ" یعنی جادو اتارنا کہتے ہیں۔
اس کی دو قسمیں ہیں: جائز اور ناجائز
اگر مریض کے کسی عضو پر جادو کا اثر ہو، اس کا علاج قرآن کریم، ادعیہ مسنونہ، اور اطباء کی دواؤں سے کیا جائے تو یہ جائز ہے۔
"نشرہ ممنوعہ" یعنی جادو کا ناجائز علاج یہ ہے کہ جادو کے ذریعہ جادو کا علاج کیا جائے اور اس کا اثر زائل کیا جائے۔
ظاہر ہے کہ علاج کرنے والا بھی جادوگر ہی ہو گا جو اس سلسلہ میں جنات کی طرف رجوع کرے گا، ان سے مدد مانگے گا اور فریاد کرے گا کہ وہ جادو کرنے والے جنات کے جادو کا اثر ختم کریں لہٰذا یہ شرک ہے۔
حدیث ہے: لَا يَحُلُّ السِّحْرَ اِلَّا سَاحِرٌ کہ جادو کو (غیر شرعی طریقہ سے) جادوگر ہی زائل کر سکتا ہے۔
(٢) یعنی قرآنی تعویذات کے ذریعہ جادو کا علاج کرنے کو بھی انہوں نے ناجائز کہا ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں نے ابن مسیب رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ اگر کسی پر جادو کا اثر ہو یا کوئی ایسا ٹونا جس کے سبب وہ اپنی بیوی کے قریب نہ آ سکتا ہو تو کیا اس کا دفعیہ کرنا یا اس کو باطل کرنے کے لیے کلام استعمال کرنا درست ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ''اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس سے پڑھنے والے کا مقصود اصلاح ہے' نفع مند اور مفید شے کے استعمال کی ممانعت نہیں۔ [1]

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''جادوگر ہی جادو کو (غیر شرعی طریقے سے) زائل کر سکتا ہے۔'' [2]

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سحرزدہ سے جادو کو زائل کرنا ''نشرہ'' کہلاتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

ایک قسم تو یہ ہے کہ جادو کو جادو کے ذریعہ زائل کیا جائے۔ یہ ناجائز اور شیطانی عمل ہے۔ اس صورت میں جادو کا علاج کرنے والا اور جادو سے متاثر' دونوں شخص شیطان کا قرب حاصل کرنے کے لیے اس کے پسندیدہ کام کرتے ہیں اور وہ ایسے امور بجالاتے ہیں کہ شیطان خوش ہو کر سحرزدہ سے اپنا اثر ہٹالیتا ہے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول اسی معنی پر محمول کیا جائے گا۔ سحرزدہ سے جادو کا اثر زائل کرنے کی دوسری صورت یہ ہے کہ دم'

←!!!! لیکن اگر گلے میں تعویذات لٹکائے بغیر محض آیات و ادعیہ پڑھ کر اور پھونکنے سے علاج کیا جائے تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اسے جائز کہتے ہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دم کیا اور اس کی اجازت بھی دی ہے۔

[1] (صحیح بخاری' الطب' باب هل يستخرج السحر' ۴۹ (تعلیقاً)) ابن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کا مقصود یہ ہے کہ جادو کا جو علاج جائز کلمات' ادعیہ مسنونہ' قرآنی آیات اور مباح دوا کے ذریعے کیا جائے' وہ درست ہے۔ اس کی کوئی ممانعت نہیں۔ مگر جادو کا علاج جادو کے ذریعے کرنے کی اجازت ابن مسیب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ قطعاً نہیں دیتے۔

خلاصہ یہ کہ جادو' شرک کے ذریعے مؤثر اور اسی سے زائل بھی ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جادو کا علاج جادو کے ذریعے کرنے کی قطعاً اجازت نہیں۔ البتہ جائز شرعی دم کے ذریعے جادو کا اثر ختم کیا جاسکتا ہے۔

[2] (فتح الباری' ۱۰/ ۲۸۷)

تعوذات' ادویات اور جائز و مباح ادعیہ کے ساتھ اس کا علاج کیا جائے۔ یہ بلاشبہ جائز ہے۔[1]

مسائل

1. اس باب سے ثابت ہوا کہ جادو کے ذریعے جادو کا علاج کرنا منع ہے۔
2. اس باب میں وضاحت کے ساتھ جائز اور ناجائز علاج کا بیان کیا گیا ہے جس سے تمام اشکالات اور شبہات دور ہو جاتے ہیں۔

---

[1] (زاد المعاد ۴/ ۱۲۴'۱۸۱)

باب : ۲۷

بدفالی اور بد شگونی ⁽¹⁾

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ أَلَآ إِنَّمَا طَٰٓئِرُهُمۡ عِندَ ٱللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُونَ ﴿١٣١﴾ ﴾
(الأعراف۷/ ۱۳۱)

”خبردار! ان کی بد شگونی (نحوست) اللہ کے ہاں مقدر ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔ ⁽²⁾

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ قَالُواْ طَٰٓئِرُكُم مَّعَكُمۡۚ أَئِن ذُكِّرۡتُمۚ بَلۡ أَنتُمۡ قَوۡمٞ مُّسۡرِفُونَ ﴿١٩﴾ ﴾
(يسن۳۶/ ۱۹)

رسولوں نے کہا: تمہاری نحوست تمہارے ہی ساتھ ہے۔ کیا (تم یہ باتیں) اس لیے کرتے ہو کہ تمہیں نصیحت کی گئی ہے؟ بلکہ (حقیقت تو یہ ہے کہ) تم لوگ حد سے تجاوز کر چکے ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ عَدْوٰى وَلاَ طِيَرَةَ وَلاَ هَامَةَ وَلاَ صَفَرَ»(صحيح البخاري، الطب،

---

(1) یعنی کسی جانور یا پرندے یا اس کی کسی حرکت کو دیکھ کر اپنی کامیابی یا ناکامی پر بد فالی اور بد شگونی لینا یہ بھی توحید کے منافی اور شرک ہے۔

(2) یعنی انہیں کوئی فائدہ یا نقصان پہنچنا اللہ تعالیٰ کے ہاں مقدر ہے۔ کوئی چیز ان کے لیے برا یا نیک شگون نہیں رکھتی۔ جانوروں سے بد فالی اور بد شگونی لینا انبیاء و رسل کے دشمن مشرکین کی مذموم عادت ہے۔ اہل ایمان اپنے تمام امور کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔

باب لا هامة، ح:٥٧٥٧ وصحيح مسلم، السلام، باب لا عدوٰى ولا طيرة ولا هامة ولا صفر، ولا نوء ولا غول، ح:٢٢٢٠، زاد مسلم: "ولا نوء ولا غول")

''کوئی بیماری متعدی نہیں' بدفالی اور بد شگونی کی بھی کچھ حقیقت نہیں۔ نہ اُلو کا بولنا (کوئی برا اثر رکھتا) ہے اور نہ ہی ماہ صفر (منحوس) ہے۔''[1]

صحیح مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے: ''ستاروں کی تاثیر کا عقیدہ بھی بے اصل ہے اور بھوتوں کا بھی کوئی وجود نہیں۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ عَدْوٰى وَلاَ طِيَرَةَ وَيُعْجِبُنِي الْفَأْلُ قَالُوا: وَمَا الْفَأْلُ؟ قَالَ: الْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ»(صحيح البخاري، الطب، باب لا عدوٰى، ح:٥٧٧٦ وصحيح مسلم، السلام، باب الطيرة والفأل ح:٢٢٢٤)

کوئی بیماری متعدی نہیں۔ نہ بدفالی و بد شگونی کی کچھ حقیقت ہے البتہ مجھے فال پسند ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: فال سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: عمدہ اور بہترین بات (سن کر حسن انجام کی امید رکھنا)۔[2]

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بدفالی اور بد شگونی کا تذکرہ ہوا تو آپ نے فرمایا ان سب سے بہتر فال ہے اور یہ کسی مسلمان کو اس کے مقصود سے روک نہ دے۔ چنانچہ جب کوئی شخص ناپسندیدہ چیز دیکھے تو یہ دعا کرے:

«اَللّٰهُمَّ لاَ يَأْتِي بِالْحَسَنَاتِ إِلاَّ أَنْتَ، وَلاَ يَدْفَعُ السَّيِّئَاتِ إِلاَّ أَنْتَ

---

[1] یعنی کوئی بیماری از خود متعدی نہیں ہوتی بلکہ اگر کسی بیماری کا اثر دوسرے تک پہنچتا ہے تو محض اللہ عزوجل کے اذن اور حکم ہی سے۔ دور جاہلیت میں لوگوں کا یہی اعتقاد تھا کہ بیماری طبعی طور پر خود اثر انداز ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس اعتقاد کو باطل قرار دیا۔ اسی طرح بدفالی اور بد شگونی کی بھی کوئی حقیقت نہیں بلکہ یہ ایک دلی وہم ہوتا ہے ورنہ اللہ کی قضاء اور تقدیر میں اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

[2] فال یعنی نیک شگونی میں اللہ تعالیٰ پر حسن ظن ہوتا ہے جبکہ بدفالی میں اللہ تعالیٰ پر بدگمانی کی جاتی ہے۔ اس لیے فال یعنی نیک شگونی ممدوح ہے اور بدفالی مذموم۔

وَلاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ إِلاَّ بِكَ»(سنن أبي داود، الكهانة والتطير، باب في الطيرة، ح: ٣٩١٩)

"یااللہ! تیرے سوا کوئی بھلائیاں لا سکتا ہے نہ کوئی برائیوں کو دور کر سکتا ہے۔ اور تیری توفیق کے بغیر ہم میں بھلائی کی طاقت ہے نہ برائی سے بچنے کی ہمت۔"①

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلطِّيَرَةُ شِرْكٌ، اَلطِّيَرَةُ شِرْكٌ، وَمَا مِنَّا إِلاَّ وَلٰكِنَّ اللهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ»(سنن أبي داود، الكهانة والطيرة، باب في التطير، ح: ٣٩١٠ وجامع الترمذي، السير، باب ما جاء في الطيرة، ح: ١٦١٤)

"بدفالی شرک ہے' بدشگونی شرک ہے' اور ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جسے (بتقاضائے بشریت) ایسا وہم نہ ہوتا ہو مگر اللہ رب العزت توکل کی وجہ سے اس کو ہم سے رفع فرما دیتا ہے۔"②

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص اپنے کسی کام سے بدفالی کی بنا پر رکا اس نے شرک کیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا اس کا کفارہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کا کفارہ یہ دعا ہے:

«اَللّٰهُمَّ لاَ خَيْرَ إِلاَّ خَيْرُكَ، وَلاَ طَيْرَ إِلاَّ طَيْرُكَ وَلاَ إِلٰهَ غَيْرُكَ»(مسند أحمد: ٢/ ٢٢٠)

"یااللہ! تیری بھلائی کے علاوہ کوئی بھلائی نہیں۔ اور تیرے شگون کے علاوہ کوئی شگون

---

① "الطیرۃ" (بدشگونی و بدفالی) لفظ عام ہے۔ اس لفظ میں جہاں بدشگونی پر مشتمل اقوال شامل ہیں وہاں ایسے اعمال بھی اسی کے زمرے سے ہیں جن سے بدشگونی لی جاتی ہے۔ جبکہ انسان کو اپنے معاملات میں نیک فالی سے کام لینا چاہئے کیونکہ نیک فالی سے انسان کا دل فراخ رہتا اور شیطان کے وسوسے سے پیدا ہونے والی دلی تنگی دور ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب انسان اپنے دل میں نیک فالی پیدا کر لیتا ہے تو پھر شیطان کے وسوسے اس کے دل پر کوئی اثر نہیں کر سکتے۔

② بدشگونی و بدفالی لینا شرک اصغر ہے۔ بسا اوقات ایک مسلمان و موحد آدمی کے دل میں بھی ←

نہیں۔ اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں"۔ [1]

فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّمَا الطِّيَرَةُ مَا أَمْضَاكَ أَوْ رَدَّكَ»(مسند أحمد: ١/ ٢١٣)

"بد شگونی وہ ہے جو تجھے کسی کام کے کرنے پر آمادہ کرے یا اس سے روک دے۔"

مسائل

① اس باب میں سورۃ الاعراف کی آیت ۱۳۱ اور سورۂ یٰسٓ کی آیت ۱۹ کی تفسیر اور ان کا مفہوم بیان ہوا ہے۔

② اس باب کی احادیث میں امراض کے متعدی ہونے کی نفی ہے۔

③ اس میں بدفالی کی نفی بھی ہے۔

④ اور الو کی آواز سے بدفالی لینے کی ممانعت ہے۔

⑤ اور ماہ صفر کی نحوست کے عقیدہ کی بھی نفی ہے۔

⑥ اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ نیک فالی منع نہیں بلکہ مستحب ہے۔

⑦ فال کے مفہوم کی بھی وضاحت ہوئی۔

⑧ یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر بادلِ نخواستہ بدفالی کے وساوس اور خیالات دل میں پیدا ہو

بد شگونی کا وسوسہ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ بعید از امکان نہیں۔ لیکن چونکہ بندۂ مومن کا اللہ پر توکل اور بھروسہ ہوتا ہے اس لیے اسی توکل کی بنا پر اللہ عزوجل اس وسواس کو دفع کر ڈالتے ہیں۔

[1] بد شگونی کے شرک ہونے کا ضابطہ اور اصول یہ ہے کہ جب آدمی کے دل میں بد شگونی کا وسوسہ پیدا ہو اور وہ اس بد شگونی کی بنا پر اپنے کام سے رک جائے تب اس کا یہ عمل شرک ٹھہرے گا ورنہ محض وسوسہ پیدا ہونے سے انسان شرک کا مرتکب نہ ہو گا۔

اَللّٰھُمَّ لَا خَیْرَ اِلَّا خَیْرُكَ...... کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! مجھے وہی خیر اور بھلائی مل سکتی ہے جس کا تو نے فیصلہ کر رکھا ہے اور وہی کچھ حاصل ہو سکتا ہے جو تو نے میرے مقدر میں لکھ دیا ہے۔ کیونکہ غیب کے سارے علم تیرے ہی پاس ہیں۔

جائیں تو وہ مضر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ پر توکل اور اعتماد کی وجہ سے ختم ہو جاتے ہیں۔

⑨ جس شخص کے دل میں بدفالی کے وساوس پیدا ہو جائیں وہ ان کو دور کرنے کے لیے ان احادیث میں بیان شدہ دعائیں پڑھ لیا کرے۔

⑩ اس بات کی بھی صراحت ہو گئی کہ بدفالی لینا شرک ہے۔

⑪ نیز اس بحث سے مذموم بدفالی کی بھی وضاحت ہوتی ہے۔

باب : ۲۸

علمِ نجوم کی شرعی حیثیت [1]

صحیح بخاری میں قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کو تین مقاصد کے لیے پیدا کیا ہے:

(۱) آسمان کی زینت کے لیے'

(۲) شیاطین کو مارنے اور بھگانے کے لیے'

(۳) بحر و بر میں راہ معلوم کرنے کے لیے۔

---

[1] علمِ نجوم کی تین قسمیں ہیں:

(الف) یہ عقیدہ رکھنا کہ یہ ستارے ازخود مؤثر ہوتے ہیں اور ان کے اثر سے زمینی حوادث رونما ہوتے ہیں۔ ایسا سمجھنا ان کی عبادت کے مترادف ہے۔ اہلِ علم کا اجماع ہے کہ ایسا عقیدہ کفر اور قوم ابراہیم کے شرک جیسا بڑا شرک ہے۔

(ب) علمِ نجوم کی دوسری قسم کا تعلق علم تاثیر سے ہے یعنی ان کی حرکات' ایک دوسرے سے ان کے قرب و بُعد یا ان کے طلوع و غروب سے زمینی حوادث پر استدلال کرنا۔ یہ کہانت یعنی غیب کی خبریں دینے کی مانند ہے۔ ایسا کرنے والے کو نجومی کہا جاتا ہے۔ نجومیوں کو یہ باتیں شیاطین بتا جاتے ہیں۔ یہ قسم بھی حرام' کبیرہ گناہ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے۔

(ج) علم نجوم کی تیسری قسم جسے ''علم تسیر'' کہا جاتا ہے' اس میں ستاروں کی رفتار و حرکات سے قبلہ اور اوقات یا موسموں وغیرہ کا تعین کیا جاتا ہے' بعض اہل علم نے اس کی اجازت دی ہے۔

اس لیے کہ یہ لوگ ستاروں کی رفتار و حرکات' ان کے ایک دوسرے سے قریب ہونے یا دور ہونے' یا ان کے طلوع و غروب سے' محض وقت اور زمانہ کا تعین کرتے ہیں۔ وہ ستاروں کی ان حرکات کو کسی کام کے لیے سبب اور اثر قرار نہیں دیتے۔ محض اتنی سی بات کرنے اور اسی مقصد کے لیے ستاروں کا علم حاصل کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں بلکہ اس کی اجازت ہے۔

جو شخص ان کے علاوہ کچھ اور سمجھتا ہے اس نے غلطی کی اور ہر قسم کی بھلائی سے خود کو محروم کر لیا۔ اور اس نے ایسے امر کا تکلف کیا جس کا اسے کچھ علم نہیں۔ ①

حرب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے منازل قمر کا علم سیکھنے کو مکروہ اور ناپسند گردانا ہے۔ اور ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس علم کے حصول کی اجازت نہیں دی۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے اس علم کے حصول کی اجازت دی ہے۔ ②

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«ثَلَاثَةٌ لَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ: مُدْمِنُ الْخَمْرِ، وَقَاطِعُ الرَّحِمِ، وَمُصَدِّقٌ بِالسِّحْرِ»(مسند أحمد: ٤/ ٣٩٩ وموارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان، ح: ١٣٨١)

---

① (صحیح بخاری' بدء الخلق' باب في النجوم) یہ باتیں قرآن کریم میں بھی بیان ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَزَيَّنَّا ٱلسَّمَآءَ ٱلدُّنْيَا بِمَصَٰبِيحَ وَحِفْظًا ﴾ (فصلت ٤١/ ١٢)

''ہم نے آسمانِ دنیا کو ستاروں سے مزین کیا اور ان کو حفاظت کا ذریعہ بنایا۔''

شیاطین کے مارنے اور بھگانے کے معنی پر بہت سی آیات دلالت کرتی ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کہ جس نے ستاروں کی تخلیق کا ان تین کے علاوہ کچھ اور مقصد سمجھا اس نے غلطی کی اور اس نے ایسے امر کا تکلف کیا جس کا اسے کچھ علم نہیں' اس لیے ہے کہ یہ ستارے اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں' ہمیں ان کے صرف انھی اسرار کا علم ہو سکتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ ہمیں مطلع کرے۔

② کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَٱلْقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَهُۥ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا۟ عَدَدَ ٱلسِّنِينَ وَٱلْحِسَابَ ﴾ (یونس ١٠/ ٥)

''اور اس نے چاند کو روشن بنایا اور اس کی منازل مقرر کی ہیں تاکہ تم سالوں کی گنتی اور حساب معلوم کر سکو''۔

یہ آیت ستاروں کا علم حاصل کرنے کے جواز کی دلیل ہے کیونکہ ان کا علم حاصل کرنے ہی سے اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کے احسان کا اندازہ ہو سکے گا۔

”تین آدمی جنت میں داخل نہیں ہوں گے:

(ا) عادی شراب خور

(۲) قطع رحمی کرنے والا

(۳) اور جادو کو برحق ماننے والا“ [1]

مسائل

① اس بحث سے معلوم ہوا کہ اللہ نے کن مصالح کے پیش نظر ستاروں کو تخلیق فرمایا ہے۔

② ستاروں کی تخلیق کے حوالے سے انھیں مزید کچھ سمجھنے والوں کی بھی اس بحث سے تردید ہوتی ہے۔

③ علم منازل قمر کے بارے میں اہل علم کی آراء مختلف ہیں۔

④ مذکور حدیث میں جادو کی تصدیق کرنے پر وعید بھی بیان ہوئی ہے۔

---

[1] پہلے بیان ہو چکا ہے کہ علم نجوم جادو کی ایک قسم ہے۔

جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِّنَ النُّجُومِ فَقَدِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِّنَ السِّحْرِ»(سنن أبي داود، الطب، باب في النجوم، ح: ٣٩٠٥ ومسند أحمد: ١/٢٧٧، ٣١١)

”جس نے علم نجوم کا جتنا حصہ سیکھا اس نے اسی قدر جادو سیکھا۔“

آج کل اخبارات و رسائل اور جرائد میں ”ستارے کیا کہتے ہیں؟“ کے عنوان سے عموماً مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ لوگ ان امور کی حقیقت پر غور نہیں کرتے۔ ستاروں اور برجوں کی تاثیر کا عقیدہ رکھنا یہی تو ”کہانت“ ہے۔ ہر علاقہ میں اس کی تردید اور مذمت کرنے کی ضرورت ہے۔

ایسے رسائل گھروں میں نہ لائے جائیں، خود پڑھے جائیں نہ کسی کو دیئے جائیں کیونکہ ان ستاروں اور برجوں کا علم حاصل کرنا، اپنی ولادت کے برج کو جاننا اور اپنے موافق ستارے کی معلومات رکھنا، اس کے متعلق تحریرات پڑھنا ایسے ہی ہے جیسے کسی نجومی کے پاس جا کر اس سے احوال دریافت کیے جائیں۔ ایسی باتوں کو پڑھ کر ان کو درست سمجھنا اور ان کی تصدیق کرنا کفر ہے۔ والعیاذ باللہ:

باب : ۲۹

ستاروں کے اثر سے بارش برسنے کا عقیدہ رکھنا کفر ہے [1]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ ﴾ (الواقعة٥٦/ ٨٢)

"اور تم نے اللہ کی (نعمتوں کی) تکذیب کو اپنا وظیفہ بنا رکھا ہے۔" [2]

ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَرْبَعٌ فِي أُمَّتِي مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ لاَ يَتْرُكُونَهُنَّ: اَلْفَخْرُ بِالأَحْسَابِ، وَالطَّعْنُ فِي الأَنْسَابِ، وَالاِسْتِسْقَاءُ بِالنُّجُومِ، وَالنِّيَاحَةُ، وَقَالَ: اَلنَّائِحَةُ إِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا تُقَامُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَلَيْهَا سِرْبَالٌ مِّنْ قَطِرَانٍ، وَّدِرْعٌ مِّنْ جَرَبٍ»(صحيح مسلم، الجنائز، باب التشديد في النياحة، ح: ٩٣٤ ومسند أحمد: ٥/ ٣٤٢، ٣٤٤)

---

[1] تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہیں۔ توحید کا تقاضا تو یہ ہے کہ ان کی نسبت بھی اسی کی طرف ہونی چاہئے۔ بارش بھی اسی کی نعمت ہے جو اسی کے حکم سے برستی ہے۔ بارش کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ ستاروں یا کسی دوسرے کی طرف نسبت کرنا زیادتی اور توحید کے منافی ہے' اس لیے کہ یہ تارے نزول بارش کے اسباب نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بارش کے نزول کا سبب نہیں بنایا لہٰذا انہیں بارش کا سبب اور ذریعہ سمجھنا انتہائی غلط ہے۔ اسی طرح بارش اور دیگر نعمتوں کو ان کے حقیقی خالق و موجد کی بجائے غیراللہ کی طرف منسوب کرنا درست نہیں۔

[2] مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ تم نے اپنا وظیفہ یہ بنا رکھا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو جھٹلا کر ان کو غیراللہ کی طرف منسوب کرتے ہو۔

''جاہلیت کے چار کام ایسے ہیں جنہیں میری امت کے لوگ ترک نہیں کریں گے:

(۱) حسب و نسب اور خاندانی شرف و فضیلت پر فخر کرنا [۱]

(۲) دوسروں کے نسب اور خاندان میں نقص اور عیب نکالنا اور طعنہ زنی کرنا [۲]

(۳) ستاروں کے اثر سے بارش برسنے کا عقیدہ رکھنا۔ [۳]

(۴) نوحہ کرنا [۴]

نیز آپ نے فرمایا کہ: ''نوحہ کرنے والی عورت اگر مرنے سے پہلے پہلے توبہ نہ کرے تو قیامت کے دن اسے گندھک کی شلوار اور خارش کی قمیص پہنا کر اٹھایا جائے گا۔'' [۵]

زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ صَلَاةَ الصُّبْحِ بِالْحُدَيْبِيَةِ عَلٰى إِثْرِ سَمَاءٍ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ: هَلْ تَدْرُونَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟ قَالُوا: اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: قَالَ: أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ، فَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللهِ وَرَحْمَتِهِ فَذٰلِكَ مُؤْمِنٌ بِي كَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ، وَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا، فَذٰلِكَ كَافِرٌ بِي مُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ»(صحيح البخاري، الاستسقاء، باب قوله تعالى ﴿وتجعلون رزقكم أنكم تكذبون﴾ ح:١٠٣٨

---

[۱] یعنی اپنے حسب و نسب پر از راہ تکبر فخر کرنا

[۲] یعنی لوگوں کے نسب پر خواہ مخواہ طعن کرنا یا کسی ضرورت یا شرعی دلیل کے بغیر کسی کے نسب کی تکذیب کرنا اور اسے غلط قرار دینا۔

[۳] یہ عقیدہ رکھنا کہ بارش ستاروں کی وجہ سے ہوتی ہے۔

[۴] کسی مصیبت و پریشانی کے موقع پر چیخ پکار کرنا اور کپڑے پھاڑنا اور زور زور سے رونا پیٹنا' یہ بھی صبر کے منافی اور جاہلیت کا کام ہے۔

[۵] یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ یہ تمام امور مذموم ہیں اور جاہلیت کے کام ہیں۔
صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین آدمی اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسند ہیں۔ ان میں سے ایک وہ ہے جو قبول اسلام کے باوجود جاہلیت کے کام کرے۔

وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كفر من قال مطرنا بالنوء، ح: ٧١)

''رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر رات بارش ہونے کے بعد ہمیں صبح کی نماز پڑھائی۔ آپ نے سلام پھیرا تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: جانتے ہو اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میرے بندوں میں سے بعض نے مجھ پر ایمان کی حالت میں صبح کی اور بعض نے کفر کی حالت میں' ان میں سے جنھوں نے کہا کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے بارش ہوئی وہ میرے مومن ہیں اور ستاروں کے کافر۔ اور جنھوں نے کہا کہ ہم پر یہ بارش ستاروں کی وجہ سے ہوئی وہ میرے کافر ہوئے اور ستاروں پر ایمان لائے۔''[1]

اسی مفہوم کی ایک حدیث عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے' اس میں یوں ہے' آپ نے فرمایا:

''بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں فلاں ستارہ مفید ثابت ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید میں یہ آیات نازل فرما دیں''۔

﴿ فَلَآ أُقْسِمُ بِمَوَٰقِعِ ٱلنُّجُومِ ﴿٧٥﴾ وَإِنَّهُۥ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ﴿٧٦﴾ إِنَّهُۥ لَقُرْءَانٌ كَرِيمٌ ﴿٧٧﴾ فِى كِتَٰبٍ مَّكْنُونٍ ﴿٧٨﴾ لَّا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُطَهَّرُونَ ﴿٧٩﴾ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٨٠﴾ أَفَبِهَٰذَا ٱلْحَدِيثِ أَنتُم مُّدْهِنُونَ ﴿٨١﴾ وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ ﴿٨٢﴾ ﴾ (الواقعة٥٦/ ٧٥_٨٢)

---

[1] ''اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ'' ...... ''اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔'' یہ جملہ نبی ﷺ کی حیات مبارکہ کے ساتھ خاص تھا یعنی آپ کی حیات شریفہ میں یہ جملہ کہا جا سکتا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کر کے آپ کو بتلا دیا جاتا۔ لیکن آپ کی وفات کے بعد چونکہ سلسلہ وحی منقطع ہو چکا ہے اس لیے ایسا کہنا ہرگز درست نہیں بلکہ اگر کسی انسان سے کوئی ایسی بات پوچھی جائے جس کا اسے علم نہ ہو تو اسے چاہیے کہ یہ کہے اَللّٰهُ اَعْلَمُ ''اللہ ہی بہتر جانتا ہے'' اس حدیث مبارک میں بارش کی نسبت اللہ کی طرف کرنے والے کو مومن کہا گیا ہے کیونکہ اس نے اللہ کی نعمت (بارش) کو اللہ ہی کی طرف منسوب کیا ←

”مجھے قسم ہے ستاروں کی منازل کی۔ اگر سمجھو تو یہ بہت بڑی قسم ہے۔ بے شک یہ قرآن مجید بلند مرتبہ والا ہے۔ جو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ اسے وہی ہاتھ لگاتے ہیں جو پاک ہیں۔ یہ رب العالمین کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ تو پھر کیا تم اس کلام سے بے اعتنائی اور بے مروتی کرتے ہو اور اس کی تکذیب کرنے کو اپنا وظیفہ بناتے ہو۔“ (۱)

مسائل

(۱) سورۃ الواقعہ کی آیات کی تفسیر ہے۔
(۲) ان چار امور کا ذکر بھی ہے جو جاہلیت کی رسوم ہیں۔
(۳) ان چار میں سے بعض کام کفر ہیں۔
(۴) کفر کی بعض اقسام ایسی بھی ہیں جن کے ارتکاب سے انسان دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔
(۵) حدیث کے الفاظ (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں' میرے بندوں میں سے بعض نے ایمان کی حالت میں صبح کی اور بعض نے کفر کی حالت میں) سے معلوم ہوا کہ مومن و کافر کی پہچان حصول نعمت کی وجہ ہی سے ہو جاتی ہے۔
(۶) یہ بحث پڑھنے کے بعد ایمان کی حقیقت پر بھی خوب غور کرنا چاہیے کہ یہ کس قدر

◄ ہے جو کہ اس کے ایمان کی دلیل روشن ہے۔

اور بارش کی نسبت ستاروں کی طرف کرنے والے کو کافر کہا گیا ہے کیونکہ اس نے اللہ کی نعمت کی نسبت غیر اللہ کی طرف کر دی۔

یاد رہے! اگر یہ عقیدہ رکھا جائے کہ بارش برسنے کا سبب یہ ستارے ہیں تو یہ عقیدہ کفر اصغر ہے اور اگر عقیدہ یہ ہو کہ ستارہ پرستوں کی دعا قبول کر کے لوگوں پر رحم کرتے ہوئے ان ستاروں ہی نے بارش برسائی ہے تو یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ کفر اکبر ہو گا۔

(۱) (صحیح مسلم' الایمان' باب بیان کفر من قال مطرنا بالنوء' حدیث: ۷۳)

نازک معاملہ ہے۔

⑦ کفر کی حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ بعض اوقات بظاہر معمولی سی بات کہنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔

⑧ ستاروں کی تاثیر کا عقیدہ رکھنا اور ان کو اپنے لیے مفید (یا نقصان دہ) سمجھنا انتہائی غلط بلکہ کفر ہے۔

⑨ ”اَتَدْرُوْنَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟“ (جانتے ہو تمھارے رب نے کیا فرمایا ہے؟) سے ثابت ہوا کہ طالب علموں کو بات ذہن نشین کرانے کے لیے استفہامی انداز اختیار کرنا جائز ہے۔

⑩ اس باب میں نوحہ کی مذمت اور نوحہ کرنے والیوں کے لیے عذاب اور وعید کا ذکر بھی ہے۔

باب : ۳۰

اللہ تعالیٰ کی محبت دین کی بنیاد ہے [1]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ ٱللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ ٱللَّهِ ﴾
(البقرة٢/ ١٦٥)

''اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو دوسروں کو اللہ کا ہمسر اور شریک ٹھہراتے ہیں اور ان سے یوں محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے محبت ہونی چاہیے۔''

نیز ارشاد ربانی ہے:

﴿ قُلْ إِن كَانَ ءَابَآؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ وَإِخْوَٰنُكُمْ وَأَزْوَٰجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَٰلٌ ٱقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَٰرَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَجِهَادٍ فِى سَبِيلِهِۦ فَتَرَبَّصُوا۟ حَتَّىٰ يَأْتِىَ ٱللَّهُ بِأَمْرِهِۦ ۗ وَٱللَّهُ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلْفَٰسِقِينَ ﴿٢٤﴾ ﴾ (التوبة٩/ ٢٤)

---

[1] یہاں سے ان قلبی عبادات کا بیان شروع ہوتا ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں۔ عقیدۂ توحید کی تکمیل کے لیے ان قلبی عبادات کو بھی صحیح طور پر صرف اللہ تعالیٰ کے لیے بجالانا ضروری ہے۔
مصنف رحمہ اللہ نے قلبی عبادات میں سے سب سے پہلے محبت کا ذکر کیا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ انسان کو ہر چیز حتی کہ اپنی جان سے بھی بڑھ کر سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسان کی یہ محبت ''محبت عبادت'' ہے کہ انسان کا اپنے محبوب یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق اس قدر گہرا ہو اور اس کے ساتھ اس قدر محبت ہو کہ وہ بخوشی اس کے ہر حکم کو بجالائے اور اس کی ہر ممنوعہ بات سے اجتناب کرے۔ یہی جذبہ دین کا ستون اور اصلاح قلب کی بنیاد ہے۔ ایسا مضبوط اور گہرا تعلق صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہونا چاہئے۔ غیر اللہ کے ساتھ ایسا تعلق رکھنا بہت بڑا شرک ہے۔

"(اے محمد!) آپ کہہ دیں کہ اگر تمھارے آباء' بیٹے' بھائی' بیویاں' عزیز و اقارب اور جمع کردہ مال اور تجارت جس کے ماند پڑنے کا تمھیں خدشہ رہتا ہے اور تمھارے گھر جو تمھیں پسند ہیں' یہ چیزیں اگر تمھیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ (عذاب) لے آئے اور اللہ فاسقوں کو ہدایت نصیب نہیں کرتا۔" [1]

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّلَدِهِ وَوَالِدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ» (صحيح البخاري، الإيمان، باب حب الرسول من الإيمان، ح:١٥ وصحيح مسلم، الإيمان، باب وجوب محبة الرسول أكثر من الأهل والولد والوالد والناس أجمعين، ح:٤٤)

"تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ مجھے اپنی اولاد' (ماں) باپ اور باقی تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ رکھے۔" [2]

انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں غیر اللہ سے زیادہ محبت رکھنا اور محبت میں غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ سے مقدم سمجھنا حرام اور کبیرہ گناہ ہے کیونکہ ایسا کرنے پر اللہ تعالیٰ نے وعید فرمائی ہے۔ لہٰذا توحید کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ہر محبوب شے پر فوقیت دے۔

یاد رہے! ایک مسلمان' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو محبت کرتا ہے وہ دراصل اللہ ہی سے محبت ہے نہ کہ اللہ کے مقابلہ میں' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا حکم اللہ ہی نے دیا ہے۔

[2] یعنی میری محبوب چیزوں کو غیر کی محبوب چیزوں پر اس قدر مقدم جانے کہ اس کے جی میں میری محبت' اس کی اولاد' ماں باپ اور تمام لوگوں کی محبت سے بڑھ کر ہو اور یقیناً اس محبت کا اظہار عمل سے ہو گا چنانچہ جو شخص اللہ کی عبادت' رغبت اور اس کے خوف اور ڈر کے ساتھ اس سے محبت رکھتا ہے وہ اس کی رضاجوئی کے لیے کوشاں ہوتا ہے اور اسکی ناراضی سے بچنے کی بھی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ ایسے ہی جو شخص بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھے گا وہ آپ کی رضامندی کا خواہاں اور آپ کی ناراضی سے دور ہٹنے والا ہو گا۔

«ثَلَاثٌ مَّنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الإِيمَانِ، أَنْ يَّكُونَ اللهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَأَنْ يُّحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلاَّ لِلّٰهِ، وَأَنْ يَّكْرَهَ أَنْ يَّعُودَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْقَذَهُ اللهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُّقْذَفَ فِي النَّارِ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب حلاوة الإيمان، ح:١٦، ٢١، ٦٩٤١ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان خصال من اتصف بهن وجد حلاوة الإيمان، ح:٤٣)

''تین اوصاف جس آدمی میں ہوں وہ ان کی بدولت ایمان کی مٹھاس پالیتا ہے:[1]

(۱) وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو سب سے زیادہ محبوب سمجھے۔

(۲) کسی سے محبت کرے تو محض اللہ تعالیٰ کے لیے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے اسے کفر سے بچالیا ہے تو اب وہ کفر کو اس طرح ناپسند کرے جس طرح آگ میں ڈالا جانا اسے ناپسند ہے۔''

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

«لَا تَجِدُ أَحَدٌ حَلَاوَةَ الإِيمَانِ حَتّٰى . . . » (صحيح البخاري، الأدب، باب الحب في الله، ح:٦٠٤١)

''کوئی شخص اس وقت تک ایمان کی حلاوت (مٹھاس) نہیں پاسکتا جب تک (اس میں مذکورہ تین اوصاف نہ ہوں۔)''

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«مَنْ أَحَبَّ فِي اللهِ، وَأَبْغَضَ فِي اللهِ، وَوَالٰى فِي اللهِ، وَعَادٰى فِي اللهِ، فَأَنَّمَا تُنَالُ وَلَايَةُ اللهِ بِذٰلِكَ وَلَنْ يَّجِدَ عَبْدٌ طَعْمَ الإِيمَانِ وَإِنْ كَثُرَتْ صَلَاتُهُ وَصَوْمُهُ حَتّٰى يَكُونَ كَذٰلِكَ، وَقَدْ صَارَتْ عَامَّةُ مُؤَاخَاةِ النَّاسِ عَلٰى أَمْرِ الدُّنْيَا، وَذٰلِكَ لَا يُجْدِي عَلٰى أَهْلِهِ شَيْئًا»

---

[1] اس سے وہ مٹھاس اور حلاوت مراد ہے جو ایمان کی تکمیل کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے اور مومن اپنی روح میں اسے محسوس کرتا ہے۔

(رواه ابن المبارك في كتاب الزهد، ح:٣٥٣ وابن أبي شيبة في المصنف الشطر الأول فقط، ح:٣٤٧٥٩ وأخرجه الطبراني أيضا موقوفا على ابن عمر في المعجم الكبير: ١٢/ ١٣٥٣٧)

''جو شخص کسی سے محض اللہ تعالیٰ کے لیے محبت رکھے' اور اللہ ہی کے لیے کسی سے بغض رکھے' اور کسی سے دوستی ہو یا دشمنی وہ بھی محض اللہ ہی کے لیے ہو تو جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی ولایت (دوستی) انہی کاموں سے حاصل ہو سکتی ہے۔ (یعنی انہی کاموں سے انسان اللہ کا ولی اور محبوب بن سکتا ہے) اور کوئی بھی شخص ان امور کے بغیر ایمان کا ذائقہ اور چاشنی حاصل نہیں کر سکتا خواہ وہ بکثرت نمازیں پڑھتا ہو یا بکثرت روزے رکھتا ہو۔ عام لوگوں کی آپس میں محبت اور تعلقات دنیوی امور پر استوار ہیں' حالانکہ یہ عمل ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں قطعاً سود مند نہ ہو گا۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے

﴿ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ﴿١٦٦﴾ ﴾ (البقرة٢/ ١٦٦)

(''قیامت کے روز ان کے سارے اسباب و وسائل ختم ہو جائیں گے۔'') کی تفسیر میں فرمایا کہ یہاں اسباب و وسائل سے ''دوستی' محبت اور تعلقات'' مراد ہیں۔ [1]

مسائل

(۱) سورۂ بقرۃ کی آیت ۱۶۵ کی تفسیر معلوم ہوئی۔

(۲) سورۂ توبہ کی آیت ۲۴ کی تفسیر بھی معلوم ہوئی۔

(۳) اپنی جان' اہل و عیال اور مال و منال کے مقابلہ میں سب سے زیادہ محبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہونی چاہیے۔

(۴) بعض اوقات ایمان کی نفی کا مطلب دائرہ اسلام سے خروج نہیں ہوتا بلکہ اس سے ایمان کی کمی مراد ہوتی ہے۔

---

[1] (تفسیر ابن جریر' ۲۰۰۴ و تفسیر ابن ابی حاتم' ۱۴۹۲)

⑤ ایمان کی ایک چاشنی ہے تاہم کبھی اس کا احساس ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔
⑥ چار قلبی اعمال ایسے ہیں جن کے بغیر انسان اللہ تعالیٰ کی ولایت (دوستی اور محبت) حاصل نہیں کر سکتا اور نہ ان کے بغیر ایمان کا ذائقہ چکھ سکتا ہے۔
⑦ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واقعات و حقائق کی روشنی میں جانتے تھے کہ عام لوگوں کے باہمی تعلقات اور میل جول محض دنیا کی خاطر ہیں۔
⑧ اس باب سے "وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَاب" کی تفسیر بھی واضح ہوتی ہے۔
⑨ بعض لوگ مشرک ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے بے انتہا محبت کرتے ہیں۔
⑩ سورۂ توبہ کی آیت میں مذکورہ آٹھ اشیاء جس شخص کو اپنے دین سے زیادہ پیاری ہوں، اس کے لیے سخت عذاب کی وعید ہے۔
⑪ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ کسی کا اپنے باطل معبود سے اللہ تعالیٰ کی سی محبت رکھنا بھی "شرک اکبر" ہے۔

باب : ۳۱

اللہ تعالیٰ کا ڈر اور خوف ①

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَٰنُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَآءَهُۥ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٧٥﴾ ﴾ (آل عمران۳/ ۱۷۵)

"یہ شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے۔ تم ان سے نہ ڈرو۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو تو صرف مجھ سے ڈرو۔" ②

---

① اللہ تعالیٰ کا ڈر اور خوف بھی عبادت ہے۔ اس کا تعلق دل کے ساتھ ہے۔ اس عبادت کی تکمیل سے توحید کی تکمیل اور اس میں کمی سے توحید میں نقص اور کمی واقع ہو جاتی ہے۔ غیراللہ کا خوف بعض صورتوں میں شرک، بعض میں حرام اور بعض صورتوں میں مباح ہوتا ہے۔

خوف کی پہلی قسم: کسی نبی، ولی یا جن سے اس انداز سے ڈرنا کہ وہ انسان کو نقصان پہنچا دے گا یا اس کا کچھ بگاڑ دے گا یا یہ سمجھنا کہ فلاں نبی، ولی یا جن کی تعظیم کی جائے تو وہ آخرت میں میرے کام آئے گا، میرے حق میں سفارش کرے گا، اور مجھ سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو رفع کرے گا۔ اور اگر وہ ناراض ہو گیا تو آخرت میں میرے کام نہ آئے گا، سفارش کرے گا نہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو مجھ سے دور کرے گا...... کسی سے اس قسم کا خوف کھانا "شرک" ہے۔

خوف کی دوسری قسم: مخلوق کے ڈر سے اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کی خلاف ورزی کرنا، اس قسم کا خوف رکھنا حرام ہے۔

خوف کی تیسری قسم "طبعی خوف" ہے۔ مثلاً انسان کا اپنے کسی دشمن سے، درندوں سے، یا آگ وغیرہ سے خوف کھانا طبعی اور فطری ہے۔ اس پر کوئی گناہ یا مواخذہ نہیں۔

② اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ بسا اوقات شیطان، اہل توحید کے دلوں میں ان کے دشمنوں کا خوف پیدا کر ڈالتا ہے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا "فَلَا تَخَافُوهُمْ" ...... "ان سے ہرگز نہ ڈرنا" یعنی ان سے ڈرنا ←

نیز ارشاد ربانی ہے:

﴿ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَٰجِدَ ٱللَّهِ مَنْ ءَامَنَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ وَأَقَامَ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَى ٱلزَّكَوٰةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا ٱللَّهَ فَعَسَىٰٓ أُو۟لَٰٓئِكَ أَن يَكُونُوا۟ مِنَ ٱلْمُهْتَدِينَ ﴿١٨﴾ ﴾ (التوبة۹/ ۱۸)

''اللہ کی مساجد کو تو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ یقیناً ایسے لوگ ہی ہدایت پانے والوں میں سے ہیں۔'' (۱)

نیز ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَقُولُ ءَامَنَّا بِٱللَّهِ فَإِذَآ أُوذِىَ فِى ٱللَّهِ جَعَلَ فِتْنَةَ ٱلنَّاسِ كَعَذَابِ ٱللَّهِ ﴾ (العنکبوت۲۹/ ۱۰)

''اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے مگر جب ان کو اللہ کی راہ میں کوئی ایذا پہنچے تو وہ لوگوں کی ایذا کو یوں سمجھتے ہیں جیسے وہ اللہ کا عذاب ہو۔'' (۲)

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ مِنْ ضَعْفِ الْيَقِينِ أَنْ تُرْضِيَ النَّاسَ بِسَخَطِ اللهِ، وَأَنْ

◄ حرام ہے کیونکہ اس قسم کا خوف عبادت کے زمرے میں آتا ہے اور غیر اللہ کی عبادت شرک ہے گویا اللہ تعالیٰ نے شرک ہی کی ایک قسم سے منع فرمایا ہے اور اس کے بعد فرمایا ''وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ'' ...... ''اگر مومن ہو تو صرف مجھ سے ڈرو'' اللہ کے اس حکم سے بھی پتہ چلتا ہے کہ خوف بھی دیگر عبادات کی طرح ایک عبادت ہے۔

(۱) اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ مومن کے دل میں محض اللہ کی خشیت ہونی چاہئے کیونکہ اللہ نے ان لوگوں کی مدح و تعریف اسی لیے کی ہے کہ ان کے دل میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کی خشیت پیدا نہیں ہوتی۔ یاد رہے! لفظ خشیت کا مفہوم اور استعمال لفظ خوف کی بہ نسبت خاص ہے۔

(۲) یعنی لوگوں کی ایذا سے ڈر کر اللہ کے واجبات کو ترک کر دیتے ہیں یا لوگوں کی باتوں سے ڈرتے ہوئے اللہ کے حرام کردہ امور کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں۔

تَحْمَدَهُمْ عَلٰى رِزْقِ اللهِ، وَأَنْ تَذُمَّهُمْ عَلٰى مَا لَمْ يُؤْتِكَ اللهُ، إِنَّ رِزْقَ اللهِ لاَ يَجُرُّهُ حِرْصُ حَرِيصٍ، وَّلاَ يَرُدُّهُ كَرَاهِيَةُ كَارِهٍ»(شعب الإيمان، الخامس من شعب الإيمان، وهو باب في أن القدر. . . ، ح:٢٠٧)

''بلاشبہ یہ (ایمان اور اللہ پر) یقین کی کمزوری کی علامات ہیں کہ تو اللہ کی ناراضی مول لے کر لوگوں کو خوش کرے۔ اور اللہ نے جو رزق لوگوں کو دے رکھا ہے اس پر تو ان کی مدح و ستائش کرے اور جو رزق اللہ نے (لوگوں کو دیا ہے لیکن) تجھے نہیں دیا اس پر تو ان کی مذمت کرے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کے رزق کو نہ کسی حریص کا حرص کھینچ کر لا سکتا ہے اور نہ کسی ناپسند کرنے والے کی ناپسندیدگی اسے روک سکتی ہے۔''[1]

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنِ الْتَمَسَ رِضَا اللهِ بِسَخَطِ النَّاسِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَأَرْضٰى عَنْهُ النَّاسَ، وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَا النَّاسِ بِسَخَطِ اللهِ سَخِطَ اللهُ عَلَيْهِ وَأَسْخَطَ عَلَيْهِ النَّاسَ»(موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان، ح:١٥٤١-١٥٤٢ وجامع الترمذي، ح:٢٤١٤ وله الفاظ أخرى)

''جو شخص لوگوں کو ناراض کر کے اللہ تعالیٰ کو راضی رکھے' اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جاتا ہے اور لوگوں کو بھی اس سے راضی رکھتا ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے لوگوں کی رضا کا طالب ہو' اللہ تعالیٰ بھی اس سے ناراض ہو جاتا ہے اور لوگوں کو بھی اس سے ناراض کر دیتا ہے۔''[2]

---

[1] مذکورہ اعمال' ایمان کی کمزوری کے اسباب اور علامات ہیں اور ایمان کو کمزور کرنے والے اعمال' حرام امور ہی ہوا کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اور رسول کی اطاعت سے ایمان بڑھتا اور نافرمانی اور معصیت سے کم ہوتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کو خوش کرنا' معصیت' گناہ اور حرام ہے۔

[2] اس حدیث میں بیان ہے کہ جو شخص صرف اللہ تعالیٰ کا خوف رکھے اللہ تعالیٰ اس سے خود بھی راضی ہوتا ہے اور لوگوں کو بھی اس سے راضی اور خوش رکھتا ہے۔ اور جو شخص لوگوں کا خوف دل میں ⟵

مسائل

① اس باب سے سورۃ آل عمران کی آیت ۱۷۵ کی تفسیر ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی ترغیب ہے۔
② سورۃ توبہ کی آیت ۱۸ کی تفسیر بھی واضح ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی مساجد کو آباد کرنے والوں کی صفات مذکور ہیں۔
③ سورۃ العنکبوت کی آیت ۱۰ کی تفسیر بھی واضح ہوئی جس میں کمزور ایمان والوں کا ذکر ہے۔
④ یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان کبھی قوی اور کبھی کمزور ہوتا رہتا ہے۔
⑤ ایمان کی کمزوری کی تین علامات بھی بیان ہوئی ہیں۔
⑥ یہ بھی ثابت ہوا کہ صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور اسی کا خوف کھانا ایک دینی و شرعی فریضہ ہے۔
⑦ اس تفصیل سے، صرف اللہ تعالیٰ کا خوف، ڈر اور خشیت رکھنے والوں کی فضیلت اور ان کو اس کے نتیجے میں ملنے والے ثواب کا علم بھی ہو گیا۔
⑧ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص غیراللہ سے ڈرے اور اس کا خوف کھائے اس کا کیا انجام ہوتا ہے۔

رکھے اور ان سے ڈر کر حرام کا ارتکاب کرے یا کسی شرعی فریضہ کو ترک کر دے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ناراض ہو جاتا ہے اور لوگوں کو بھی اس سے ناراض کر دیتا ہے۔

باب : ۳۲

صرف اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا چاہیے [1]

اللہ ذوالجلال کا فرمان ہے:

﴿ وَعَلَى ٱللَّهِ فَتَوَكَّلُوٓا۟ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٣﴾ ﴾ (المائدۃ۵/ ۲۳)

''اور اگر تم صاحب ایمان ہو تو صرف اللہ پر توکل کرو۔'' [2]

---

[1] اس باب میں مسئلہ توکل کا بیان ہے۔ اللہ پر توکل کرنا، دین و ایمان کی تصحیح و تکمیل کے لیے شرط ہے۔ شرعی طور پر توکل کا مفہوم یہ ہے کہ تمام قلبی عبادات کو اللہ ہی کے لیے بجالانا یعنی اپنے تمام تر امور و معاملات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا اور اس کے ساتھ ساتھ اسباب و ذرائع بھی اختیار کرنا۔ چنانچہ متوکل (اللہ پر توکل کرنے والا) وہ شخص ہوگا جو اسباب و ذرائع اختیار کرنے کے بعد اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کردے اور یہ عقیدہ رکھے کہ اس سبب سے نفع، اللہ کے حکم ہی سے حاصل ہوسکتا ہے اور جس کام کے لیے یہ سبب اختیار کیا گیا ہے وہ بھی محض اللہ کی توفیق و اعانت ہی سے پورا ہوسکتا ہے کیونکہ تمام تر اختیارات اس مالک کے پاس ہی ہیں۔ گویا توکل خالص قلبی عبادت ہے۔

غیر اللہ پر توکل کی دو صورتیں ہیں:

(الف) جو امور صرف اللہ کے اختیار میں ہیں اور مخلوق میں سے کسی کی قدرت میں نہیں، ان میں غیر اللہ پر توکل کرنا، مثلاً گناہوں کی مغفرت، اولاد و معاش کا حصول وغیرہ، شرک اکبر اور توحید کے منافی ہے اور اکثر اس کا ارتکاب قبر پرست اور اولیاء پرست لوگ کرتے ہیں۔

(ب) جن امور کی اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو قدرت دے رکھی ہے ان میں مخلوق پر توکل کرنا شرک خفی یا شرک اصغر ہے۔ مثلاً یوں کہنا کہ میرا اللہ پر اور تم پر توکل ہے یا میرا اللہ پر اور پھر تم پر توکل ہے، ناجائز ہے اس لیے کہ توکل کا تعلق مخلوق کے ساتھ ہے ہی نہیں کیونکہ، جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے، توکل کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے امور و معاملات کو اس اللہ کے سپرد کرنا جس کے قبضہ و اختیار میں سارے امور ہیں جبکہ مخلوق میں سے کسی کے پاس کوئی قدرت و اختیار نہیں، البتہ مخلوق کو سبب اور ذریعہ ضرور بنایا جاسکتا ہے۔ لہٰذا مخلوق کو سبب اور ذریعہ بنانے کا مطلب قطعاً یہ نہیں کہ اس پر توکل بھی کیا جائے۔

[2] اس آیت مبارکہ میں یہ حکم ہے کہ اللہ ہی پر توکل کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ توکل ایک ⬅

اور ارشاد الٰہی ہے:

﴿ إِنَّمَا ٱلْمُؤْمِنُونَ ٱلَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ ٱللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ ءَايَٰتُهُۥ زَادَتْهُمْ إِيمَٰنًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٢﴾ ﴾ (الأنفال٨/ ٢)

''صحیح معنوں میں اہل ایمان وہ ہیں جن کے دل' اللہ کے ذکر سے لرز جاتے ہیں اور جب ان کے سامنے اللہ کی آیات کی تلاوت کی جائے تو ان کے ایمان میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہیں۔''[1]

نیز اللہ رب العزت نے فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ حَسْبُكَ ٱللَّهُ وَمَنِ ٱتَّبَعَكَ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٤﴾ ﴾ (الأنفال٨/ ٦٤)

''اے نبی! آپ کو اور آپ کے پیروکار اہل ایمان کو بس اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے۔''[2]

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى ٱللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُۥٓ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٣)

''اور جو کوئی اللہ تعالیٰ پر توکل کرے تو اس کے لیے وہی کافی ہے۔''[3]

مستقل عبادت ہے۔

آیت کے الفاظ ''وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْا'' اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ توکل محض اللہ پر ہونا چاہیے اور آیت کا آخری جملہ ''اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ'' اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایمان کی تصحیح اور تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ اللہ ہی پر توکل کیا جائے' اس کے سوا مخلوق میں سے کسی پر توکل نہیں ہونا چاہیے۔

[1] آیت کے الفاظ ''وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْن'' اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ مومن صرف اللہ پر توکل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کی اس صفت کو بطور خاص بیان کیا ہے اور اصل ایمان کا بلند ترین مقام و مرتبہ بھی یہی ہے۔

[2] ''...... حَسْبُكَ اللّٰهُ......'' اے نبی! تجھے اور تیرے پیروکار مومنین کو توکل کرنے کے لیے اللہ عزوجل کی ذات ہی کافی ہے۔ اس کی بعد کسی اور پر توکل کرنے کی ضرورت نہیں اسی لیے فرمایا: ''وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ......'' اور جو کوئی اللہ پر توکل کرے وہ اسے کافی ہے۔

[3] توکل علی اللہ کا دارومدار' توحید ربوبیت کو سمجھنے اور اس پر کامل ایمان رکھنے پر ہے اسی لیے بعض لوگ مشرک ہونے کے باوجود اللہ پر بہت توکل کرتے ہیں۔ کیونکہ توحید الوہیت پر تو ان کا ایمان نہیں

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو انہوں نے کہا:

﴿ حَسْبُنَا ٱللَّهُ وَنِعْمَ ٱلْوَكِيلُ ﴾ (آل عمران۳/ ۱۷۳)

''ہمیں اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔''

اسی طرح جب لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

﴿ إِنَّ ٱلنَّاسَ قَدْ جَمَعُواْ لَكُمْ فَٱخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَٰنًا ﴾ (آل عمران۳/ ۱۷۳)

''کہ کافروں نے آپ کے مقابلہ کے لیے لشکر جمع کر لیا ہے ان سے ڈرو تو ان کا ایمان مزید بڑھ گیا اور کہنے لگے:

﴿ حَسْبُنَا ٱللَّهُ وَنِعْمَ ٱلْوَكِيلُ ﴾ (آل عمران۳/ ۱۷۳)

''ہمیں اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے''[1]

مسائل

① اس بحث سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا اور بھروسہ رکھنا دینی فریضہ ہے۔

ہوتا لیکن توحید ربوبیت کو تسلیم کرتے ہیں۔ یاد رہے! اللہ کی ربوبیت کے آثار میں غور وخوض کرنے سے دل میں توکل کا داعیہ پیدا ہوتا ہے۔ جب انسان اللہ کی عظیم بادشاہت اور آسمان و زمین کے مستحکم و مضبوط نظام کو دیکھتا اور اس کے بارے میں سوچ بچار کرتا ہے تو اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اس قدر پائیدار اور مربوط نظام کو چلانے والے مالک اور مولیٰ کے لیے میری چھوٹی سی ضرورت پوری کرنے اور میری مدد کرنے میں کون سی مشکل ہے۔ اسی تدبر سے مومن کا ایمان اور اللہ پر توکل مزید بڑھ جاتا اور مضبوط ہوجاتا ہے۔

[1] (صحیح بخاری، التفسیر، تفسیر سورۃ آل عمران، حدیث: ۴۵۶۳) اس تفسیر سے اس کلمہ (حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ) کی اہمیت و عظمت واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دو جلیل القدر انبیاء نے انتہائی مشکل میں بھی یہی کلمہ دہرا کر اللہ تعالیٰ پر اپنے توکل کا اظہار و اعلان فرمایا۔

بندہ جب اپنے رب پر توکل کرلے تو زمین و آسمان کی ساری مخلوقات مل کر بھی اس کا بال بیکا نہیں کر سکتیں بلکہ اللہ تعالیٰ اس بندے کی مدد کرکے اس کو مشکل سے نجات دلاتا اور اسکے لیے راہیں آسان کردیتا ہے۔

(۲) اور یہ ایمان کی شرطوں میں سے بھی ہے۔
(۳) اس تفصیل سے سورۃ الانفال کی آیت ۲ کی تفسیر بھی ہوئی۔
(۴) واضح رہے کہ سورۃ الانفال کی اس آیت کی تفسیر آخری جملہ "وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ" ہے۔
(۵) سورۃ الطلاق کی آیت ۳ کی تفسیر بھی واضح ہوئی کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں ان کے لیے وہی کافی ہے۔
(۶) کلمہ "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْل" کی اہمیت، فضیلت اور عظمت بھی عیاں ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دو خلیلوں سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی مشکل اور شدید پریشانی کے عالم میں یہی کلمہ پڑھا۔

باب : ۳۳

اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے بے خوف نہیں ہونا چاہیے

ارشاد الٰہی ہے:

﴿ أَفَأَمِنُوا۟ مَكْرَ ٱللَّهِ ۚ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ ٱللَّهِ إِلَّا ٱلْقَوْمُ ٱلْخَـٰسِرُونَ ﴿٩٩﴾ ﴾ (الأعراف ٧/ ٩٩)

''کیا یہ لوگ اللہ کی تدبیر سے بے خوف ہیں۔ اللہ کی تدبیر سے وہی لوگ بے خوف ہوتے ہیں جو خسارہ اٹھانے والے ہوں۔

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَن يَقْنَطُ مِن رَّحْمَةِ رَبِّهِۦٓ إِلَّا ٱلضَّآلُّونَ ﴿٥٦﴾ ﴾ (الحجر ١٥/ ٥٦)

''اور گمراہ لوگ ہی اللہ کی رحمت سے مایوس ہوتے ہیں۔''①

---

① پہلی آیت میں بیان ہے کہ مشرکین اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے بلکہ وہ اس کی گرفت اور عذاب سے بے خوف رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ڈر اور خوف ایک قلبی عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تدبیر کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے لیے تمام امور اس حد تک آسان کر دے کہ وہ اس زعم میں مبتلا ہو جائے کہ اب وہ مکمل طور پر محفوظ ہے' اب اسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔ حالانکہ یہ مہلت اس کے حق میں استدراج یعنی ڈھیل ہوتی ہے' جیسا کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا رَأَيْتَ اللهَ يُعْطِي الْعَبْدَ مِنَ الدُّنْيَا وَهُوَ مُقِيمٌ عَلٰى مَعَاصِيهِ فَاعْلَمُوا أَنَّ ذٰلِكَ اسْتِدْرَاجٌ»(مسند أحمد : ٤/ ١٤٥)

''جب تم دیکھو کہ کوئی بندہ مسلسل گناہ کیے جا رہا ہو اور اللہ تعالیٰ اسے مزید انعامات سے نواز رہا ہو تو سمجھو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے استدراج یعنی مہلت اور ڈھیل ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ یہ تدبیر انہی لوگوں کے ساتھ کرتا ہے جو اس کے انبیاء و اولیاء اور اس کے دین کے ساتھ خفیہ تدبیریں اور مکر و فریب کرتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفت کمال ہے کیونکہ وہ اپنی عزت و قدرت ⟵

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کبیرہ گناہ کون کون سے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلشِّرْكُ بِاللهِ، وَالْيَأْسُ مِنْ رَّوْحِ اللهِ، وَالأَمْنُ مِنْ مَّكْرِ اللهِ»(مسند البزار، ح:١٠٦ ومجمع الزوائد:١/ ١٠٤)

”اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا‘ اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا‘ اور اللہ کی تدبیر اور گرفت سے بے خوف ہونا۔“[1]

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اور غلبہ و سلطنت کے اظہار کے لیے ایسا کرتا ہے۔

دوسری آیت میں بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے‘ گمراہ لوگ ہی مایوس رہتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے اور ہدایت یافتہ لوگ اس کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے۔

عبادت الٰہی کے کمال کے سلسلہ میں یہ بھی لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی گرفت کا خوف اور اس کی رحمت کی امید رکھی جائے جو کہ شرعاً واجب ہے۔

جو شخص تندرست مگر گناہ گار ہو اس کے دل میں رحمت کی امید کی نسبت گرفت کے خوف والا پہلو غالب ہونا چاہیے۔ اسی طرح جو بیمار موت کے کنارے پہنچ چکا ہو اس کے دل میں خوف کی نسبت امید کا پہلو غالب رہنا چاہیے اور معمول کی زندگی گزارنے والے اور نیکی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے کے دل میں امید اور خوف تقریباً برابر برابر ہونے چاہئیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّهُمْ كَانُوا۟ يُسَٰرِعُونَ فِى ٱلْخَيْرَٰتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا ۖ وَكَانُوا۟ لَنَا خَٰشِعِينَ ۝٩٠﴾ (الأنبياء٢١/ ٩٠)

”یہ لوگ (دنیا کی زندگی میں) بڑھ چڑھ کر نیکیاں کیا کرتے اور رغبت اور ڈر کے ملے جلے جذبات کے ساتھ ہماری عبادت کرتے اور ہم سے ڈرتے رہتے تھے۔“

[1] اللہ کی رحمت کی امید ترک کر دینے کا نام مایوسی ہے اور اس کے عذاب اور گرفت سے نہ ڈرنے کا مطلب اس کی تدبیر سے بے خوف ہونا ہے۔ جبکہ دل میں ان دونوں (رحمت کی امید اور عذاب کا ڈر) کا ہونا ضروری ہے اور دونوں کے دل سے نکل جانے یا ان میں کمی واقع ہونے سے توحید میں نقص اور کمی واقع ہو جاتی ہے۔

«أَكْبَرُ الْكَبَائِرِ: الإِشْرَاكُ بِاللهِ، وَالأَمْنُ مِنْ مَكْرِ اللهِ، وَالْقُنُوطُ مِنْ رَحْمَةِ اللهِ، وَالْيَأْسُ مِنْ رَوْحِ اللهِ»(مصنف عبدالرزاق: ١٠/ ٤٥٩ ومعجم الكبير للطبراني، ح: ٨٧٨٣)

"سب سے بڑے گناہ یہ ہیں: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا' اللہ کی تدبیر سے بے خوف ہونا' اللہ کی رحمت سے ناامید ہونا اور اللہ کے فضل سے مایوس ہونا۔"[1]

مسائل

(١) اس باب سے سورۃ الاعراف کی آیت ۹۹ کی تفسیر معلوم ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے بے خوف رہنے والوں کو خسارہ پانے والے قرار دیا گیا ہے۔

(٢) سورۃ الحجر کی آیت ٥٦ کی تفسیر بھی واضح ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونے والے لوگ گم راہ ہیں۔

(٣) اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے بے خوف رہنا اور

(٤) اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا بھی کبیرہ گناہ ہے۔

---

[1] اللہ کی رحمت سے ناامیدی' اکثر لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ لفظ رحمت' عموماً اللہ کے انعامات کے حصول اور آفات سے محفوظ رہنے پر بولا جاتا ہے جبکہ رَوْح سے اللہ کی وہ خصوصی مہربانی مراد ہے جس کے ذریعے مصائب سے چھٹکارا ملتا ہے۔

باب : ۳۴

اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر صبر کرنا ایمان باللہ کا حصہ ہے ①

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَن يُؤْمِنۢ بِٱللَّهِ يَهْدِ قَلْبَهُۥ ۚ وَٱللَّهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمٌ ﴿١١﴾ ﴾ (التغابن ٦٤/ ١١)

"اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے' اللہ اس کے دل کو ہدایت بخشتا ہے اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے۔" ②

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں علقمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس سے مراد وہ شخص ہے جسے کوئی تکلیف پہنچے تو وہ اسے اللہ تعالیٰ کا فیصلہ سمجھ کر اس پر راضی ہو اور دل سے اسے تسلیم کرے۔" ③

---

① یعنی اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر صبر کرنا انتہائی عظیم الشان اور جلیل القدر عبادت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا اور اس کی منہیات سے رکنا صبر ہی سے ممکن ہے۔ صبر کی تین اقسام ہیں:
زبان سے اللہ تعالیٰ کا شکوہ نہ کرنا' قلبی طور پر ناراضی محسوس نہ کرنا اور اعضاء کے ذریعہ بے صبری کا اظہار نہ کرنا...... یہ سب صبر ہی ہے۔

② یعنی جو شخص اللہ پر ایمان لا کر اس کی کماحقہ تعظیم کرے' اس کے اوامر کو بجالائے اور اس کے نواہی سے بچ کر رہے تو اللہ اس کے دل کو عبادات' صبر اور اس کی تقدیر پر راضی رہنے پر تیار کر دیتا ہے۔

③ (تفسیر ابن جریر الطبری' رقم ۲۶۴۹۶) علقمہ رحمہ اللہ کا قول نہایت درست اور صواب پر مبنی ہے۔ یاد رہے! مصائب اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے آتے ہیں اور تقدیر کا دارومدار اللہ تعالیٰ کی حکمت پر ہوتا ہے اور اللہ عزوجل کی حکمت اس بات کی متقاضی ہوتی ہے کہ ہر امر کو اس کے انجام کے مناسب و موافق مقام پر رکھا جائے جس سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ جب بھی بندے کو مصیبت پہنچے تو اللہ کی طرف سے بندے کے لیے اسی میں خیر ہوتی ہے۔ اب اگر اس پر صبر کرے گا تو عنداللہ ماجور ہوگا اور اگر ناراضی کا اظہار اور شکوہ کرے گا تو گناہ گار ٹھہرے گا۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اِثْنَتَانِ فِي النَّاسِ هُمَا بِهِمْ كُفْرٌ: اَلطَّعْنُ فِي النَّسَبِ وَالنِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب إطلاق اسم الكفر على الطعن في النسب والنياحة، ح:٦٧، ومسند أحمد:٢/٣٧٧، ٤٤١، ٤٩٦)

''لوگوں میں دو کام ایسے ہیں جو کفر ہیں' ایک تو کسی کے نسب پر طعن کرنا اور دوسرے میت پر نوحہ کرنا۔''[1]

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ، وَشَقَّ الْجُيُوبَ، وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ»(صحيح البخاري، الجنائز، باب ليس منا من ضرب الخدود، ح:١٢٩٧ وصحيح مسلم، الإيمان، باب تحريم ضرب الخدود وشق الجيوب والدعاء بدعوى الجاهلية، ح:١٠٣ ومسند أحمد:١/٣٨٦، ٤٣٢، ٤٤٢)

''جو شخص صدمے کے وقت چہرے پر دو ہتڑ مارے' گریبان پھاڑے' اور جہالت کے بول بولے' وہ ہم میں سے نہیں۔''[2]

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] دو کام ایسے ہیں جو اکثر لوگوں میں موجود ہیں اور موجود رہیں گے: نسب پر طعن کرنا اور نوحہ کرنا۔ زور سے رونا پیٹنا' چیخنا اور چلانا نوحہ ہے جو کہ صبر کے خلاف ہے۔ کسی پریشانی کے موقع پر صبر کرنے کا معنی یہ ہے کہ انسان اپنے اعضا پر کنٹرول رکھے' زور زور سے نہ روئے' چہرے پر یا جسم کے کسی حصے پر دو ہتڑ نہ مارے' دامن نہ پھاڑے' اور زبان سے اللہ تعالیٰ کا شکوہ نہ کرے۔

ان کاموں کے کفر ہونے کا یہ مفہوم نہیں کہ جو شخص یہ کام کرے وہ کافر ہو جاتا ہے یا وہ دین اسلام سے مکمل طور پر خارج ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ جو شخص یہ کام کرے یا جس میں یہ خصلت پائی جائے اس میں یہ خصلت کفار کی ہے۔ گویا یہ کفار کا کام ہے' مسلمانوں کا نہیں۔

[2] گویا صدمہ کے وقت بے صبری اور اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر رضامند نہ ہونا کبیرہ گناہ ہے۔ نیکی سے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے جبکہ گناہوں سے ایمان میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ اور ایمان میں کمزوری' توحید میں کمزوری ہوتی ہے اس لیے بے صبری ایمان اور توحید دونوں کے منافی ہے۔

«إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدِهِ الْخَيْرَ عَجَّلَ لَهُ الْعُقُوبَةَ فِي الدُّنْيَا، وَإِذَا أَرَادَ بِعَبْدِهِ الشَّرَّ أَمْسَكَ عَنْهُ بِذَنْبِهِ حَتَّى يُوَافِيَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(جامع الترمذي، الزهد، باب ما جاء في الصبر على البلاء، ح:٢٣٩٦)

"جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کے ساتھ خیر خواہی کرنا چاہے تو اسے اس کے گناہوں کی سزا دنیا ہی میں جلد دے دیتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کے ساتھ سختی کرنے کا ارادہ کرے تو اس سے اس کے گناہ کی سزا کو روک لیتا ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن اسے پوری پوری سزا دے گا۔"[1]

نبی ﷺ نے مزید فرمایا ہے:

«إِنَّ عِظَمَ الْجَزَاءِ مَعَ عِظَمِ الْبَلَاءِ وَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى إِذَا أَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ فَمَنْ رَضِيَ فَلَهُ الرِّضَا، وَمَنْ سَخِطَ فَلَهُ السَّخَطُ»(جامع الترمذي، الزهد، باب ما جاء في الصبر على البلاء، ح:٢٣٩٦)

"بڑی آزمائش کی جزا بھی بڑی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو جن لوگوں سے محبت ہو وہ انہیں آزماتا ہے۔ جو شخص اس آزمائش پر راضی ہو' اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جاتا ہے اور جو شخص اس آزمائش پر ناخوش ہو' اللہ تعالیٰ بھی اس سے ناخوش اور اس پر ناراض ہو جاتا ہے۔"

مسائل

① اس باب سے سورۃ التغابن کی آیت ١١ کی تفسیر واضح ہوتی ہے جس میں بیان ہے کہ

---

[1] اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی حکمت بیان کی گئی ہے اور یہی حکمت جب بندے کے دل و دماغ میں راسخ ہو جاتی ہے تو وہ صبر کو ایک عظیم قلبی عبادت جانتے ہوئے اپنے آپ کو اس سے آراستہ پیراستہ کر لیتا ہے اور اللہ کی قضا و قدر پر ناراضی کا اظہار اور شکوہ نہیں کرتا۔ اسی لیے بعض اسلاف کا معمول تھا کہ وہ بیمار نہ ہوتے یا ان پر کوئی آزمائش نہ آتی تو وہ سمجھتے کہ شاید اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہے' اس لیے اس نے مجھے بھلا دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ مومن کے دل کو ہدایت بخشتا ہے۔

۲) نیز یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں یعنی تقدیر پر صبر کرنا بھی ایمان باللہ کا حصہ ہے۔

۳) کسی کے نسب پر طعن کرنا مذموم اور کفریہ کام ہے۔

۴) صدمہ کے وقت چہرے پر دو ہتڑ مارنے گریبان پھاڑنے اور جہالت کے بول بولنے کی مذمت اور ایسا کرنے والوں کے بارے میں سخت وعید بیان ہوئی ہے۔

۵) اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے ساتھ کس انداز پر اور کس طرح بھلائی کرتا ہے۔

۶) اور اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے پر سختی کا ارادہ کرے تو اس کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے۔

۷) اللہ تعالیٰ کو کسی بندے سے محبت ہو تو اس کی علامت کیا ہے۔

۸) اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر ناخوش ہونا حرام ہے۔

۹) اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی آزمائشوں پر راضی ہونے کا بہت زیادہ اجر ہے۔

باب : ۳۵

ریا کاری ایک مذموم عمل ہے۔ [1]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ قُلْ إِنَّمَآ أَنَاْ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰٓ إِلَيَّ أَنَّمَآ إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَٰحِدٌ فَمَن كَانَ يَرْجُواْ لِقَآءَ رَبِّهِۦ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَٰلِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِۦٓ أَحَدًا ﴿١١٠﴾ ﴾ (الکہف۱۸/ ۱۱۰)

"(اے پیغمبرﷺ!) لوگوں سے کہہ دیجئے کہ میں تو تم جیسا ایک انسان ہوں' البتہ میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا ایک ہی معبود ہے۔ پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو' اسے چاہیے کہ وہ اچھے اعمال کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔" [2]

---

[1] ریا کاری یعنی دکھلاوا ایک انتہائی مذموم عمل ہے۔ یہ گناہ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے۔ لفظ ریا "رؤیة" سے ماخوذ ہے جس کا معنی آنکھوں سے دیکھنے کا ہے۔ اس کی صورت یوں ہوتی ہے کہ انسان نیکی کا کوئی عمل کرتے وقت یہ ارادہ کرے کہ لوگ مجھے یہ عمل کرتے ہوئے دیکھ لیں اور میری تعریف کریں۔

ریا دو قسم کی ہے:

ایک ریا منافقین کی ہے کہ وہ لوگوں کو دکھانے کے لیے ظاہری طور پر اسلام کا دعویٰ کرتے اور نام لیتے ہیں۔ مگر ان کے دلوں میں کفر پوشیدہ ہوتا ہے۔ یہ ریا اور طرز عمل' توحید کے منافی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے۔

ریا کی دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی مسلمان نیکی کا کوئی کام کرتے ہوئے دکھلاوے کی نیت کرے کہ لوگ اسے یہ عمل کرتے دیکھیں اور اس کی تعریف کریں۔ یہ پوشیدہ شرک ہے اور توحید کے اعلیٰ درجہ کے منافی ہے۔

[2] اس آیت میں ہر قسم کے شرک کی ممانعت ہے۔ ریا کاری بھی شرک کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ اسی لیے علماء نے اس آیت سے ریا کے مسائل پر استدلال کیا ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

«أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ، مَنْ عَمِلَ عَمَلاً أَشْرَكَ مَعِي فِيهِ غَيْرِي تَرَكْتُهُ وَشِرْكَهُ»(صحيح مسلم، الزهد والرقائق، باب الرياء، ح: ٢٩٨٥)

''میں تمام شرکاء سے بڑھ کر شرک سے مستغنی ہوں۔ جو شخص اپنے عمل میں میرے ساتھ غیر کو شریک کرے تو میں اسے اس کے شرک کے ساتھ چھوڑ دیتا ہوں۔''[1]

ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَلاَ أُخْبِرُكُمْ بِمَا هُوَ أَخْوَفُ عَلَيْكُمْ عِنْدِي مِنَ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ؟ قَالُوا: بَلٰى يَارَسُولَ اللهِ! قَالَ: الشِّرْكُ الْخَفِيُّ يَقُومُ الرَّجُلُ فَيُصَلِّي فَيُزَيِّنُ صَلٰوتَهُ لِمَا يَرٰى مِنْ نَظَرِ رَجُلٍ»(مسند أحمد:٣/ ٣٠ وسنن ابن ماجة، الزهد، باب الرياء والسمعة، ح: ٤٢٠٤)

''کیا میں تمہیں وہ بات نہ بتاؤں جس کا خوف مجھے تم پر مسیح دجال سے بھی زیادہ ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیوں نہیں؟ (ضرور بتلائیے) آپ

---

[1] یہ حدیث دلیل ہے کہ ریا والا عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں بلکہ وہ عمل کرنے والے کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔ جب کسی عبادت میں ابتداءً ریا شامل ہو (یعنی وہ عبادت محض ریا اور دکھلاوے کے لیے کی جائے) تو وہ ساری عبادت باطل ہو جاتی ہے اور وہ عمل کرنے والا دکھلاوے کی وجہ سے گناہ گار اور شرک خفی کا مرتکب ہوتا ہے۔ البتہ اگر اصل عمل (عبادت) محض اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہو مگر عمل کرنے والا اس میں کسی قدر ریا کو شامل کر دے مثلاً اللہ کے لیے نماز پڑھتے ہوئے لوگوں کے دکھلاوے کے لیے نماز کا رکوع طویل کر دے اور تسبیحات کی تعداد زیادہ کر دے تو ایسا کرنے سے وہ آدمی گناہ گار ہو گا اور اس کی اتنی عبادت ضائع ہو جائے گی جتنی اس نے ریا کے لیے کی جبکہ مالی عبادت میں ریا شامل ہونے سے ساری کی ساری عبادت اکارت جاتی ہے۔

اَشْرَكَ مَعِیَ فِيْهِ غَيْرِی...... ''جو شخص اپنے عمل میں میرے ساتھ غیر کو بھی شامل کرے.....'' اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی بندہ اپنے کسی عمل صالح میں اللہ کی رضا کے ساتھ ساتھ غیر اللہ کی خوشنودی کا خواہش مند بھی ہو تو اللہ تعالیٰ ایسے شرک سے مستغنی ہے۔ وہ صرف وہی عمل قبول کرتا ہے جو محض اسی کی رضاجوئی کے لیے کیا جائے۔

نے فرمایا: وہ ہے "شرک خفی" کہ کوئی شخص نماز کے لیے کھڑا ہو اور وہ اپنی نماز کو محض اس لیے سنوار کر پڑھے کہ کوئی شخص اسے دیکھ رہا ہے۔"[1]

مسائل

① اس باب سے سورۃ الکھف کی آیت ۱۱۰ کی تفسیر معلوم ہوئی کہ جسے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی امید ہے وہ نیک اعمال کے ساتھ ساتھ شرک (خفی یعنی ریاء) سے اجتناب ضرور کرے۔

② عمل صالح میں اگر غیر اللہ کا معمولی سا بھی دخل ہو جائے تو وہ سارا عمل مردود اور ضائع ہو جاتا ہے۔

③ اور اس کا اساسی سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے مکمل طور پر مستغنی ہے۔

④ ریا والے عمل کے ضیاع کا ایک سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کیے جانے والے تمام شرکاء سے اعلیٰ اور افضل ہے۔

⑤ نبی ﷺ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بھی ریا کا اندیشہ لاحق رہتا تھا۔

⑥ نبی ﷺ نے ریا کی تفسیر کرتے ہوئے یوں فرمایا: کوئی آدمی نماز جیسا عمل کرتے ہوئے محض اس لیے اسے عمدہ طور پر ادا کرے کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔

---

[1] مسیح دجال کا معاملہ تو واضح ہے جسے نبی ﷺ نے کھول کر بیان فرمادیا ہے (اور اس سے بچنا آسان ہے) لیکن ریا عام طور پر دل میں اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ یہ انسان کو آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ کی بجائے لوگوں کی طرف متوجہ کر دیتی ہے (اور اس سے بچنا انتہائی مشکل ہے)۔ اس لیے نبی ﷺ نے اسے فتنۂ دجال سے زیادہ خوفناک اور شرک خفی قرار دیا ہے۔

باب : ۳۶

کسی نیک عمل سے دنیا کا طالب ہونا بھی شرک ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ مَن كَانَ يُرِيدُ ٱلْحَيَوٰةَ ٱلدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَـٰلَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ﴿١٥﴾ أُو۟لَـٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِى ٱلْـَٔاخِرَةِ إِلَّا ٱلنَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا۟ فِيهَا وَبَـٰطِلٌ مَّا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾ ﴾ (ھود ۱۱/ ۱۵۔۱۶)

”جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کے طالب ہیں' ان کے اعمال کا سارا بدلہ ہم انہیں دنیا ہی میں دے دیتے ہیں اور اس میں ان کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی۔ ان کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں۔ انہوں نے اس دنیا میں جو کچھ کیا وہ سب ضائع ہے اور جو کچھ کرتے رہے وہ سب برباد ہے۔“ [1]

---

[1] دنیا کے اجر و ثواب کے حصول کے لیے کوئی نیک عمل کرنا شرک اصغر ہے اور اپنے اعمال' قصد اور حرکات سے محض دنیا کے طالب کفار ہی ہوتے ہیں۔ یہ آیت اگرچہ انہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کے الفاظ کے تحت ہر وہ شخص آجاتا ہے جو اپنے عمل صالح کے ذریعہ دنیا کا طالب اور خواہاں ہو۔

نیک اعمال بجالاتے وقت انسان کے ذہن میں اگر دنیوی اجر و ثواب ہو تو اس کی دو قسمیں ہیں:

(الف) انسان کسی عملِ صالح کو محض دنیوی اجر کے حصول کے لیے بجالائے اور آخرت کے اجر کا طالب نہ ہو جبکہ وہ عمل ہے ہی ایسا کہ شریعت نے اس کا اخروی اجر تو بتایا ہے لیکن دنیوی اجر کی کوئی ترغیب نہیں دلائی۔ مثلاً نماز' روزہ اور اطاعت و فرمانبرداری کے دیگر اعمال' ان اعمال کو بجالاتے وقت دنیوی اجر کا طلبگار ہونا جائز نہیں بلکہ اگر کوئی ہو گا تو وہ مشرک ٹھہرے گا۔

(ب) کچھ اعمال صالحہ ایسے ہیں جن کا دنیوی اجر و ثواب شریعت نے بتایا ہے بلکہ اخروی اجر و ثواب ⬅

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«تَعِسَ عَبْدُالدِّينَارِ، تَعِسَ عَبْدُالدِّرْهَمِ، تَعِسَ عَبْدُ الْخَمِيصَةِ، تَعِسَ عَبْدُ الْخَمِيلَةِ، إِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ، وَإِنْ لَّمْ يُعْطَ سَخِطَ، تَعِسَ وَانْتَكَسَ، وَإِذَا شِيكَ فَلَا انْتَقَشَ، طُوبٰى لِعَبْدٍ آخِذٍ بِعِنَانِ فَرَسِهِ فِي سَبِيلِ اللهِ، أَشْعَثَ رَأْسُهُ، مُغْبَرَّةٍ قَدَمَاهُ، اِنْ كَانَ فِي الْحِرَاسَةِ كَانَ فِي الْحِرَاسَةِ وَإِنْ كَانَ فِي السَّاقَةِ كَانَ فِي السَّاقَةِ، إِنِ اسْتَأْذَنَ لَمْ يُؤْذَنْ لَّهُ، وَإِنْ شَفَعَ لَمْ يُشَفَّعْ»(صحيح البخاري، الجهاد، باب الحراسة في الغزو في سبيل الله، ح:٢٨٨٧)

”درہم و دینار (روپے پیسے) کا پجاری ہلاک ہوا۔ چادر اور کمبل کا پجاری ہلاک ہوا۔ اگر یہ چیزیں اسے مل جائیں تو خوش اور اگر نہ ملیں تو ناخوش۔ یہ برباد اور سرنگوں ہوا۔ اگر اسے کانٹا چبھے تو کوئی نہ نکالے' اور اس شخص کے لیے بہت بڑی سعادت ہے جو

◄ کے ساتھ ساتھ اس دنیوی اجر کا شوق بھی دلایا ہے۔ مثلاً صلہ رحمی' والدین کے ساتھ حسن سلوک اور حسن معاشرت کے اعمال وغیرہ۔ ان اعمال کو بجالاتے وقت اگر تو انسان' محض دنیوی اجر وثواب کو اپنے ذہن میں رکھے تو لائق وعید ہو گا اور اس کا عمل شرک کے زمرے میں آئے گا لیکن اگر دنیوی اور اخروی دونوں ثواب اس کے ذہن میں ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ شریعت نے ان اعمال پر دنیوی ثواب کا ذکر' محض ترغیب دلانے کے لیے کیا ہے۔ اس آیت مبارکہ کے تحت جہاں اور بہت سے لوگ آتے ہیں وہاں وہ لوگ بھی اس میں شامل ہیں جو سراسر دنیوی مال و دولت کی خاطر نیک اعمال کرتے ہیں۔

مثلاً دینی علم پڑھانے والا مدرس اگر محض تنخواہ لینے کے لیے پڑھاتا ہے اور اس کا ارادہ' جہالت کو دور کرنے' جنت کو حاصل کرنے اور جہنم سے بچنے کا نہیں تو وہ اسی وعید میں آئے گا۔ اسی طرح وہ لوگ جو ریا اور دکھلاوے کے لیے نیک اعمال کرتے ہیں وہ بھی اس میں شامل ہیں اور وہ لوگ بھی جو نیک اعمال تو کرتے ہیں لیکن ان کے ساتھ ساتھ اسلام اور توحید کے منافی امور کے مرتکب بھی ہیں ایسے لوگ اگرچہ اپنے آپ کو مومن کہلائیں لیکن درحقیقت جھوٹے ہیں اگر یہ سچے ہوتے تو اپنے اعمال' محض اللہ کے لیے بجالاکر اس کی توحید کو ماننے کا ثبوت دیتے اور دنیا کے اجر وثواب کے طلبگار ہو کر شرک کے مرتکب نہ ہوتے۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں گھوڑے کی باگ تھامے ہوئے ہو' اس کا سر(یعنی بال) پراگندہ اور پاؤں گرد آلود ہوں' اگر اسے (اسلامی فوج کے) پہرے پر بٹھایا جائے تو پہرہ دے' اگر اسے (اسلامی لشکر کے) پچھلے حصے پر مقرر کیا جائے تو وہاں ڈیوٹی دے' اگر وہ اجازت مانگے تو اسے اجازت نہ ملے' اور اگر وہ کسی کے حق میں سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول نہ ہو۔"[1]

مسائل

(۱) اس تفصیل سے واضح ہوا کہ انسان کا' آخرت میں کام آنے والے نیک اعمال کے بدلے' دنیا کا خواہش مند ہونا مذموم ہے۔

(۲) سورۂ ہود کی آیات ۱۵' ۱۶ کی تفسیر بھی معلوم ہوئی جن میں طالبِ دنیا کی مذمت بیان ہوئی ہے۔

(۳) مسلمان آدمی کو درہم و دینار کا پجاری کہا جاسکتا ہے۔

(۴) اگر اس کی آرزو پوری ہو تو خوش ورنہ ناخوش ہوتا ہے۔

(۵) اس حدیث میں الفاظ "تَعِسَ" اور "وَانْتَكَسَ" قابل غور ہیں۔

(۶) اور حدیث کے الفاظ "وَإِذَا شِيْكَ فَلَا انْتَقَشَ" بھی توجہ طلب ہیں۔

(۷) اس حدیث میں مذکورہ صفات کے حامل' مجاہد کی فضیلت بھی ثابت ہوتی ہے۔

---

[1] اس حدیث سے درہم و دینار کی مذمت ثابت ہوتی ہے۔ جس نے درہم و دینار کے لیے عمل کیا وہ گویا درہم و دینار کی عبادت کر کے شرک کا مرتکب ہو رہا ہے۔

کیونکہ عبودیت کے درجات مختلف ہیں۔ ان میں سے ایک درجہ شرک اصغر کی عبودیت کا بھی ہے۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص اس چیز کا پجاری ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ چیز ہی اس کے اس عمل کی محرک اور باعث ہے۔ اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ پجاری اپنے آقا کا مطیع و فرمانبردار ہوتا ہے' اس کا آقا اس کا رخ جدھر بھی کر دے وہ ادھر ہی ہو لیتا ہے۔

باب : ۳۷

اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیز کو حرام یا حرام کردہ چیز کو حلال سمجھنے میں علماء و امراء کی اطاعت ان کو رب کا درجہ دینا ہے۔ (۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

«يُوْشِكُ أَنْ تَنْزِلَ عَلَيْكُمْ حِجَارَةٌ مِّنَ السَّمَاءِ أَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَتَقُولُونَ قَالَ أَبُوبَكْرٍ وَّعُمَرُ» (مسند أحمد: ۱/ ۳۳۷)

"(تمہارا یہی حال رہا تو) قریب ہے کہ تم پر آسمان سے پتھر برسیں، میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کا فرمان سناتا ہوں اور تم (اس کے مدمقابل) ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی بات کرتے ہو۔" (۲)

---

(۱) مصنف رحمہ اللہ اس باب میں اور اس کے بعد کے ابواب میں توحید کے تقاضے اور کلمہ ء شہادت کے لوازمات بیان کر رہے ہیں۔

یاد رہے! علماء دین کتاب و سنت کی نصوص کو سمجھنے کا ذریعہ اور واسطہ ہیں ان کی اطاعت، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے تابع سمجھ کر کی جائے گی۔ مستقل طور پر اطاعت صرف اللہ عزوجل کی ہے اس لیے کہ اطاعت بھی عبادت ہی کی ایک قسم ہے۔

البتہ وہ اجتہادی معاملات جن کے بارے میں کتاب و سنت کی کوئی نص صریح وارد نہیں ہوئی ان میں وہ قابل اطاعت ہیں کیونکہ اس کی اجازت خود اللہ تعالیٰ نے دی ہے اور مصلحت کا تقاضا بھی یہی ہے۔ شریعت نے ان مصلحتوں کا لحاظ رکھا ہے۔

(۲) امام احمد رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول اور ان کا یہ نظریہ بیان کیا ہے کہ وہ نبی ﷺ کے صریح اور واضح فرمان کے سامنے کسی دوسرے کا قول اور رائے پیش کرنے کے قائل نہ تھے، خواہ وہ قول اور رائے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما جیسی جلیل القدر شخصیات ہی کی کیوں نہ ہو تو پھر ان سے کم مرتبہ کسی شخصیت کی بات رسول اللہ ﷺ کی بات کے سامنے کیسے پیش کی جاسکتی ہے؟

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "مجھے ان لوگوں پر تعجب ہے جو حدیث کی سند اور اس کے صحیح ہونے کا علم ہو جانے کے بعد بھی سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے پر عمل کرتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ فَلْيَحْذَرِ ٱلَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِۦٓ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾ ﴾ (النور٢٤/ ٦٣)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ ان پر کوئی فتنہ یا سخت عذاب نہ آپڑے۔"

جانتے ہو فتنہ کیا ہے؟ اس سے مراد "شرک" ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جو انسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بات کو چھوڑ دے تو اس کے دل میں کجی آجائے اور وہ ہلاک ہو جائے۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا:

﴿ ٱتَّخَذُوٓا۟ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَـٰنَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ ٱللَّهِ وَٱلْمَسِيحَ ٱبْنَ مَرْيَمَ وَمَآ أُمِرُوٓا۟ إِلَّا لِيَعْبُدُوٓا۟ إِلَـٰهًا وَٰحِدًا ۖ لَّآ إِلَـٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ سُبْحَـٰنَهُۥ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٣١﴾ ﴾ (التوبة٢٤/ ٣١)

"انہوں (یعنی عیسائیوں) نے اپنے علماء' بزرگوں اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے سوا رب بنالیا' حالانکہ انہیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ ایک اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ ان شریکوں سے پاک ہے جن کو وہ اس کے شریک ٹھہراتے ہیں"۔

(حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ' جو کہ پہلے عیسائی تھے' کہتے ہیں) میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ہم ان علماء اور بزرگوں کی عبادت تو نہیں کرتے تھے۔" آپ نے فرمایا "کیا ایسا نہیں تھا کہ تم اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو ان کے کہنے پر حرام اور اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو ان کے کہنے پر حلال سمجھتے تھے؟" میں نے کہا: "واقعی ایسا ہی ہے۔" آپ نے فرمایا: "یہی ان کی عبادت ہے۔"[1]

---

[1] (جامع ترمذی' تفسیر القرآن' باب و من سورة التوبہ' ح ٣٠٩٥) علماء و امراء کی تعظیم

مسائل

① اس باب سے سورۂ نور کی آیت ۶۳ کی تفسیر واضح ہوئی جس میں رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی اور حکم عدولی کے انجام سے ڈرایا گیا ہے۔

② نیز سورۃ التوبہ کی آیت ۳۱ کی تفسیر بھی معلوم ہوئی جس میں بیان ہے کہ یہودیوں نے کس طرح اپنے علماء اور بزرگوں کو اپنے رب بنالیا تھا۔

③ اس بحث سے عبادت کا معنی اور مفہوم بھی واضح ہوا کہ عبادت کا صرف وہ مفہوم نہیں جو عدی رضی اللہ عنہ نے سمجھا تھا اور انہوں نے کہا تھا کہ ہم تو اپنے علماء اور بزرگوں کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ آپ نے واضح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیز کو علماء کے کہنے پر حرام سمجھنا اور اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیز کو علماء کے کہنے پر حلال سمجھنا بھی ان علماء کی عبادت اور ان کو اپنے معبود گرداننے کے مترادف ہے۔

④ اس باب سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے بالمقابل کسی بھی ہستی کو پیش نہیں کیا جا سکتا خواہ اس کا مقام کتنا ہی بلند اور ارفع کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نام' آپ کے بالمقابل پیش کرنے پر اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا نام پیش کرنے پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

◄ میں غلو کرتے ہوئے ان کے کہنے پر اور ان کی اطاعت کرتے ہوئے دین کو تبدیل کر ڈالنا' جس چیز کو وہ حلال کہیں اسے حلال سمجھنا اور جس چیز کو وہ حرام کہیں اسے حرام جاننا جبکہ اس بات کا علم بھی ہو کہ یہ چیز حلال ہے یا حرام' یہ سراسر انہیں رب اور معبود بنالینے کے مترادف ہے اور یہ بہت بڑا کفر اور شرک اکبر ہے کیونکہ اس صورت میں اطاعت (جو کہ عبادت کی ایک قسم ہے) کا حق دار' اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کو ٹھہرایا گیا ہے۔

مصنف رحمہ اللہ اس مقام پر' صوفیاء' تصوف کے باطل طریقوں اور صوفیاء کی تعظیم میں غلو کرنے والوں کے بارے میں تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے مشائخ اور اولیاء' جن کو وہ اپنے زعم باطل میں اولیاء سمجھتے تھے حالانکہ وہ حقیقت میں اولیاء نہیں تھے' کی دین کو تبدیل کرنے میں اطاعت کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کی اسی اطاعت کے بارے میں فرمایا کہ انہوں نے ان کو رب اور معبود بنالیا تھا۔

⑤ اس بحث میں یہ تنبیہ بھی ہے کہ اب حالات اس حد تک تبدیل ہو گئے ہیں کہ اکثر لوگوں کے نزدیک بزرگوں کی عبادت' ایک افضل ترین عمل کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ اب اسے ولایت کہا جاتا ہے۔ اسی طرح علم وفقہ کے نام پر اہلِ علم کی عبادت ہوتی ہے۔ اور پھر بعد ازاں حالات اس قدر تبدیل ہو چکے ہیں کہ اللہ کے بالمقابل ایسے لوگوں کی بھی پرستش ہو رہی ہے جو مطلقاً صالح نہ تھے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ان کی بھی پرستش ہو رہی ہے جو اصحاب علم نہیں بلکہ جاہلِ مطلق ہیں۔

باب : ۳۸

بعض ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کی حقیقت (۱)

ارشاد الٰہی ہے:

﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى ٱلَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ ءَامَنُوا۟ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوٓا۟ إِلَى ٱلطَّٰغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوٓا۟ أَن يَكْفُرُوا۟ بِهِۦ وَيُرِيدُ ٱلشَّيْطَٰنُ أَن يُضِلَّهُمْ ضَلَٰلًۢا بَعِيدًا ﴿٦٠﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا۟ إِلَىٰ مَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ وَإِلَى ٱلرَّسُولِ رَأَيْتَ ٱلْمُنَٰفِقِينَ يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُودًا ﴿٦١﴾ فَكَيْفَ إِذَآ أَصَٰبَتْهُم مُّصِيبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَآءُوكَ يَحْلِفُونَ بِٱللَّهِ إِنْ أَرَدْنَآ إِلَّآ إِحْسَٰنًا وَتَوْفِيقًا ﴿٦٢﴾ ﴾

(النساء ٤/ ٦٠-٦٢)

”کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ جو (کتاب) آپ پر نازل ہوئی اور جو (کتابیں) آپ سے پہلے نازل ہوئیں‘ ان سب پر ایمان رکھتے ہیں

---

(۱) اللہ تعالیٰ کی توحید ربوبیت اور توحید الوہیت کا تقاضا ہے کہ حکم اور فیصلے میں بھی اسے اکیلا اور وحدہ لاشریک لہ سمجھا جائے۔ اطاعت کا حقدار صرف اللہ عزوجل کو جاننے اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی گواہی کو سچ ثابت کرنے کے لیے ضروری ہے کہ بندے اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق باہمی فیصلے کریں اور جاہلیت کے قوانین اور ضوابط کے مطابق فیصلے کرنا ترک کردیں کیونکہ یہ بہت بڑا کفر اور توحید کے منافی امر ہے۔

شیخ محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ اپنے رسالہ ”تحکیم القوانین“ میں رقم طراز ہیں:

”یہ بہت بڑا اور صریح کفر ہے کہ ایک قابل لعنت قانون کو اس قانون کی جگہ لا کھڑا کیا جائے جسے روح الامین (جبریل علیہ السلام) سید المرسلین (محمد ﷺ) کی طرف اس لیے لے کر آئے تاکہ آپ تمام اہل جہان کے مابین رب العالمین کے حکم کے مطابق فیصلہ کرنے والے ہوں۔

(مگر) چاہتے ہیں کہ اپنا مقدمہ طاغوت کے پاس لے جاکر فیصلہ کرائیں' حالانکہ انہیں طاغوت اور اس کے فیصلے کے ساتھ کفر کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور شیطان انہیں بھٹکا کر راہ راست سے بہت دور لے جانا چاہتا ہے۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس چیز کی طرف جو اللہ نے نازل کی ہے اور آؤ رسول اللہ ﷺ کی طرف' تو آپ دیکھیں گے کہ منافق آپ سے اعراض کر کے رکے جاتے ہیں۔ اور پھر (ان کا) کیا حال ہوتا ہے جب ان کے اپنے اعمال کے سبب ان پر کوئی مصیبت آپڑے تو آپ کی خدمت میں آکر قسمیں اٹھاتے ہیں کہ ہم نے تو صرف اچھائی اور صلح کرانے کا ارادہ کیا تھا۔"[1]

---

[1] ان لوگوں کا اپنے مقدمے کو طاغوت (غیر اللہ) کے پاس لے جاکر اس سے فیصلہ کروانے کی خواہش رکھنے کے ساتھ ساتھ یہ دعویٰ کرنا کہ وہ قرآن اور اس سے سابقہ تمام آسمانی کتب پر ایمان رکھتے ہیں' جھوٹ اور حقیقت کے برعکس ہے کیونکہ ایمان' اور طاغوت سے فیصلہ کروانے کی خواہش رکھنا دونوں ایسے باہمی متضاد امور ہیں کہ ان دونوں کا یکجا جمع ہونا ناممکن ہے۔

"یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْا......" "وہ چاہتے ہیں کہ اپنا مقدمہ طاغوت کے پاس لے جاکر اس سے فیصلہ کروائیں۔" اس جملے میں لفظ "یُرِیْدُوْنَ" ...... "وہ چاہتے ہیں" ایک اہم ضابطے کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ طاغوت سے فیصلہ کروانے والے شخص سے ایمان کی نفی اس وقت ہوگی جب وہ اپنے ارادے' خوشی اور اختیار کے ساتھ اس سے فیصلہ کروائے اور اسے ناپسند نہ سمجھے۔ گویا اس فیصلہ میں ارادہ' اختیار اور خوشی ایک شرط کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر یہ چیزیں ہوں گی تو وہ شخص ایمان دار کہلانے کا حق دار قطعاً نہیں ہوگا اور اگر اسے طاغوت سے فیصلہ کروانے اور تسلیم کرنے پر مجبور کیا جارہا ہے' وہ اسے ناپسند جانتا ہے تو ایسا مجبور ولاچار شخص ایمان سے خارج نہ ہوگا۔

"وَقَدْ اُمِرُوْا......" "انہیں طاغوت اور اس کے فیصلے کے ساتھ کفر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔" طاغوت (غیر اللہ) سے فیصلہ کروانے کا انکار کرنا اور اس کے ساتھ کفر کرنا صرف واجب ہی نہیں بلکہ یہ توحید کا لازمی جزو اور اللہ تعالیٰ کو رب مان کر اس کی تعظیم کرنے کا تقاضا بھی ہے۔

"وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ......" "شیطان چاہتا ہے کہ انہیں بھٹکا کر راہ راست سے بہت دور لے جائے۔"

آیت کے اس آخری جملے سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ سے فیصلہ کروانے کی خواہش رکھنا اور اسے تسلیم کرنا سراسر شیطانی الہام اور ابلیسی بہکاوا ہے۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي ٱلْأَرْضِ قَالُوٓا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ﴿١١﴾ ﴾

(البقرۃ ۲/ ۱۱)

"اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد برپا نہ کرو تو کہتے ہیں ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں۔"(۱)

اور مزید فرمایا:

﴿ وَلَا تُفْسِدُوا فِي ٱلْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَٰحِهَا ﴾ (الأعراف ۷/ ۵۶)

"اور زمین میں' اس کی اصلاح کر دیے جانے کے بعد فساد نہ کرو۔"

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ أَفَحُكْمَ ٱلْجَٰهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ ٱللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿٥٠﴾ ﴾

(المائدۃ: ۵/ ۵۰)

"(یہ لوگ اگر اللہ کے قانون کو نہیں مانتے) تو کیا پھر یہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ اور جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں ان کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے؟"(۲)

---

(۱) یعنی ان سے کہا جاتا ہے کہ غیر اللہ کے قانون کے مطابق فیصلہ کر کے اور اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک ٹھہرا کر زمین میں فساد برپا نہ کرو کیونکہ اللہ کی شریعت اور توحید کے ساتھ زمین میں امن و امان ہوتا ہے اور شرک کی تمام تر انواع و اقسام کے ساتھ زمین میں فساد بپا ہوتا ہے۔ اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ زمین میں شرک پھیلانے اور اس کے اسباب و وسائل کو اختیار کرنے کی سعی و کوشش کرنا منافقوں کی خصلت اور عادت ہے اور اس سے بدتر یہ کہ وہ یہ فساد کرنے کے باوجود اپنے آپ کو امن پسند اور اصلاح پسند کہتے ہیں۔

(۲) دور جاہلیت کا طریق کار یہ ہوتا تھا کہ جو جس کو چاہتا اسے اپنا حکم اور منصف مان لیتا اور وہ منصف اپنے ہی وضع کردہ قوانین کے مطابق فیصلہ کرتا۔ گویا جاہلیت کے قوانین کے مطابق فیصلے کرنا اور کرانا ایک بشر اور انسان کو حکم اور منصف بنانا ہے اور اسے حکم و منصف بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر اسے مطاع' لائق اطاعت اور اللہ عزوجل کے ساتھ شریک ٹھہرایا گیا ہے جو کہ شرک اور باطل ہے۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهِ»(قال النووي في الأربعين، ح:٤١ حديث صحيح رويناه في كتاب الحجة باسناد صحيح)

''تم میں سے کوئی اس وقت تک (کامل) ایمان دار نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی تمام تر خواہشات اس شریعت کے تابع نہ ہو جائیں جسے میں لایا ہوں۔''

شعبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک منافق اور یہودی کے مابین جھگڑا ہو گیا۔ یہودی جانتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رشوت نہیں لیتے۔ اس نے کہا ہم یہ معاملہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ اور منافق نے کہا: ہم یہ معاملہ یہود کے پاس لے چلتے ہیں۔ وہ جانتا تھا کہ یہودی رشوت لیتے ہیں۔ آخرکار دونوں اس بات پر راضی ہو گئے کہ بنو جہینہ کے ایک کاہن سے فیصلہ کرا لیا جائے۔ تو اس موقع پر سورۂ نساء کی آیت ۶۰ نازل ہوئی۔ (آیت اور ترجمہ' باب کے آغاز میں گزر چکا ہے۔

بعض اہل علم نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت ان دو آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی جن کا کسی معاملہ میں آپس میں اختلاف ہو گیا تھا تو ان میں سے ایک نے کہا کہ ہم یہ معاملہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیش کرتے ہیں۔ دوسرے نے کہا نہیں' یہ معاملہ کعب بن اشرف یہودی کے پاس لے چلتے ہیں۔ چنانچہ وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلے آئے تو ان میں سے ایک نے سارا واقعہ ان کے گوش گزار کر دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے استفسار کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ نہیں کرانا چاہتا تھا' کیا یہ ٹھیک کہہ رہا ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! چنانچہ انہوں نے تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ (تفسیر الدر المنثور للسیوطی)

مسائل

① اس بحث سے سورۂ نساء کی آیت ۶۰ کی تفسیر اور طاغوت کے معنی کی وضاحت ہوئی۔

② سورۂ بقرہ کی آیت ۱۱ کی تفسیر بھی معلوم ہوئی کہ فساد کرنے والے خود کو اصلاح کار کہتے ہیں۔

③ سورۂ اعراف کی آیت ۵۶ کی تفسیر بھی معلوم ہوئی جس میں' زمین میں فساد کرنے سے روکا گیا ہے۔

④ سورہ مائدہ کی آیت ۵۰ کی تفسیر بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں۔

⑤ اس باب میں مذکور اول الذکر آیت کی تفسیر میں شعبی کا قول بھی سامنے آیا ہے۔

⑥ یہ بھی معلوم ہوا کہ سچا ایمان دار کون ہے اور جھوٹا کون۔

⑦ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے منافق کے ساتھ جو سلوک کیا اس کا ذکر بھی ہے۔

⑧ یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی شخص کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک اس کی تمام تر خواہشات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے تابع نہ ہوں۔

باب : ۳۹

اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا انکار [۱]

ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَٰنِ ۚ قُلْ هُوَ رَبِّي لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابِ ﴿٣٠﴾ ﴾ (الرعد۱۳/ ۳۰)

''اور یہ لوگ رحمان کو نہیں مانتے' آپ (ان سے) کہہ دیں کہ وہی (رحمٰن) میرا رب ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میرا اسی پر بھروسہ اور وہی میری پناہ گاہ ہے۔'' [۲]

---

[۱] اس باب کا توحید کے مسائل کے ساتھ دو طرح سے ربط اور تعلق ہے۔

(الف) توحید الوہیت کے دیگر بہت سے دلائل کے ساتھ ساتھ ایک بہت بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ وہ اللہ اپنے اسماء اور اپنی صفات میں یکتا اور اکیلا ہے۔ اس کی کسی صفت میں کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں۔ اسی طرح وہ حق عبادت میں بھی اکیلا اور منفرد ہے' اس کا کوئی ثانی نہیں۔

(ب) اللہ تعالیٰ کے کسی اسم اور کسی صفت کا انکار کرنے سے انسان شرک و کفر کا مرتکب اور دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا جاتا ہے۔ جب کسی انسان کو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کا فلاں اسم اور فلاں صفت ثابت ہے اور اسے خود اللہ تعالیٰ نے یا اس کے رسول ﷺ نے بیان فرمایا ہے' پھر وہ اس کا انکار اور اس کی نفی کر دے تو وہ کفر کا مرتکب ہو گا کیونکہ اس نے کتاب و سنت کی تکذیب کر دی اور اسے جھٹلا دیا ہے۔

[۲] ''الرحمن'' اللہ عزوجل کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ مشرکین و کفار مکہ کہا کرتے تھے کہ ہم تو صرف ''یمامہ'' (علاقہ) کے رحمٰن کو جانتے ہیں' اس کے سوا کسی رحمٰن کو نہیں جانتے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے نام' رحمٰن کا انکار کیا اور اس طرح وہ ذات باری تعالیٰ کے منکر و کافر ہوئے اسی لیے اللہ عزوجل نے فرمایا ''وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ'' ''وہ رحمٰن کے ساتھ کفر کرتے ہیں'' یعنی اللہ کے نام' رحمٰن کے ساتھ۔

لفظ ''الرحمٰن'' اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ہر نام اس کی کسی نہ کسی صفت پر ضرور دلالت کرتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا ہر نام بیک وقت دو چیزوں پر دلالت کرتا ہے: ⟵

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے ”لوگوں کو وہی باتیں بتاؤ جنہیں وہ جان سکیں۔ (جو باتیں ان کے فہم و شعور سے بالا ہوں وہ سنا کر) کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا جائے۔[1]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو دیکھا جسے صفات باری تعالیٰ کے بارے میں ایک حدیث سن کر یوں کپکپی آ گئی گویا اسے یہ حدیث اچھی نہیں لگی اور وہ اسے اجنبی سا محسوس کر رہا ہے تو یہ منظر دیکھ کر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ”ان لوگوں کا ڈر عجیب ہے کہ اللہ کی محکم آیات سن کر ان پر رقت طاری ہو جاتی ہے اور متشابہ آیات سن کر (اور نہ مان کر) ہلاکت میں پڑتے جا رہے ہیں۔[2]

⬅ ایک تو ذات باری تعالیٰ اور دوسری، وہ صفت جس کا مفہوم، یہ نام ادا کرتا ہے۔

اسی لیے جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ہر نام اس کی کسی نہ کسی صفت کو متضمن ہوتا ہے تو پھر لفظ جلالہ (اللہ)، جو کہ ذات حق تعالیٰ کا ذاتی نام اور اسم علم ہے، بھی مشتق ہے اور الوہیت یعنی عبادت کا معنی و مفہوم اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ اہل علم کے اقوال میں سے صحیح ترین قول یہی ہے۔

[1] (صحیح بخاری، کتاب العلم، باب من خص بالعلم قوما......، رقم ۱۲۷) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول اس بات کی دلیل ہے کہ بعض علمی باتیں ہر کسی کو بتانے کے قابل نہیں ہوتیں۔ مثلاً توحید اسماء و صفات کے وہ دقیق مسائل جنہیں سمجھنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں، ان کے بارے میں عوام سے یہی کہا جائے گا کہ وہ ان پر اجمالی طور پر ایمان رکھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا انکار کرنے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ بسا اوقات کوئی آدمی لوگوں کے سامنے اسماء و صفات سے متعلقہ کوئی ایسی بات کر دیتا ہے جسے سمجھنے سے وہ یکسر قاصر ہوتے ہیں لہٰذا سرے سے اس کا انکار ہی کر ڈالتے ہیں، اس لیے ہر مسلمان پر خصوصاً اہل علم پر واجب اور ضروری ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کے منکر نہ بنائیں یعنی لوگوں سے ایسی باتیں ہرگز بیان نہ کریں جنہیں سمجھنے سے وہ بالکل قاصر ہوں اور ان کی عقلیں وہاں تک رسائی نہ کر سکتی ہوں جس کے نتیجہ میں وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کو جھٹلانے والے اور ان کی تکذیب کرنے والے بن جائیں۔

[2] (مصنف عبدالرزاق، رقم ۲۰۸۹۵) اس شخص نے اس حدیث کو اجنبی سا محسوس کیا اور سن کر کانپ گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کی اس صفت میں مخلوق کے ساتھ مماثلت اور تشبیہ پائی جاتی ہے۔ اسی مماثلت اور تشبیہ کا تصور اس کے ذہن میں آنے سے اس کے دل میں اس ⬅

اور جب قریش نے نبی ﷺ سے رحمان کا ذکر سنا تو انہوں نے اس کا انکار کیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں آیت نازل فرمائی:

﴿ وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَٰنِ ﴾ (الرعد۱۳/ ۳۰)

"اور وہ رحمان (کو نہیں مانتے بلکہ اس) کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔" (تفسیر ابن جریر الطبری)

مسائل

① اس بحث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے کسی نام یا کسی صفت کے انکار سے ایمان بالکلیہ ختم ہو جاتا ہے۔

② اس باب سے سورۂ رعد کی آیت ۳۰ کی تفسیر بھی واضح ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ کی صفت رحمان کا تذکرہ ہے۔

③ یہ بھی معلوم ہوا کہ جو بات سامع کے فہم سے بالاتر ہو اسے بیان نہیں کرنا چاہیے۔

④ اس کی وجہ بھی بیان ہوئی کہ اس سے سامع، اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کا خواہ مخواہ مرتکب ہو جاتا ہے اگرچہ اس کا قصد و ارادہ تکذیب کا نہ بھی ہو۔

⑤ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے کسی نام یا صفت کا انکار ہلاکت و تباہی کا سبب ہے۔

◄ صفت الٰہی کا خوف اور ڈر پیدا ہو گیا' حالانکہ ہر مسلمان مرد و عورت پر واجب ہے کہ وہ جب بھی اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت' قرآن و حدیث میں پڑھے یا سنے تو اس کا وہی مفہوم لے جو دیگر صفات کا لیا جاتا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے صفات کو اس طرح سے ثابت کیا جائے کہ اس میں مخلوق کے ساتھ کسی طرح سے کوئی تشبیہ اور تمثیل نہ دی جائے اور نہ ہی اس کی کوئی کیفیت بیان کی جائے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس شخص کے دل کی کیفیت کو محسوس کر کے تعجب کا اظہار کیا کہ یہ لوگ کیسے عجیب ہیں کہ جب ایسی بات سنتے ہیں جس کا انہیں علم ہوتا ہے تو ان کے دلوں میں رقت آ جاتی ہے اور جب کتاب و سنت کی کوئی ایسی بات سنتے ہیں جو ان کی عقلوں سے بالاتر ہوتی ہے تو اس پر ایمان بالغیب رکھنے کے بجائے اس کی غلط تاویل' نفی اور انکار کر کے خود کو ہلاکت کے گڑھے میں ڈالتے پھرتے ہیں۔

باب : ۴۰

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کفر ہے۔ [1]

ارشاد الٰہی ہے:

﴿يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ ٱللَّهِ ثُمَّ يُنكِرُونَهَا وَأَكْثَرُهُمُ ٱلْكَٰفِرُونَ ﴿٨٣﴾﴾ (النحل١٦/ ٨٣)

"یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کو پہچانتے ہوئے بھی انکار کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو (اللہ کی نعمتوں کے) ناشکرے ہیں۔"

اس آیت کی تفسیر میں مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں "انسان کا یوں کہنا کہ یہ مال تو مجھے آباؤ اجداد کی طرف سے ورثہ میں ملا ہے' اللہ کی نعمت کا انکار ہے۔" [2] (تفسیر ابن جریر الطبری)

---

[1] انسان کو چاہئے کہ وہ یہ یقین رکھے کہ تمام کی تمام نعمتیں' اللہ ہی کی طرف سے ہیں اور توحید بھی تب ہی مکمل ہو سکتی ہے جب ہر نعمت کی نسبت اللہ عزوجل کی طرف ہی کی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی نسبت' غیر اللہ کی طرف کرنا توحید میں نقص اور شرک اصغر ہے۔ اسی لیے اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ ٱللَّهِ﴾ (النحل١٦/ ٥٣)

"اور تمہارے پاس جتنی بھی نعمتیں ہیں سب اللہ ہی کی طرف سے ہیں۔"

[2] یہ بات توحید کے منافی اور شرک ہی کی ایک قسم ہے کیونکہ ایسا کہنے والے شخص نے مال و دولت کی اس عظیم نعمت کی نسبت اپنی طرف اور اپنے آباؤ اجداد کی طرف کر دی جبکہ فی الواقع یہ مال' اللہ عزوجل ہی نے اس کے آباؤ اجداد کو دے رکھا تھا پھر اسی رب کی تقسیم سے' جو اس نے وراثت کی صورت میں کی' اس بندۂ مومن تک یہ مال پہنچا تو گویا یہ سب' اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم ہی سے ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے والد کو اولاد تک مال پہنچانے کا ایک سبب اور ذریعہ بنایا ہے اور اسی لیے وراثت کی تقسیم میں والد یا کسی بھی صاحب مال کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنی مرضی سے جسے چاہے اس کا وارث اور حق دار بنا دے کیونکہ درحقیقت اس مال کا مالک وہ نہیں بلکہ اللہ عزوجل ہے۔ جسے وہ چاہے گا وہی اس کا وارث اور مالک بنے گا۔

عون بن عبداللہ کہتے ہیں ''لوگوں کا یہ کہنا کہ اگر فلاں نہ ہوتا تو یوں ہو جاتا' اللہ کی نعمت کا انکار ہے۔'' [1] (تفسیر ابن جریر الطبری)

ابن قتیبہ کہتے ہیں ''لوگوں کا یہ کہنا کہ یہ چیز ہمارے معبودوں کی سفارش سے ملی ہے' بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت کا انکار ہے۔ (تفسیر ابن جریر الطبری)

شیخ الاسلام ابو العباس ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث

«إِنَّ اللهَ تَعَالٰى قَالَ: أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ»(صحيح البخاري، الأذان، باب يستقبل الإمام الناس إذا سلم، ح:٨٤٦ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كفر من قال مطرنا بالنوء، ح:٧١)

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آج صبح میرے بندوں میں سے کچھ تو مجھ پر ایمان لے آئے اور کچھ کافر ہو گئے۔'' [2] (یہ حدیث باب نمبر۲۹ میں گزر چکی ہے) کو بیان کرنے کے

---

[1] مثلاً یہ کہنا کہ اگر فلاں پائلٹ اپنی مہارت نہ دکھاتا تو ہم سیدھے تباہی کی طرف جارہے تھے (گویا ان کے کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں تباہی سے بچانے والا یہی پائلٹ ہی ہے) اسی طرح کے دیگر وہ الفاظ جن میں کسی کام کی نسبت اس کام کے سبب اور واسطے کی طرف کر دی جائے' ناجائز ہیں' خواہ وہ واسطہ انسان ہو یا کوئی جماد' کوئی قطعہ زمین ہو یا اللہ کی مخلوقات میں سے کوئی اور مخلوق۔ جیسے بارش' پانی اور ہوا وغیرہ ہیں۔

[2] یعنی جب انہیں کوئی نعمت حاصل ہوتی ہے تو ان کے ذہن میں یہ بات گردش کرنے لگتی ہے کہ ہم اپنے اولیاء' انبیاء' بتوں یا معبودان (باطلہ) کے پاس گئے تھے ان کی پوجا کر کے انہیں خوش کیا تھا تب انہوں نے ہمارے حق میں سفارش کی تو ہمیں یہ بھلائی اور خیر حاصل ہوئی۔ یعنی وہ اپنے جھوٹے خداؤں کو تو یاد کرتے ہیں لیکن اس اللہ عزوجل کو بھول جاتے ہیں جس نے یہ فضل اور انعام کیا ہے۔ انہیں یہ سمجھ تک نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ ایسی شرکیہ سفارشیں قبول نہیں کرتا جنہیں وہ یاد کرتے پھرتے ہیں۔

اس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے مقام پر رات بارش ہونے کے بعد ہمیں صبح کی نماز پڑھائی۔ آپ نے سلام پھیرا تو رخ مبارک لوگوں کی طرف کر کے فرمایا: تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کیا فرما رہا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا' اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے ⬅

بعد یوں فرمایا: "کتاب و سنت میں یہ بات بکثرت وارد ہے' اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو اللہ تعالیٰ کے انعام اور رحمت کو کسی غیر کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔ اور اس بات کی وضاحت کے لیے بعض اسلاف نے یہ مثال بیان کی ہے:

"جیسے لوگ کہتے ہیں کہ ہوا بہت ہی خوب تھی' ملاح ماہر اور تجربہ کار تھا' وغیرہ جو الفاظ زبان زد عام ہوتے ہیں۔ (سب ناجائز ہیں کیونکہ اس طرح کہنے سے اللہ کی نعمت کی نسبت غیر اللہ کی طرف ہو جاتی ہے)" (۱) (فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۸ ص ۳۳)

مسائل

① اس باب سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار یا انکار کس طرح ہوتا ہے۔

◄ فرمایا: اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ میرے بندوں میں سے بعض نے ایمان کی حالت میں صبح کی اور بعض نے کفر کی حالت میں' جنھوں نے کہا کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے بارش ہوئی وہ تو میرے مومن اور ستاروں کے کافر ٹھہرے اور جنھوں نے یہ کہا کہ ہم پر یہ بارش ستاروں کی وجہ سے برسی وہ میرے ساتھ کفر کرنے والے اور ستاروں پر ایمان رکھنے والے ہوئے۔

(۱) یہ بہت اہم مسئلہ ہے لوگوں کو اس کی طرف توجہ دلانی چاہئے اور تنبیہ کرنی چاہئے تاکہ وہ شرک کے مرتکب نہ ہو جائیں۔ ہمارے اوپر اللہ تعالیٰ کے احسانات اس قدر ہیں کہ شمار سے باہر' اس لیے ہمارا یہ فرض اور حق ہے کہ اس کے انعامات کی نسبت اسی کی طرف کریں اور انہیں یاد کر کے اس کا شکریہ ادا کریں اور اس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے کا سب سے پہلا درجہ یہ ہے کہ ان کی نسبت اسی مالک کی طرف کی جائے جس کی یہ نوازش ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے پیغمبر ﷺ سے فرمایا:

﴿ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿١١﴾ ﴾ (الضحی ۹۳/ ۱۱)

"اور اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کرتے رہیے۔"

یعنی یہ کہتے رہئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے یہ اس کی نعمت ہے اور یہ اس کا احسان ہے کیونکہ جب دل مخلوق میں سے کسی کی طرف مائل ہونے لگتا ہے تو انسان شرک کا مرتکب ہو جاتا ہے اور شرک سراسر توحید کے منافی ہے۔

۲ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے انکار کی یہ صورتیں بالعموم لوگوں کی زبانوں پر رائج ہیں۔

۳ اس قسم کی باتیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے انکار کے مترادف ہیں۔

۴ ایک دل میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار اور انکار' دونوں کا اجتماع ممکن ہے۔

باب : ۴۱

شرک کی بعض مخفی صورتیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٢﴾ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۲)

"پس تم دانستہ طور پر اوروں کو اللہ کے شریک نہ ٹھہراؤ۔"

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ "اَنْدَاد" سے مراد شرک ہے جو رات کے اندھیرے میں سیاہ پتھر پر چیونٹی کے چلنے سے بھی زیادہ مخفی ہے۔ مثلاً یوں کہنا "وَاللّٰهِ وَ حَيَاتِكَ" (اللہ تعالیٰ کی اور تیری زندگی کی قسم) "يَا فُلَانُ وَ حَيَاتِي" (اے فلاں! میری جان کی قسم) "لَوْلَا كُلَيْبَةُ هٰذَا لَاتَانَا اللُّصُوصُ" (اگر اس شخص کی کتیا نہ ہوتی تو ہمیں چور آلیتے۔) "لَوْلَا الْبَطُّ فِي الدَّارِ لَاتَانَا اللُّصُوصُ" (اگر گھر میں بطخ نہ ہوتی تو ہمیں چور آلیتے) یا کسی سے یہ کہنا کہ "مَاشَاءَ اللّٰهُ وَ شِئْتَ" (وہی ہو گا جو اللہ چاہے گا اور تم چاہو گے) "لَوْ لَا اللّٰهُ وَ فُلَانٌ" (اگر اللہ نہ ہوتا اور فلاں نہ ہوتا تو ......) اس قسم کی تمام باتیں شرک ہیں۔

تم اس قسم کی باتوں میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کا نام نہ لو۔ یہ سب شرکیہ باتیں ہیں۔ [1]

(سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] (تفسیر ابن ابی حاتم' رقم ۲۲۹' تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۹۴) **توحید کی حقیقت:** توحید کی اصل حقیقت یہ ہے کہ انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا اس کا کوئی شریک ہو نہ کوئی ساجھی۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کے نام کی قسم اٹھانا یا یوں کہنا کہ "وہی ہو گا جو اللہ تعالیٰ چاہے اور فلاں چاہے گا۔" یہ بھی شرک ہے۔ ایسے مواقع پر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا نام لینا چاہیے۔ توحید کا اولین اور کامل ترین درجہ یہ ⟸

«مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللهِ فَقَدْ كَفَرَ أَوْ أَشْرَكَ»(جامع الترمذي، الأيمان والنذور، باب ما جاء أن من حلف بغير الله فقد أشرك، ح: ١٥٣٥ والمستدرك للحاكم: ١/ ١٨)

"جس نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی قسم اٹھائی' اس نے کفر کیا یا شرک کا ارتکاب کیا" [1]

◄ ہے کہ یوں کہا جائے "اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہتا تو فلاں کام نہ ہوتا۔" البتہ یوں کہنا جائز ہے کہ "اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہتا اور پھر فلاں آدمی کا تعاون نہ ہوتا تو میرا فلاں کام نہ ہو سکتا۔" اس صورت میں فلاں (غیراللہ) کا مرتبہ اللہ تعالیٰ سے کم تر بیان ہوا ہے' اس لیے ایسا کلمہ جائز ہے۔ یہ اصل توحید کے منافی تو نہیں البتہ توحید کے اعلیٰ درجے کے منافی ہے۔ لیکن اگر یوں کہا جائے کہ "اللہ تعالیٰ اور فلاں نہ چاہتا تو یہ کام نہ ہوتا۔" یہ قول ناجائز اور حرام بلکہ شرک ہے۔

اسی لیے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "تم اپنے کسی کام میں بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہ کرو۔"

[1] اس حدیث کے راوی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بن خطاب ہیں نہ کہ عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب۔ مصنف رحمہ اللہ سے یہاں سہو ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ ہماری اور ان کی لغزشوں سے درگزر فرمائے۔ درج بالا حدیث شریف میں غیراللہ کے نام کی قسم کھانے کی مذمت بیان ہوئی ہے۔ قسم کا معنی ہوتا ہے کہ کلام میں تاکید پیدا کرنے کے لیے کسی ایسی شخصیت کا نام لینا جو مخاطب اور متکلم دونوں کے ہاں لائق تعظیم ہو۔ درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے جو ہر کسی کے ہاں لائق تعظیم ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ کلام میں تاکید اور پختگی پیدا کرنے کے لیے اس کے سوا کسی اور کا نام نہ لیا جائے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ اس کے سوا کسی اور کے نام کی قسم نہیں کھانی چاہئے۔

غیراللہ کی قسم شرک کیوں ہے؟ : غیراللہ کی قسم اٹھانا اس لیے شرک ہے کہ ایسی صورت میں مخلوق کو اللہ جیسا قرار دیا جا رہا ہوتا ہے۔ اور مخلوق کی تعظیم اسی طرح ہو رہی ہوتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے۔ ایسا کرنا کفر اصغر اور شرک اصغر ہے۔ البتہ عبادات میں' غیراللہ کی تعظیم اسی طرح کرنا جس طرح اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے' شرک اکبر ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص دلی طور پر غیراللہ کی قسم نہیں اٹھانا چاہتا' البتہ اس کی زبان سے غیرارادی طور پر نبی کی قسم' کعبہ کی قسم' امانت کی قسم' یا ولی کی قسم وغیرہ کے الفاظ بے ساختہ نکل جاتے ہیں تو یہ بھی شرک ہے کیونکہ اس سے اس کے نزدیک غیراللہ کی اہمیت اور تعظیم ظاہر ہوتی ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«لأَنْ أَحْلِفَ بِاللهِ كَاذِبًا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَحْلِفَ بِغَيْرِهِ صَادِقًا» (معجم الكبير للطبراني: ٩/ ١٨٣، رقم: ٨٩٠٢ ومصنف عبدالرزاق: ٨/ ٤٦٩، رقم: ١٥٩٢٩)

"میرے نزدیک غیراللہ کی سچی قسم اٹھانے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جھوٹی قسم اٹھانا زیادہ بہتر ہے۔" [1]

حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ تَقُوْلُوا: مَا شَاءَ اللهُ وَشَاءَ فُلاَنٌ وَّلٰكِنْ قُوْلُوا: مَا شَاءَ اللهُ ثُمَّ شَاءَ فُلاَنٌ»(سنن أبي داود، الأدب، باب لا يقال خبثت نفسي، ح: ٤٩٨٠)

"یوں نہ کہو "جو اللہ تعالیٰ چاہے اور فلاں چاہے" (وہی ہو گا) بلکہ یوں کہو (وہی ہو گا) جو اللہ تعالیٰ چاہے اور پھر جو فلاں چاہے۔" [2]

ابراہیم نخعی رحمہ اللہ یوں کہنا ناپسند اور مکروہ جانتے تھے کہ "اَعُوذُ بِاللّٰهِ وَبِكَ" (میں اللہ تعالیٰ کی اور تمہاری پناہ چاہتا ہوں) البتہ "اَعُوذُ بِاللّٰهِ ثُمَّ بِكَ" (میں اللہ تعالیٰ کی اور پھر تمہاری پناہ چاہتا ہوں) کہنا جائز سمجھتے تھے اور فرماتے کہ "لَوْ لاَ اللّٰهُ ثُمَّ فُلاَنٌ" (اگر اللہ

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ غیراللہ کی قسم اٹھانا بہت بڑا گناہ اور شرک ہے۔ جھوٹ اگرچہ کبیرہ گناہ ہے، تاہم شرک کئی کبیرہ گناہوں سے بھی بڑا جرم ہے۔ سچائی میں شرک کی آمیزش کی بہ نسبت، توحید میں جھوٹ کی آمیزش کم تر گناہ ہے۔ کیونکہ توحید والی نیکی جھوٹ سے عظیم تر اور شرک کا گناہ جھوٹ کے گناہ سے عظیم ترین ہے۔

[2] یہ نہی (ممانعت)، تحریم کے لیے ہے یعنی ایسی بات کہنا حرام ہے۔ کیونکہ ایسے الفاظ کے ذریعہ مشیئت میں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیراللہ کو شریک کیا جاتا ہے، البتہ یوں کہنا جائز ہے "وہی ہو گا جو اللہ تعالیٰ چاہے اور پھر فلاں چاہے۔"

کیونکہ انسان کی مشیئت اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے تابع ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا تَشَآءُونَ إِلَّآ أَن يَشَآءَ ٱللَّهُ﴾ (الدھر ٧٦/ ٣٠)

"تم نہیں چاہتے مگر وہی جو اللہ رب العالمین چاہے"۔

تعالیٰ اور پھر فلاں نہ ہوتا تو ۔۔۔۔۔) کہہ سکتے ہیں۔ البتہ "لَوْ لَا اللّٰهُ وَ فُلَانٌ" (اگر اللہ تعالیٰ اور فلاں نہ ہوتا تو ۔۔۔۔) کہنا ناجائز ہے۔ [1]

مسائل

(۱) اس باب میں سورۂ بقرہ کی آیت ۲۲ کے لفظ "اَنْدَاد" کی تفسیر موجود ہے۔
(۲) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شرک اکبر کے متعلق وارد شدہ آیات کی تفسیر اس انداز سے کرتے تھے کہ وہ شرک اصغر کو بھی واضح کرتیں۔
(۳) غیراللہ کی قسم اٹھانا شرک ہے۔
(۴) اور غیراللہ کے نام کی سچی قسم کھانا' اللہ تعالیٰ کے نام کی جھوٹی قسم کھانے سے زیادہ بڑا گناہ ہے۔
(۵) واوَ (اور) اور "ثُمَّ" (پھر) کے الفاظ میں معنوی فرق ہے۔

---

[1] کیونکہ اول الذکر جملہ میں پناہ طلب کرنے کے لیے غیراللہ کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا جاتا ہے کیونکہ جس سے پناہ مانگی جائے اس کے سامنے التجا اور اس کے ساتھ مضبوط تعلق ہونے کے علاوہ اس کی طرف رغبت' اس کا ڈر اور خوف اور دل کی اس کے ساتھ مکمل وابستگی ہوتی ہے۔ اس قسم کا تعلق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی ہونا چاہیے۔

اسلاف نے عام طور پر کراہت (ناپسندیدگی) کا لفظ حرام کے معنی ہی میں استعمال کیا ہے۔ بسااوقات یہ لفظ (کراہت) ایسی چیز پر بھی بول دیا جاتا ہے جو حرام نہ ہو۔ لیکن یہ لفظ ایسے موقع پر ہی بولا جاتا ہے جہاں نص موجود نہ ہو۔

باب : ۴۲

اللہ تعالیٰ کی قسم پر اکتفانہ کرنے والے کا حکم

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ تَحْلِفُوا بِآبَآءِكُمْ، مَنْ حَلَفَ بِاللهِ فَلْيَصْدُقْ، وَمَنْ حُلِفَ لَهُ بِاللهِ فَلْيَرْضَ، وَمَنْ لَّمْ يَرْضَ فَلَيْسَ مِنَ اللهِ»(سنن ابن ماجه، الكفارات، باب من حلف له بالله فليرض، ح:۲۱۰۱)

''تم اپنے آباؤاجداد کی قسمیں نہ اٹھایا کرو۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھائے اسے چاہیے کہ وہ سچی قسم اٹھائے۔ اور جس کے لیے اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھائی جائے اسے چاہئے کہ وہ اسے تسلیم کرے' اور جو اسے تسلیم نہ کرے' اس کا اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں۔'' (۱)

---

(۱) قسم قاضی کے سامنے اٹھائی جائے یا کسی دوسری جگہ' یہ حکم عام ہے کہ کسی بھی صورت میں غیراللہ اور آباؤاجداد کی قسم اٹھانا جائز نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی قسم بھی صرف اسی صورت میں جائز ہے جب آدمی سچا ہو۔ اور جس کے لیے اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھائی جائے اسے چاہئے کہ وہ اس پر راضی ہو جائے یعنی قسم اٹھانے والے کی قسم پر اعتبار کر لے اور معاملہ اللہ کے سپرد کر دے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھانا اس کی تعظیم کا اظہار ہے' لہٰذا اس کی تعظیم کا تقاضا ہے کہ اس کا نام سن کر آدمی اعتبار کرے اور معاملہ اس کے سپرد کر دے۔ اور اسے خواہ مخواہ جھوٹا قرار نہ دے کیونکہ اگر وہ فی الواقع جھوٹا ہوا تو اس کا وبال اسی پر ہو گا۔

اور جو شخص قسم پر راضی نہ ہو اس کا اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ دلیل ہے کہ کسی سے قسم اٹھوا کر اس پر اکتفانہ کرنا اور اسے تسلیم نہ کرنا کبیرہ گناہ ہے۔

مسائل

① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آباؤ اجداد کی قسم اٹھانا منع ہے۔

② اور اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھوانے والے کو چاہیے کہ وہ اس قسم کو تسلیم کر کے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے۔

③ جو شخص اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھوانے کے بعد بھی راضی نہ ہو اس کا اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں۔

باب : ۴۳

”وہی ہو گا جو اللہ تعالیٰ چاہے اور جو آپ چاہیں“ کہنے کا حکم (۱)

قُتَیلہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«أَنَّ يَهُودِيًّا أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: إِنَّكُمْ تُشْرِكُونَ، تَقُولُونَ: مَا شَاءَ اللهُ وَشِئْتَ، وَتَقُولُونَ: وَالْكَعْبَةِ، فَأَمَرَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَرَادُوا أَنْ يَحْلِفُوا أَنْ يَقُولُوا: وَرَبِّ الْكَعْبَةِ، وَأَنْ يَقُولُوا: مَا شَاءَ اللهُ ثُمَّ شِئْتَ»(سنن النسائي، الأيمان والنذور، باب الحلف بالكعبة، ح: ٣٨٠٤)

”ایک یہودی نے نبی ﷺ کی خدمت میں آکر کہا: تم (مسلمان) لوگ شرک کرتے ہو۔ یوں کہتے ہو ”مَاشَاءَ اللّٰهُ وَ شِئْتَ“ (وہی ہو گا جو اللہ تعالیٰ چاہے اور جو آپ چاہیں) نیز تم کعبہ کی قسم بھی اٹھاتے ہو۔ تو نبی ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ کعبہ کی بجائے ربِ کعبہ کی قسم اٹھایا کریں اور ”مَاشَاءَ اللّٰهُ وَ شِئْتَ“ (وہی ہو گا جو اللہ تعالیٰ چاہے اور جو آپ چاہیں) کی بجائے ”مَاشَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ شِئْتَ“ (وہی ہو گا جو اللہ تعالیٰ چاہے اور پھر آپ چاہیں) کہا کریں۔“ (۲)

---

(۱) کسی سے یوں کہنا کہ ”وہی ہو گا جو اللہ تعالیٰ چاہے اور جو آپ چاہیں“ یہ شرک ہے کیونکہ اس طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیراللہ کو مشیئت میں شریک کر دیا جاتا ہے۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بسا اوقات حق' خواہشات نفس کے پجاری کی سمجھ میں بھی آجاتا ہے لہٰذا جب حق اس کی سمجھ میں آجائے اور وہ حق بتلائے تو اس سے لے لینا چاہیے کیونکہ مسلمان کا یہ فرض ہے کہ اسے حق جہاں سے بھی ملے' خواہ یہودی سے یا عیسائی سے' اسے قبول کرلے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

«أَنَّ رَجُلاً قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ مَا شَآءَ اللهُ وَشِئْتَ فَقَالَ: أَجَعَلْتَنِي لله نِدًّا؟ بَلْ مَا شَآءَ اللهُ وَحْدَهُ»(عمل اليوم والليلة للنسائي، ح:٩٨٨ ومسند أحمد: ١/ ٢١٤)

"ایک آدمی نے نبی ﷺ سے کہا: "مَاشَاءَ اللّٰهُ وَ شِئْتَ" (وہی ہو گا جو اللہ تعالیٰ اور آپ چاہیں) تو آپ نے فرمایا: تو نے مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرا دیا؟ صرف اتنا کہو "مَاشَاءَ اللّٰهُ" "وہی ہو گا جو اللہ تعالیٰ چاہے گا۔"

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مادری بھائی طفیل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

«رَأَيْتُ كَأَنِّي أَتَيْتُ عَلٰى نَفَرٍ مِّنَ الْيَهُودِ قُلْتُ: إِنَّكُمْ لَأَنْتُمُ الْقَوْمُ لَوْلَا أَنَّكُمْ تَقُولُونَ عُزَيْرٌ ابْنُ اللهِ، قَالُوا: وَأَنْتُمْ لَأَنْتُمُ الْقَوْمُ لَوْلَا أَنَّكُمْ تَقُولُونَ: مَا شَاءَ اللهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ ثُمَّ مَرَرْتُ بِنَفَرٍ مِّنَ النَّصَارٰى فَقُلْتُ إِنَّكُمْ لَأَنْتُمُ الْقَوْمُ لَوْلَا أَنَّكُمْ تَقُولُونَ: الْمَسِيحُ ابْنُ اللهِ قَالُوا: وَأَنْتُمْ لَأَنْتُمُ الْقَوْمُ لَوْلَا أَنَّكُمْ تَقُولُونَ: مَا شَاءَ اللهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ. فَلَمَّا أَصْبَحْتُ أَخْبَرْتُ بِهَا مَنْ أَخْبَرْتُ، ثُمَّ أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَأَخْبَرْتُهُ، قَالَ: هَلْ أَخْبَرْتَ بِهَا أَحَدًا؟ قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ: أَمَّا بَعْدُ: فَإِنَّ طُفَيْلًا رَأٰى رُؤْيَا أَخْبَرَ بِهَا مَنْ أَخْبَرَ مِنْكُمْ، وَإِنَّكُمْ قُلْتُمْ كَلِمَةً كَانَ يَمْنَعُنِي كَذَا وَكَذَا أَنْ أَنْهَاكُمْ عَنْهَا، فَلَا تَقُولُوا: مَا شَاءَ اللهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ وَّلٰكِنْ قُولُوا: مَا شَاءَ اللهُ وَحْدَهُ»(سنن ابن ماجه، الكفارات، باب النهي أن يقال ماشاء الله وشئت، ح:٢١١٨ ومسند أحمد: ٥/ ٧٢)

"میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میرا گزر یہود کی ایک جماعت کے پاس سے ہوا۔ میں نے ان سے کہا: تم اچھے لوگ ہو اگر تم عزیر (علیہ السلام) کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا نہ کہو، تو انہوں نے جواباً کہا: تم بھی اچھے ہو اگر تم "مَاشَاءَ اللّٰهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ" (وہی ہو گا جو

اللہ تعالیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں) نہ کہو' اس کے بعد میرا گزر عیسائیوں کے ایک گروہ کے پاس سے ہوا۔ میں نے ان سے کہا: تم اچھے لوگ ہو اگر تم مسیح (عیسیٰ علیہ السلام) کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا نہ کہو۔ انہوں نے جواباً کہا: تم بھی اگر "مَاشَاءَ اللّٰهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ" نہ کہو تو بہت اچھے ہو۔ صبح ہوئی تو میں نے کچھ لوگوں سے اس خواب کا تذکرہ کیا۔ پھر نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں آکر آپ سے ساری بات بیان کی۔ آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا: تم نے اس خواب کا کسی سے ذکر کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا: امابعد! طفیل نے خواب دیکھا ہے اور اس نے تم میں سے بعض لوگوں کے سامنے اس کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ تم ایک جملہ بولا کرتے ہو' تمہیں اس سے روکنے میں مجھے ہچکچاہٹ رہی۔ تم "مَاشَاءَ اللّٰهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ" (وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) چاہیں) نہ کہا کرو بلکہ صرف "مَاشَاءَ اللّٰهُ" (وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ چاہے) کہا کرو۔"[1]

مسائل

(۱) اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ یہودی شرک اصغر سے واقف تھے۔

(۲) نیز اگر انسان کی خواہش ہو تو حق اور باطل میں تمیز' اس کی سمجھ میں آسکتی ہے۔

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ بسااوقات گناہ گار' کافر اور غلط عقیدہ کا حامل آدمی کسی صحیح العقیدہ آدمی کی بات پر اعتراض کر سکتا ہے کہ جس طرح میں غلط ہوں' تم بھی تو فلاں غلط کام کرتے ہو۔ ایسی صورت میں صحیح العقیدہ آدمی کو چاہیے کہ وہ حق بات کو تسلیم کرلے اور اسے محض اس لیے رد نہ کردے کہ وہ غلط عقیدہ والے نے کہی ہے۔

یاد رہے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک اکبر سے تو آغاز تبلیغ ہی میں منع فرمادیا تھا' البتہ مسائل کی اہمیت کے لحاظ سے انہیں بالتدریج الاهم فالاهم بیان کیا گیا۔ شرک فی الالفاظ کو آپ نے اسی مصلحت کے تحت مؤخر کر دیا تھا کہ کسی مناسب موقع پر امت کو منع کر دیا جائے گا۔ جہاں تک شرک اکبر کا مسئلہ تھا' اس کے باقی رکھنے میں کوئی مصلحت نہیں تھی۔

③ کہنے والے نے "مَاشَاءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ" کہا تو نبی کریم ﷺ نے اس پر ناگواری کا اظہار فرمایا۔ تو جو شخص یوں کہے "مَالِي مَنْ اَلُوْذُ بِهٖ سِوَاكَ" (یا رسول اللہ!) "آپ کے سوا کوئی ہستی ایسی نہیں جس کی میں پناہ لے سکوں۔" اس بات کے شرک اور کہنے والے کے مشرک ہونے میں کیا شک ہے؟ یا کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کو پکارتے ہوئے یوں کہے' اے امام المرسلین! میرا تو صرف آپ ہی پر بھروسہ ہے۔ آپ ہی میرا آسرا اور میرے لیے اللہ کا دروازہ ہیں۔ اس دنیا میں آپ میرا ہاتھ تھامے رہیں اور آخرت میں بھی میرا ہاتھ پکڑیں کیونکہ آپ کے علاوہ کوئی بھی میری تنگی کو آسانی میں نہیں بدل سکتا۔ اس قسم کی باتیں بلاشبہ شرک ہیں۔

④ "مَاشَاءَ اللّٰهُ وَ شِئْتَ" وغیرہ کلمات اگرچہ نامناسب اور شرک اصغر ہیں تاہم شرک اکبر نہیں۔ ورنہ آپ بہت پہلے ان سے روک دیتے اور یوں نہ فرماتے کہ تمھیں ان الفاظ سے روکنے میں مجھے ہچکچاہٹ رہی۔

⑤ اچھا خواب وحی کی ایک قسم ہے۔

⑥ بلکہ اچھا خواب بسااوقات بعض احکام کی مشروعیت کا سبب بن جاتا ہے۔

باب : ۴۴

زمانے کو گالی دینا یا برا بھلا کہنا اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچانے کے مترادف ہے (۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُم بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿٢٤﴾ ﴾ (الجاثية ٤٥/ ٢٤)

''اور وہ کہتے ہیں ہماری زندگی تو صرف دنیا ہی کی ہے۔ ہم یہاں مرتے اور جیتے ہیں اور زمانہ ہی ہمیں مار دیتا ہے۔ انہیں حقیقت کا کچھ علم نہیں۔ اور وہ محض گمان سے کام لیتے ہیں۔'' (۲)

---

(۱) زمانے کو گالی دینا یا برا بھلا کہنا ہرگز جائز نہیں۔ یہ بات توحید کے منافی ہے۔ اس لیے اس سے احتراز ضروری ہے۔ جہلاء کی عادت ہے کہ جب کوئی کام ان کی مرضی کے خلاف ہو تو زمانے کو برا بھلا کہنے یا گالیاں دینے لگتے ہیں اور اس دن' ماہ یا سال کو لعنتی قرار دے کر شر یا برائی کی نسبت زمانہ کی طرف کرتے ہیں کہ زمانہ بڑا خراب ہے' بڑا خراب زمانہ آ گیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ زمانہ تو کوئی کام ہی نہیں کرتا۔ زمانے میں حقیقی متصرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اور اس کا خالق بھی وہی ہے لہٰذا زمانے کو برا بھلا کہنا اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچانے کے مترادف ہے۔ البتہ اگر یوں کہا جائے کہ یہ سال بڑے سخت ہیں' یہ دن بڑے سیاہ ہیں' یہ مہینے بڑے منحوس ہیں تو اس قسم کے الفاظ پر کوئی مواخذہ نہیں کیونکہ ان سے متکلم کی مراد یہ ہوتی ہے کہ میرے لیے یہ سال بڑے سخت' یہ مہینے بڑے منحوس (نامبارک) یا یہ دن بڑے سیاہ ہیں۔ اس سے وہ زمانے کو برا نہیں کہتا بلکہ اپنے حالات بیان کر رہا ہوتا ہے۔ اس لیے یہ الفاظ مذموم نہیں۔

(۲) حالات و واقعات کی نسبت زمانہ کی طرف کرنا مشرکین کا طریقہ ہے۔ جبکہ اہل توحید تمام امور کی نسبت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف کرتے ہیں۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«قَالَ اللهُ تَعَالٰى: يُؤْذِيْنِي ابْنُ آدَمَ يَسُبُّ الدَّهْرَ وَأَنَا الدَّهْرُ أُقَلِّبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ»(صحيح البخاري، التفسير، سورة حم الجاثية، باب وما يهلكنا إلا الدهر، ح:٤٨٢٦ وصحيح مسلم، الألفاظ من الأدب وغيرها، باب النهي عن سب الدهر، ح:٢٢٤٦)

"اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ابن آدم زمانے کو گالیاں دے کر (برا بھلا کہہ کر) مجھے ایذا پہنچاتا ہے کیونکہ (درحقیقت) میں ہی زمانہ (کا خالق اور مالک) ہوں۔ دن اور رات کو میں ہی تبدیل کرتا ہوں۔"

اور ایک روایت میں ہے:

«لاَ تَسُبُّوا الدَّهْرَ، فَإِنَّ اللهَ هُوَ الدَّهْرُ»(صحيح مسلم، الألفاظ من الأدب، باب النهي عن سب الدهر، ح:٢٢٤٦)

"زمانہ کو گالی مت دو (برا بھلا مت کہو) کیونکہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی زمانہ ہے۔"[1]

مسائل

(1) ان احادیث میں زمانے کو گالی دینے اور برا بھلا کہنے کی ممانعت ہے۔

(2) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانے کو برا بھلا کہنا' اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچانے کے مترادف قرار دیا ہے۔

(3) "فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ" (درحقیقت اللہ ہی زمانہ ہے) یہ جملہ ازحد قابل توجہ ہے۔

(4) انسان کو سب و شتم سے ہمیشہ اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ بسااوقات لاشعوری طور پر انسان سب و شتم کا مرتکب ہو جاتا ہے اگرچہ وہ اس کا ارادہ نہ بھی کرے۔

---

[1] اس کا مطلب یہ نہیں کہ "الدھر" (زمانہ) اللہ تعالیٰ کا نام ہے بلکہ اس سے بتلانا یہ مقصود ہے کہ زمانہ ازخود نہ تو کسی چیز کا مالک ہے اور نہ کچھ کرتا یا کر سکتا ہے بلکہ زمانے میں حقیقی مصرف اللہ تعالیٰ ہے لہذا زمانے کو برا بھلا کہنا' اس میں تصرف کرنے والے اللہ تعالیٰ کو برا بھلا کہنے کے مترادف ہے۔

باب : ۴۵

شہنشاہ، قاضی القضاۃ اور اس قسم کے القاب کی شرعی حیثیت [1]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ أَخْنَعَ اسْمٍ عِنْدَ اللهِ رَجُلٌ تَسَمَّى بِمَلِكِ الأَمْلَاكِ، لَا مَالِكَ إِلَّا اللهُ»(صحيح البخاري، الأدب، باب أبغض الأسماء إلى الله، ح:٦٢٠٦ وصحيح مسلم، الآداب، باب تحريم التسمي بملك الأملاك . . .، ح:٢١٤٣)

''اللہ کے نزدیک سب سے گھٹیا، ناپسند اور حقیر نام اس شخص کا ہے جو اپنے آپ کو بادشاہوں کا بادشاہ (شہنشاہ) کہلوائے کیونکہ اللہ کے سوا کوئی (حقیقی) بادشاہ نہیں۔''

سفیان ثوری رحمہ اللہ نے ''ملک الاملاک'' (بادشاہوں کا بادشاہ) کا ترجمہ شاہان شاہ یعنی ''شہنشاہ'' کیا ہے۔ [2]

دوسری روایت کے الفاظ یوں ہیں:

«أَغْيَظُ رَجُلٍ عَلَى اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَخْبَثُهُ»(صحيح مسلم، الآداب، باب تحريم التسمي بملك الأملاك . . .، ح:٢١٤٣ ومسند أحمد:٢/ ٣١٥)

''یعنی قیامت کے دن سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے غصے اور ناراضی کا مستحق اور سب سے بڑا خبیث شخص (وہ ہوگا جو اپنے آپ کو ''شہنشاہ'' کہلوائے)'' [3]

---

[1] یعنی جن اسماء و القاب کے معانی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں، توحید کا تقاضا ہے کہ ایسے اسماء اور القاب صرف اسی کے لیے استعمال کیے جائیں، مخلوق میں سے کسی کے لیے ان کا استعمال ناجائز ہے۔

[2] انسان کے متعلق یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ وہ فلاں چیز کا مالک ہے یا فلاں ملک کا بادشاہ ہے۔ مگر یوں نہیں کہا جا سکتا کہ وہ تمام ملکوں کا بادشاہ ہے۔ للذا توحید کا تقاضا یہ ہے کہ مخلوق میں سے کسی کو شہنشاہ نہ کہا جائے اور اگر کسی کے نام کے ساتھ کہیں لکھا ہوا ہو تو اسے مٹا دینا چاہیے۔

[3] کیونکہ اس نے اس نام میں اپنے آپ کو اللہ کا ہمسر اور ساجھی بنانے کی کوشش کی۔

مسائل

① اس بحث سے معلوم ہوا کہ ”ملک الاملاک“ یعنی ”بادشاہوں کا بادشاہ“ کہلوانا منع ہے۔

② اس کے علاوہ دیگر اسماء و القاب جو اسی قسم ”ملک الاملاک“ کا معنی و مفہوم رکھتے ہوں سب منع ہیں جیسا کہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے مثال کے طور پر لفظ شہنشاہ بتایا ہے۔

③ اس قسم کے اسماء و القاب کی ناپسندیدگی بھی شدید ضروری ہے۔ اگرچہ کسی کے دل میں ان الفاظ کا حقیقی معنی نہ بھی ہو تب بھی یہ ناپسند اور ممنوع ہیں' لہٰذا ہر حال میں ان سے اجتناب کرنا چاہیے۔

④ اور یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ محض اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کے پیش نظر اس قسم کے اسماء والقاب سے منع کیا گیا ہے۔

باب : ۴٦

اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کی تعظیم و تکریم اور اس وجہ سے کسی کے نام کی تبدیلی (۱)

ابو شریح رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میری کنیت "ابو الحکم" تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ هُوَ الْحَكَمُ، وَإِلَيْهِ الْحُكْمُ، فَقَالَ: إِنَّ قَوْمِي إِذَا اخْتَلَفُوا فِي شَيْءٍ أَتَوْنِي فَحَكَمْتُ بَيْنَهُمْ، فَرَضِيَ كِلاَ الْفَرِيقَيْنِ، فَقَالَ: مَا أَحْسَنَ هٰذَا، فَمَا لَكَ مِنَ الْوَلَدِ؟ قَالَ: شُرَيْحٌ، وَمُسْلِمٌ، وَعَبْدُاللهِ، قَالَ: فَمَنْ أَكْبَرُهُمْ؟ قُلْتُ: شُرَيْحٌ، قَالَ: فَأَنْتَ أَبُو شُرَيْحٍ» (سنن أبي داود، الأدب، باب تغيير الإسم القبيح، ح:٤٩٥٥ وسنن النسائي، آداب القضاة، باب إذا حكموا رجلا فقضى بينهم، ح:٥٣٨٩)

"حَکَم" (فیصلہ کرنے والا) اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور حکم بھی اسی کا نافذ ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا: میری قوم میں جب کسی بات پر اختلاف ہو جائے تو وہ جھگڑا میرے پاس لاتے ہیں تو میں ان کے درمیان فیصلہ کر دیتا ہوں، اس پر دونوں فریق راضی ہو جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "یہ کیسی اچھی بات ہے۔" پھر فرمایا: تمہارے بیٹوں کے کیا نام

---

(۱) ایک موحد مسلمان کو اپنے دل میں اور زبان سے اللہ تعالیٰ کے اسماء گرامی کا جو احترام ملحوظ رکھنا چاہیے اس باب میں اس کا بیان ہے۔ یہ احترام بسا اوقات مستحب اور بعض صورتوں میں واجب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء کے احترام کا تقاضا ہے کہ ان کی بے حرمتی نہ کی جائے اور وہ نام مخلوق میں سے کسی کے نہ رکھے جائیں۔

ہیں؟ میں نے کہا: شریح، مسلم اور عبداللہ۔ آپ نے دریافت فرمایا: ان میں سب سے بڑا کون ہے؟ میں نے بتایا کہ شریح، تو آپ نے فرمایا: تم ابو شریح ہو۔ یعنی آج سے تمہاری کنیت ''ابو شریح'' ہے۔ (۱)

مسائل

(۱) اس بحث سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا مکمل احترام کرنا لازم اور ایمانی تقاضا ہے اگرچہ یہ نام دوسروں کے لیے استعمال کرتے وقت ان کا معنیٰ، مقصود نہ بھی ہو۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کے احترام کے پیش نظر غلط اور شرکیہ ناموں اور کنیتوں کو تبدیل کر دینا چاہیے۔

(۳) کنیت کے لیے سب سے بڑے بیٹے کا انتخاب کرنا مستحب ہے۔

---

(۱) ''حکم'' اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ ''ابو الحکم'' کا معنیٰ ہوا حکم کا یعنی اللہ تعالیٰ کا باپ۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کو تو کسی نے نہیں جنا اور نہ ہی وہ کسی سے جنا گیا۔ لہٰذا ایسی کنیت رکھنا جائز نہیں۔

''ابو الحکم'' کا ایک معنیٰ یہ بھی ہو سکتا ہے ''فیصلے کرنے والا'' مگر چونکہ حقیقی اور درست فیصلے کرنے والا بھی حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ انسانوں کے فیصلے عارضی اور وقتی ہیں۔ لہٰذا اس وصف کا اصل حقدار اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس کے اسماء و صفات کے احترام کے پیش نظر، رسول اللہ ﷺ نے ''ابو الحکم'' کو ناپسند کر کے کنیت تبدیل کر دی۔

باب : ۴۷

اللہ تعالیٰ ' قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑانے والے کے بارے میں حکم ①

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ﴿٦٥﴾ ﴾ (التوبة۹/ ٦٥)

''اور اگر آپ ان سے پوچھیں (کہ تم کیا باتیں کر رہے تھے؟) تو کہیں گے ''ہم تو یوں ہی بات چیت اور دل لگی کر رہے تھے۔ آپ ان سے کہہ دیں کہ تمہاری دل لگی کے لیے اللہ تعالیٰ ' اس کی آیات اور اس کے رسول ہی (رہ گئے) ہیں؟'' ②

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ' محمد بن کعب ' زید بن اسلم اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہم سے مختلف الفاظ سے روایت ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر ایک منافق نے کہا: ہم نے پیٹ کے پجاری ' زبان کے جھوٹے اور میدان جنگ میں سب سے زیادہ بزدل ' ان علم والوں سے بڑھ کر اور کوئی نہیں دیکھے۔ اس کی مراد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے قراء

---

① اللہ تعالیٰ کے احکام کو دل و جان سے تسلیم کرنا ' ان کی اتباع ' ان کو قبول کرنا اور ان کی تعظیم کرنا بھی توحید کا تقاضا ہے اور اللہ تعالیٰ ' قرآن مجید یا رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑانا ان کی مخالفت اور ان کی تعظیم کے منافی ہے۔ اس لیے یہ عمل بہت بڑا کفر ہے۔ اسی طرح دین اسلام کا مذاق اڑانا بھی کفر ہے۔

② یہ آیت نص ہے کہ اللہ تعالیٰ ' رسول اللہ ﷺ اور قرآن مجید سے استہزاء کرنا کفر ہے اور ایسا کرنے والا آدمی کافر ہے اگرچہ وہ یہ عذر ہی پیش کیوں نہ کرے کہ میں تو دل لگی اور ہنسی مذاق کے لیے یہ باتیں کرتا ہوں۔ یہ آیت منافقین کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کے برعکس اہل توحید کبھی اللہ تعالیٰ ' اس کے رسول یا قرآن مجید سے استہزاء نہیں کرتے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔ عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: تو جھوٹا ہے اور (پکا) منافق ہے' میں تیری بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور بتاؤں گا چنانچہ عوف رضی اللہ عنہ بتانے کی غرض سے آپ کے پاس گئے مگر ان کے آنے سے پہلے وحی نازل ہو چکی تھی۔ وہ منافق بھی آپ کی خدمت میں (معذرت کے لیے) آ پہنچا' آپ اونٹنی پر سوار ہو کر روانہ ہو چکے تھے۔ وہ بولا: یارسول اللہ! ہم لوگ تو محض دل بہلانے کے لیے ایسی بات چیت اور سواروں کی سی باتیں کر رہے تھے' تاکہ سفر کی مشقت ہلکی کر سکیں (اور بوریت نہ ہو) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "وہ منظر اب بھی میرے سامنے ہے کہ وہ شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے کجاوے کی رسی کے ساتھ چمٹا ہوا ہے اور پتھر اس کے پاؤں سے ٹکرا رہے ہیں اور وہ کہہ رہا ہے "ہم تو محض بات چیت اور دل لگی کر رہے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں:

﴿ أَبِاللَّهِ وَءَايَـٰتِهِۦ وَرَسُولِهِۦ كُنتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ ۝٦٥ لَا تَعْتَذِرُوا۟ قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَـٰنِكُمْ ﴾ (التوبة٩/ ٦٥-٦٦)

"کیا اللہ تعالیٰ' اس کی آیات اور اس کے رسول ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لیے رہ گئے ہیں۔ تم بہانے نہ بناؤ۔ یقیناً تم نے ایمان لانے کے بعد (یہ بات کر کے) کفر کا ارتکاب کیا ہے۔"

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف التفات فرما رہے تھے نہ اس پر کچھ مزید فرما رہے تھے۔"[1]

مسائل

① اس باب سے ایک عظیم مسئلہ ثابت ہوا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مذاق اڑائے' وہ کافر ہے۔

② اس آیت کی تفسیر سے ثابت ہوا کہ ایسا کرنے والا خواہ کوئی بھی ہو' وہ کافر ہے۔

---

[1] (تفسیر ابن جریر الطبری' رقم' ۱۶۹۱۲' ۱۶۹۱۶' ۱۶۹۱۱' ۱۶۹۱۴' ۱۹۱۵' وابن ابی حاتم وأبو الشیخ وابن مردویہ' کمافی الدر المنثور (۲۳۰/۴) واسنادہ حسن

③ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لیے اخلاص اور چغلی کے درمیان فرق بھی واضح ہوا۔

④ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیز عفو و درگزر اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ سختی سے پیش آنے میں فرق بھی واضح ہوا۔

⑤ اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض عذر ناقابل قبول ہوتے ہیں۔

باب : ۴۸

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری، تکبر کی علامت اور بہت بڑا جرم ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَئِنْ أَذَقْنَٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ هَٰذَا لِى وَمَآ أَظُنُّ ٱلسَّاعَةَ قَآئِمَةً وَلَئِن رُّجِعْتُ إِلَىٰ رَبِّىٓ إِنَّ لِى عِندَهُۥ لَلْحُسْنَىٰ ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ بِمَا عَمِلُوا۟ وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿٥٠﴾ ﴾ (فصلت ٤١/ ٥٠)

"اور اگر تکلیف پہنچنے کے بعد ہم اسے اپنی رحمت سے نوازتے ہیں تو کہتا ہے "یہ تو میرا حق تھا، اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت آئے گی، اور اگر میں واقعی اپنے رب کی طرف لوٹایا گیا تو وہاں بھی خوش حالی ہو گی۔ پس کفر کرنے والوں کو ہم ضرور بتائیں گے کہ وہ کیا کچھ کرتے رہے اور انہیں ہم سخت عذاب سے دوچار کریں گے۔"

امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے "هٰذَا لِي" کی تفسیر میں فرمایا:

"هٰذَا بِعَمَلِي وَأَنَا مَحْقُوقٌ بِهِ"۔ "یہ مال و دولت تو میری محنت و کاوش کا نتیجہ ہے اور میں اس کا حق دار بھی ہوں۔" (تفسیر الطبری)

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ "یہ میری اپنی کاوش ہے۔"[1]

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

---

[1] یعنی وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت دے کر مجھ پر کوئی احسان نہیں کیا بلکہ میں تو اپنی محنت، شرف اور بزرگی کی بنا پر ویسے ہی اس چیز کا حق دار تھا۔ گویا اس چیز کے حصول کو وہ اپنی محنت کا نتیجہ اور اپنا استحقاق قرار دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احسان و انعام اور فضل کو یکسر فراموش کر دیتا ہے جبکہ انسان ⟵

﴿ قَالَ إِنَّمَآ أُوتِيتُهُۥ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِيٓ ﴾ (القصص ۲۸/ ۷۸)

"(قارون نے) کہا کہ مجھے یہ سب کچھ میری اپنی سمجھ کی بنا پر دیا گیا ہے۔"

اس آیت کی تفسیر میں قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "عَلٰى عِلْمٍ مِنِّى بِوُجُوهِ الْمَكَاسِبِ" یعنی اس نے کہا کہ یہ مال مجھے کمائی کے تجربے اور علم کی بدولت ملا ہے۔(تفسیر الدر المنثور)

دیگر اہل علم نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے: "وہ کہتا تھا کہ یہ مال و دولت تو مجھے اس لیے ملا کہ میں اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق اس کا اہل اور حق دار ہوں۔" مجاہد کے قول کا معنی بھی یہی ہے کہ وہ کہتا ہے: "یہ مال و ثروت مجھے بزرگی اور شرف کی بنا پر ملا ہے۔"[1] (تفسیر الطبری)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ ثَلَاثَةً مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ: أَبْرَصَ وَأَقْرَعَ وَأَعْمَىٰ، فَأَرَادَ اللهُ أَنْ يَبْتَلِيَهُمْ، فَبَعَثَ إِلَيْهِمْ مَلَكًا فَأَتَى الْأَبْرَصَ فَقَالَ: أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ: لَوْنٌ حَسَنٌ، وَجِلْدٌ حَسَنٌ، وَيَذْهَبُ عَنِّي الَّذِيْ قَدْ قَذِرَنِي النَّاسُ بِهِ، قَالَ فَمَسَحَهُ فَذَهَبَ عَنْهُ قَذَرُهُ، وَأُعْطِيَ لَوْنًا حَسَنًا وَجِلْدًا حَسَنًا قَالَ: فَأَيُّ الْمَالِ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ: الْإِبِلُ أَوِ الْبَقَرُ ـ شَكَّ إِسْحَاقُ ـ فَأُعْطِيَ نَاقَةً عُشَرَاءَ، وَقَالَ: بَارَكَ اللهُ لَكَ فِيهَا قَالَ: فَأَتَى الْأَقْرَعَ فَقَالَ: أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ: شَعْرٌ

← کی محنت و کاوش ایک سبب ضرور ہے۔ بسا اوقات یہ سبب اللہ کے حکم سے مؤثر ثابت ہوتا ہے اور بعض اوقات بغیر کسی سبب کے بھی انسان کو اس کا مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ گویا اصل معاملہ اللہ کے فضل اور اس کی عنایت کا ہے۔ انسان کا اپنا یا اس کے سبب کا کوئی کمال نہیں۔

[1] گویا بعض اصحاب ثروت جب خوش حال ہوتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مکمل طور پر غافل ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے کاروبار، دولت اور تجارت وغیرہ کو اپنی ذہانت، محنت اور کوشش کا نتیجہ قرار دیتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ سب تو ان کے خالق و مالک اللہ تعالیٰ کا انعام اور اس کا فضل ہے۔

حَسَنٌ، وَيَذْهَبُ عَنِّي الَّذِي قَدْ قَذِرَنِي النَّاسُ بِهِ، قَالَ: فَمَسَحَهُ، فَذَهَبَ عَنْهُ وَأُعْطِيَ شَعْرًا حَسَنًا، قَالَ: أَيُّ الْمَالِ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ: الْبَقَرُ ـ أَوِ الإِبِلُ ـ فَأُعْطِيَ بَقَرَةً حَامِلاً، وَقَالَ: بَارَكَ اللهُ لَكَ، فِيهَا فَأَتَى الأَعْمٰى فَقَالَ: أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ: أَنْ يَرُدَّ اللهُ إِلَيَّ بَصَرِي فَأُبْصِرَ النَّاسَ، فَمَسَحَهُ فَرَدَّ اللهُ إِلَيْهِ بَصَرَهُ، قَالَ: فَأَيُّ الْمَالِ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ: الْغَنَمُ، فَأُعْطِيَ شَاةً وَالِدًا، فَأَنْتَجَ هٰذَانِ وَوَلَّدَ هٰذَا، فَكَانَ لِهٰذَا وَادٍ مِّنَ الإِبْلِ، وَلِهٰذَا وَادٍ مِّنَ الْبَقَرِ، وَلِهٰذَا وَادٍ مِّنَ الْغَنَمِ قَالَ: ثُمَّ إِنَّهُ أَتَى الأَبْرَصَ فِيْ صُوْرَتِهِ وَهَيْئَتِهِ فَقَالَ: رَجُلٌ مِّسْكِيْنٌ وَّابْنُ سَبِيْلٍ قَدِ انْقَطَعَتْ بِيَ الْحِبَالُ فِي سَفَرِي فَلاَ بَلاَغَ لِيَ الْيَوْمَ إِلاَّ بِاللهِ ثُمَّ بِكَ، أَسْأَلُكَ ـ بِالَّذِي أَعْطَاكَ اللَّوْنَ الْحَسَنَ وَالْجِلْدَ الْحَسَنَ وَالْمَالَ ـ بَعِيْرًا أَتَبَلَّغُ بِهِ فِي سَفَرِي، فَقَالَ: الْحُقُوقُ كَثِيرَةٌ فَقَالَ لَهُ: كَأَنِّي أَعْرِفُكَ، أَلَمْ تَكُنْ أَبْرَصَ يَقْذَرُكَ النَّاسُ، فَقِيرًا فَأَعْطَاكَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ الْمَالَ؟ فَقَالَ إِنَّمَا وَرِثْتُ هٰذَا الْمَالَ كَابِرًا عَنْ كَابِرٍ، فَقَالَ: إِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَصَيَّرَكَ اللهُ إِلٰى مَا كُنْتَ، قَالَ: ثُمَّ إِنَّهُ أَتَى الأَقْرَعَ فِي صُورَتِهِ فَقَالَ لَهُ مِثْلَ مَا قَالَ لِهٰذَا، وَرَدَّ عَلَيْهِ مِثْلَ مَا رَدَّ عَلَيْهِ هٰذَا، فَقَالَ: إِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَصَيَّرَكَ اللهُ إِلٰى مَا كُنْتَ، قَالَ: وأَتَى الأَعْمٰى فِيْ صُورَتِهِ فَقَالَ: رَجُلٌ مِّسْكِينٌ وَّابْنُ سَبِيلٍ قَدِ انْقَطَعَتْ بِيَ الْحِبَالُ فِي سَفَرِي فَلاَ بَلاَغَ لِيَ الْيَوْمَ إِلاَّ بِاللهِ ثُمَّ بِكَ، أَسْأَلُكَ ـ بِالَّذِيْ رَدَّ عَلَيْكَ بَصَرَكَ ـ شَاةً أَتَبَلَّغُ بِهَا فِي سَفَرِي، فَقَالَ: قَدْ كُنْتُ أَعْمٰى فَرَدَّ اللهُ إِلَيَّ بَصَرِي، فَخُذْ مَا شِئْتَ، وَدَعْ مَا شِئْتَ فَوَاللهِ لاَ أَجْهَدُكَ الْيَوْمَ بِشَيْءٍ أَخَذْتَهُ لِلّٰهِ، فَقَالَ: أَمْسِكْ مَالَكَ، فَإِنَّمَا ابْتُلِيتُمْ فَقَدْ رَضِيَ اللهُ عَنْكَ وَسَخِطَ عَلٰى صَاحِبَيْكَ» (صحيح

البخاري، أحاديث الأنبياء، باب حديث أبرص وأعمى وأقرع في بني إسرائيل، ح:٣٤٦٤ وصحيح مسلم، الزهد والرقائق، باب الدنيا سجن للمؤمن وجنة للكافر، ح:٢٩٦٤)

"بنی اسرائیل میں تین آدمی تھے، جن میں سے ایک پھلبہری والا، دوسرا گنجا اور تیسرا نابینا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آزمائش کی غرض سے ان کی طرف ایک فرشتہ بھیجا۔ وہ فرشتہ پھلبہری والے کے پاس آیا اور اس سے پوچھا: تجھے کون سی چیز سب سے زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا: اچھا رنگ، خوبصورت جلد اور یہ کہ مجھ سے یہ بیماری رفع ہو جائے جس کے سبب لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ فرشتے نے اس پر ہاتھ پھیرا تو اس کی بیماری رفع ہو گئی۔ اچھا رنگ اور خوبصورت جلد مل گئی۔ فرشتے نے پھر پوچھا: تجھے کون سا مال زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا: اونٹ ......یا..... گائے۔ (راوی اسحاق کو ان دونوں لفظوں کے بارے میں تردد ہے کہ کون سا لفظ اس نے کہا) چنانچہ اسے حاملہ اونٹنی دی گئی اور فرشتے نے دعا کی "بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيهَا" (اللہ تعالیٰ تیرے لیے اس اونٹنی میں برکت فرمائے۔)

اس کے بعد وہ فرشتہ گنجے کے پاس آیا اور اس سے کہا: تجھے کون سی چیز زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا: خوبصورت بال اور یہ کہ مجھ سے یہ بیماری رفع ہو جائے جس کی وجہ سے لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ فرشتے نے اس پر ہاتھ پھیرا، اس کی بیماری ختم ہو گئی اور اسے خوبصورت بال مل گئے۔ فرشتے نے اس سے پوچھا: تجھے کون سا مال زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا اونٹ ......یا...... گائے۔ (یہ بھی راوی اسحاق کا شک ہے یعنی پھلبہری والے اور گنجے دونوں میں سے کسی ایک نے گائے اور دوسرے نے اونٹ مانگے) چنانچہ اسے ایک حاملہ گائے دے دی گئی۔ فرشتے نے دعا کی "بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيهَا" (اللہ تعالیٰ تیرے لیے اس گائے میں برکت فرمائے۔) اس کے بعد وہ فرشتہ نابینے کے پاس آیا اور اس سے کہا: تجھے کون سی چیز زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا: یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے میری بینائی لوٹا دے، تاکہ میں لوگوں کو دیکھ سکوں۔" فرشتے نے اس پر

ہاتھ پھیرا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بینائی لوٹا دی۔ فرشتے نے کہا: تجھے کون سا مال زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا: بکریاں، چنانچہ اسے حاملہ بکری دے دی گئی۔ کچھ عرصہ بعد اونٹنی اور گائے نے خوب بچے دیے۔ بکری نے بھی خوب بچے جنے، چنانچہ پھلبہری والے کے پاس اونٹوں، گنجے کے پاس گائیوں اور نابینے کے پاس بکریوں کا میدان بھر گیا۔ پھر وہ فرشتہ پھلبہری والے کے پاس اپنی سی پہلی شکل و صورت میں آیا اور کہا: میں مسکین اور مسافر آدمی ہوں، میرا زادِ راہ ختم ہو گیا ہے۔ آج اللہ کی مدد، یا پھر آپ کے تعاون کے بغیر منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ جس اللہ نے آپ کو خوبصورت رنگ، خوبصورت جلد اور اس قدر کثیر مال عطا کیا ہے، اس کے نام پر ایک اونٹ مانگتا ہوں تاکہ میں دوران سفر اس کے ذریعے اپنی ضرورت پوری کر کے منزل تک پہنچ سکوں۔

اس آدمی نے کہا: میری ضرورتیں بہت زیادہ ہیں (میں تمہیں اونٹ نہیں دے سکتا) تو فرشتے نے کہا: غالباً میں تجھے اچھی طرح جانتا ہوں، کیا تو پھلبہری والا نہ تھا؟ لوگ تجھ سے نفرت کرتے تھے اور تو انتہائی غریب تھا۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے یہ مال عطا کیا؟ وہ بولا: یہ مال تو مجھے آباؤ اجداد سے وراثت میں ملا ہے۔

فرشتے نے کہا: اگر تو اس بات میں جھوٹا ہو تو اللہ تعالیٰ تجھے پہلے جیسا بنا دے۔"

پھر وہ فرشتہ اسی پہلی شکل و صورت میں گنجے کے پاس آیا اور اس سے بھی وہی باتیں کہیں جو پھلبہری والے سے کہی تھیں تو اس نے بھی وہی جواب دیے۔ فرشتے نے کہا: اگر تو جھوٹا ہو تو اللہ تعالیٰ تجھے ویسا ہی کر دے جیسا تو پہلے تھا۔

پھر وہ فرشتہ اسی پہلی شکل و صورت میں اس نابینے کے پاس آیا اور کہا: میں ایک مسکین اور مسافر ہوں، میرا زادِ راہ ختم ہو گیا ہے، اللہ کی مدد، یا پھر آپ کے تعاون کے بغیر میں آج گھر نہیں پہنچ سکتا۔ جس اللہ نے آپ کو بینائی عطا کی، اس کے نام پر آپ سے ایک بکری کا سوال ہے تاکہ میں دوران سفر میں اس سے اپنی ضرورت پوری کر کے منزل تک پہنچ سکوں۔

اس نے کہا: میں نابینا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے میری بینائی لوٹا دی۔ جتنا چاہو لے جاؤ اور

جو چاہو چھوڑ جاؤ۔ آج اللہ کے نام پر جو کچھ بھی لے جاؤ میری طرف سے تمہیں کوئی سرزنش نہیں۔ تو فرشتے نے کہا: اپنا مال اپنے پاس ہی رکھو' تمہارا امتحان لیا گیا۔ اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی اور تیرے دوسرے دونوں ساتھیوں سے ناراض ہو گیا ہے۔ [1]

مسائل

① اس باب سے سورۂ فصلت کی آیت ۵۰ کی تفسیر واضح ہوئی جس میں ناشکرے انسان کو وعید سنائی گئی ہے۔

② "لَيَقُولَنَّ هٰذَا لِي" (کہ یہ تو میرا استحقاق تھا) کی تفسیر بھی واضح ہوئی۔

③ نیز "اِنَّمَا اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِي" (کہ یہ مال تو مجھے میرے علم اور کاروباری تجربے کی بدولت ملا ہے) کی تفسیر بھی معلوم ہوئی۔

④ حدیث میں مذکور تین افراد کے اس نصیحت آموز واقعہ میں جو عظیم عبرتیں پوشیدہ ہیں' اس باب میں ان کا بیان بھی ہے۔

---

[1] ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس طویل حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کو ان کی بیماریوں سے عافیت دی تو ان میں سے دو نے اس نعمت (صحت) کو اپنی طرف منسوب کیا۔ صرف ایک نے اس نعمت کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ناشکری کرنے والے دونوں کو ایسی سزا دی کہ انہیں ان کی سابقہ حالت میں لوٹا دیا۔ اور جس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور ملی ہوئی نعمت (صحت) کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے بہترین بدلہ دیا اور اسے دائمی نعمت سے نوازا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے' وہ جس کے لیے چاہے اپنی نعمت کو مستقل کر دیتا ہے اور جسے چاہے محروم کر دیتا ہے۔ جو شخص اپنے رب کی تعظیم کرے' اس کی نعمتوں پر اس کا شکریہ بجا لائے اور یہ عقیدہ رکھے کہ یہ تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہیں تو اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے وہ ہمیشہ سرفراز اور مالا مال رہتا ہے۔

ایک موحد مسلمان کا فرض ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھے کہ میں ہر چیز کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا محتاج ہوں۔ اور کسی بھی چیز کے بارے میں میرا اللہ تعالیٰ پر کوئی استحقاق نہیں۔ وہی میرا رب ہے اور وہی میری بندگی کا مستحق ہے۔ اور وہ اس لائق ہے کہ بندے اس کی نعمتوں پر اس کا شکریہ ادا کریں' اسے یاد رکھیں اور ہر نعمت کو اسی کا فضل سمجھتے ہوئے اسی کی طرف منسوب کریں۔

باب : ۴۹

اولاد ملنے پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَلَمَّآ ءَاتَىٰهُمَا صَٰلِحًا جَعَلَا لَهُۥ شُرَكَآءَ فِيمَآ ءَاتَىٰهُمَا ۚ فَتَعَٰلَى ٱللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿١٩٠﴾ ﴾ (الأعراف۷/ ۱۹۰)

''جب اللہ نے انہیں صحیح و تندرست بچہ دیا تو انہوں نے اس عنایت میں دوسروں کو اللہ کا شریک ٹھہرا دیا۔ پس اللہ ان شرکیہ باتوں سے جو یہ کرتے ہیں' بلند تر ہے۔''

ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں: اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس نام میں غیراللہ کی عبدیت کا اظہار ہو' وہ حرام ہے' مثلاً عبد عمرو' اور عبدالکعبہ وغیرہ۔ البتہ ''عبدالمطلب'' نام میں اختلاف ہے۔ [1]

---

[1] غیراللہ کی طرف عبدیت کی نسبت تمام انبیاء کی شریعتوں میں حرام رہی ہے کیونکہ اس سے نعمتوں کی نسبت غیراللہ کی طرف ہو جاتی ہے جبکہ نعمتوں کا انتساب صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف جائز ہے۔ ربوبیت و الوہیت کا حق غیراللہ کو دینے میں حد درجہ سوء ادبی بھی ہے۔ نیز غیراللہ کا بندہ کہلانا یا کسی کو غیراللہ کا بندہ کہنا معنی کے لحاظ سے بھی غلط ہے۔

عبدالمطلب: بعض اہل علم کہتے ہیں کہ عبدالمطلب نام رکھنا حرام نہیں صرف مکروہ (ناپسند) ہے جبکہ یہ قول درست نہیں۔ ان کا استدلال نبی ﷺ کے اس فرمان سے ہے جو آپ نے غزوۂ حنین کے موقع پر فرمایا تھا۔ ''اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ'' ''اس میں کوئی شک نہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کا نبی ہوں اور میں عبدالمطلب کا بیٹا (پوتا) ہوں۔'' ان کا کہنا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے دادا کا نام ''عبدالمطلب'' بول کر اپنی نسبت ان کی طرف کی ہے' اس سے معلوم ہوا کہ عبدالمطلب نام رکھنا درست ہے۔ مگر ان کا یہ استدلال غلط ہے کیونکہ آپ نے اپنے دادا کی نسبت غیراللہ کی طرف کی ہے نہ ان کو غیراللہ کا بندہ کہا ہے بلکہ آپ نے تو اپنے دادا کا نام ''عبدالمطلب'' صرف اس لیے لیا ہے کہ لوگوں میں یہی نام مشہور و ⟵

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب آدم و حوا علیہما السلام آپس میں ملے اور حوا حاملہ ہوئی تو ابلیس ان کے پاس آیا اور کہنے لگا: میں وہی ہوں جس نے تمھیں جنت سے نکالا تھا۔ تم میری ایک بات مان لو' تم اپنے بچے کا نام عبدالحارث رکھنا۔ ورنہ میں اس کے سر پر بارہ سنگے کے دو سینگ بنا دوں گا جن کی وجہ سے یہ بچہ تمہارا پیٹ چیر کر نکلے گا۔ میں یہ کر دوں گا اور وہ کر دوں گا۔ ایسی باتیں کر کے اس نے ان کو خوب ڈرایا دھمکایا مگر آدم و حوا علیہما السلام نے اس کی بات نہ مانی اور بچہ مردہ پیدا ہوا۔ حوا دوبارہ حاملہ ہوئیں تو شیطان نے آ کر پھر وہی بات کہی مگر آدم و حواء علیہما السلام نے اس کی بات نہ مانی اور بچہ مردہ پیدا ہوا۔ پھر جب حوا تیسری مرتبہ حاملہ ہوئیں تو شیطان پھر آیا اور وہی باتیں کرنے لگا۔ ان کے دل میں بچے کی محبت پیدا ہوئی اور انہوں نے بچہ پیدا ہونے پر اس کا نام عبدالحارث رکھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں "جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَاهُمَا" (انہوں نے اس عنایت میں دوسروں کو اللہ کا شریک ٹھہرا دیا) کی یہی تفسیر ہے۔ [1]

⟸ معروف تھا۔ باقی رہا بعض صحابہ کا یہ (عبدالمطلب) نام رکھنا تو اس بارے میں صحیح یہ ہے کہ ان کا نام عبدالمطلب نہیں بلکہ صرف "مطلب" تھا۔ بعض راویوں کی غلطی سے وہ اصل نام (مطلب) کی بجائے "عبدالمطلب" کے نام سے مشہور ہو گئے۔

[1] (اس واقعہ کو حافظ ابن کثیر اور علامہ ناصر الدین البانی رحمہما اللہ نے ضعیف کہا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں تفسیر ابن کثیر: ۲/ ۳۶۴ اور السلسلہ الضعیفہ: رقم: ۳۴۲

آدم و حوا علیہما السلام کے بچے کی عطا میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کا مفہوم یہی ہے کہ انہوں نے اس کا نام "عبدالحارث" رکھا اور حارث ابلیس کا نام ہے۔ آدم و حوا علیہما السلام کی یہ پہلی غلطی نہ تھی بلکہ اس سے پہلے بھی ایک مرتبہ غلطی کر چکے تھے۔ ایک حدیث میں ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شیطان نے دو مرتبہ آدم و حواء علیہما السلام کو دھوکہ دیا اور یہ سلف کے ہاں معروف ہے۔

اس لیے اس آیت میں "شرکاء" سے "شرک فی العبادت" نہیں بلکہ "شرک فی الطاعۃ" مراد ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر گناہ گار شیطان کی اطاعت کرتا ہے اور بندے سے جو بھی گناہ صادر ہوتا ہے وہ شرک فی الطاعۃ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس واقعہ سے ان کی شان اور مرتبہ میں کوئی کمی نہیں آتی اور نہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا تھا۔ اہل علم کے ہاں یہ بات معروف ⟸

ابن ابی حاتم ہی نے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے' وہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں' آدم و حوا علیہما السلام نے شیطان کا صرف کہا مانا تھا' اس کی عبادت نہیں کی تھی' یعنی ان کا یہ شرک "شرک فی الطاعۃ" تھا نہ کہ "شرک فی العبادۃ۔"

نیز ابن ابی حاتم ہی نے صحیح سند کے ساتھ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے "لَئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحًا" کی تفسیر میں بیان کیا ہے "آدم و حوا کو خدشہ تھا کہ مبادا ہمارا بچہ انسان نہ ہو۔" حسن بصری اور سعید رحمۃ اللہ علیہما وغیرہ اہل علم سے اسی قسم کے اقوال مروی ہیں۔

مسائل

① اس بحث سے ثابت ہوا کہ ہر وہ نام جس میں غیراللہ کی طرف عبدیت کی نسبت ہو' حرام ہے۔

② سورۂ اعراف کی آیت ۱۹۰ کی تفسیر بھی واضح ہوئی کہ شرکیہ نام رکھنا منع ہے۔

③ مذکورہ واقعہ میں آدم و حوا علیہما السلام کے جس شرک کا ذکر ہے وہ صرف بچے کا نام رکھنے کی حد تک تھا۔ حقیقی شرک نہ تھا۔

④ کسی کے ہاں صحیح و تندرست بیٹی کی ولادت بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

⑤ اسلافِ امت شرک فی الطاعۃ اور شرک فی العبادۃ کے مابین فرق رکھتے تھے۔

← ہے کہ انبیاء کرام سے صغیرہ گناہوں کا صدور ممکن ہوتا ہے البتہ وہ اس پر مداومت نہیں کرتے۔ بلکہ وہ اس سے جلد ہی رجوع کر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرتے ہیں۔ بلکہ ایسے واقعہ کے بعد ان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پہلے کی نسبت زیادہ ہی ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہاں شرک سے "شرک فی الطاعۃ" مراد ہے نہ کہ "شرک فی العبادۃ"۔

باب : ۵۰

اسماء حسنیٰ کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلِلَّهِ ٱلْأَسْمَآءُ ٱلْحُسْنَىٰ فَٱدْعُوهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا۟ ٱلَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِىٓ أَسْمَـٰٓئِهِۦ ۚ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿١٨٠﴾ ﴾ (الأعراف/۷ ۱۸۰)

اور اللہ کے اچھے اچھے نام ہیں، پس تم اسے انہی ناموں سے پکارو اور ان لوگوں سے دور رہو جو اس کے اسماء گرامی میں الحاد (کجی) کرتے ہیں، ان لوگوں کو ان کے اعمال کی سزا ضرور ملے گی۔ [1]

اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے الحاد کا معنی شرک کیا ہے۔ نیز انہوں نے فرمایا کہ مشرکین نے "اللہ" اسم الجلالہ سے "اللات" اور "العزیز" سے "العزیٰ" مشتق کیا تھا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم)

اعمش کا قول ہے کہ اسماء الٰہیہ میں الحاد کا مفہوم یہ ہے کہ ملحدین اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں اپنی طرف سے گھڑ کر بعض ایسے ناموں کا اضافہ کرتے ہیں جو حقیقت میں اس

---

[1] تمام اچھے اچھے نام اللہ عزوجل کے شایان شان ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اسے انہی ناموں سے پکارا اور یاد کیا جائے۔ "فَادْعُوْهُ بِهَا" کا معنی مفسرین نے ثنا اور عبادت کا کیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے ان اسماء حسنیٰ کے ساتھ اس کی تعریف و ثنا کی جائے اور اس کے دوسرے معنی دعا اور پکار کے بھی ہیں، یعنی جب تم اللہ تعالیٰ کو پکارو اور اس سے کوئی چیز طلب کرو تو اس کے اسماء حسنیٰ اور بلند صفات کا وسیلہ اور واسطہ بنا کر اسے پکارو۔ اسی آیت میں دوسرا حکم یہ ہے کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں الحاد کرنے والوں سے الگ تھلگ رہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کا ایسا مفہوم لینا جو حقیقت کے برعکس اور اللہ تعالیٰ کے حق میں نامناسب ہو الحاد فی الاسماء کہلاتا ہے اور اس کی مختلف صورتیں ہیں۔

کے نام نہیں ہیں۔ [1]

---

[1] الحاد فی الاسماء کی مختلف صورتیں:

(الف) معبودان باطلہ کے نام اللہ تعالیٰ کے ناموں جیسے رکھنا مثلاً "الالٰہ" سے "اللات" اور "العزیز" سے "العزیٰ" وغیرہ۔

(ب) یوں کہنا کہ اللہ تعالیٰ بھی صاحبِ اولاد ہے جیسا کہ عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دے دیا۔

(ج) اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء و صفات کا یا ان میں سے بعض کا انکار کرنا جیسا کہ غالی (فرقہ) جہمیہ، اللہ کے کسی بھی نام یا صفت کو تو نہیں مانتے، البتہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ موجود ہے اور اس کا وجود برحق ہے لیکن بغیر کسی اسم اور صفت کے۔

(د) اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے بارے میں مسلک حق سے عدول و اعراض کر کے ان کا ایسا مفہوم مراد لینا جس کی شرعی طور پر قطعاً اجازت نہیں جبکہ سلف کا صحیح عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء و صفات کو تسلیم کیا جائے اور ان پر ایمان رکھا جائے۔ ان کی تاویل کرنا یا ان کے مجازی معانی مراد لینا جائز نہیں جیسا کہ معتزلہ، اشاعرہ، ماتریدیہ وغیرہ نے کیا۔

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ الحاد فی الاسماء کے مختلف مراتب اور درجے ہیں، الحاد فی الاسماء کی بعض صورتیں کفر ہیں اور بعض بدعت، مذکورہ بالا صورتوں میں سے سب سے آخری صورت بالخصوص، بدعت کے زمرے میں آتی ہے نہ کہ کفر کے زمرے میں لہٰذا اس صورت کے الحاد کے مرتکبین کافر نہیں بلکہ بدعتی ٹھہریں گے۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے مسئلہ کے بارے میں بہت سے مباحث ہیں جنہیں عقائد کی مفصل کتابوں میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

تعلیق از مترجم: صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب للّٰہ مائة اسم غیر واحدة، حدیث: ۶۴۱۰۔ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں۔ جو انہیں یاد کر لے گا وہ جنت میں جائے گا، نیز اللہ وتر (ایک) ہے اور وہ وتر (طاق عدد) کو پسند کرتا ہے۔ جامع ترمذی کی ایک روایت میں اللہ تعالیٰ کے "۹۹" اسماء حسنیٰ بیان ہوئے ہیں۔ کتاب الدعوات، باب حدیث فی اسماء اللّٰہ الحسنٰی مع ذکرھا تماما، حدیث: ۳۵۰۷۔

مسائل

① اس باب میں اللہ تعالیٰ کے لیے اسماء کے اثبات کا ذکر ہے۔
② نیز معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سب نام اچھے ہیں۔
③ آیت کریمہ میں اسماء حسنٰی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کو پکارنے اور دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔
④ آیت مبارکہ میں یہ حکم بھی ہے کہ جو جہلاء اور ملحدین' اللہ تعالیٰ کے اسماء یا صفات کا انکار کریں ان سے الگ تھلگ اور دور رہنا چاہیے اور ان سے معارضہ نہیں کرنا چاہیے۔
⑤ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اعمش رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال سے الحاد فی الاسماء کی تفسیر بھی واضح ہوئی۔
⑥ نیز اس تفصیل سے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں الحاد کرنے والوں کے بارے میں سخت وعید ہے۔

باب : ۵۱

السلام علی اللہ کہنے کی ممانعت ①

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب ہم نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے تو ہم
«اَلسَّلاَمُ عَلَى اللهِ مِنْ عِبَادِهِ، السَّلاَمُ عَلٰى فُلاَنٍ وَّفُلاَنٍ»
"اللہ تعالیٰ پر اس کے بندوں کی طرف سے سلام ہو۔ فلاں فلاں شخص پر بھی سلام ہو۔" کہتے، اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
«لاَ تَقُولُوا: السَّلاَمُ عَلَى اللهِ، فَإِنَّ اللهَ هُوَ السَّلاَمُ»(صحيح البخاري، الأذان، باب التشهد في الاخرة، ۸۳۱، ۸۳۵، ۱۲۰۲، ٦٢٣٠ وصحيح مسلم، الصلاة، باب التشهد في الصلوة، ح:٤٠٢)

---

① "السلام علی اللہ" (اللہ تعالیٰ پر سلام ہو) کہنا توحید کے منافی ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ أَنتُمُ ٱلْفُقَرَآءُ إِلَى ٱللَّهِ ۖ وَٱللَّهُ هُوَ ٱلْغَنِىُّ ٱلْحَمِيدُ ﴿١٥﴾ ﴾
(الفاطر ۳۵/ ۱۵)
"لوگو! تم سب اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو۔ جبکہ اللہ تعالیٰ سب سے مستغنی (اور) قابل تعریف ہے۔"
اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا اور ان کے دعائیہ کلمات کا محتاج نہیں۔ لٰہذا توحید کا تقاضا یہ ہے کہ "السلام علی اللہ" وغیرہ الفاظ نہ کہے جائیں کیونکہ اس سے بظاہر یہ ذہن میں آتا ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ بندوں کی طرف سے اس قسم کی دعاؤں اور کلمات کا محتاج اور طلب گار ہے۔ حالانکہ بندے تو خود اللہ تعالیٰ کی سلامتی کے محتاج ہیں۔ اس قسم کے الفاظ توحید کے منافی ہیں اور ان سے توحید میں نقص واقع ہوتا ہے۔ اس لیے ایسے الفاظ سے احتراز کرنا ضروری ہے۔

"السلام علی الله" نہ کہا کرو کیونکہ اللہ تو خود "السلام" (سلامتی عطا کرنے والا) ہے۔"[1]

مسائل

① اس تفصیل سے سلام کی تفسیر ہوئی۔
② یہ کلمہ مسلمانوں کا آپس میں ایک دوسرے کے لیے تحفہ ہے۔
③ "السلام علی اللہ" کہنا اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں۔
④ اور "السلام علی اللہ" کہنے کی ممانعت کی علت بھی واضح ہوئی کہ اللہ تعالیٰ تو خود "السلام" یعنی سلامتی بخشنے والا ہے۔ اسے سلامتی کی دعا کی کوئی ضرورت نہیں۔
⑤ نبی کریم ﷺ نے امت کو "السلام علی اللہ" کی بجائے اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَ الصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ کے الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جناب میں تحیۂ تعظیم و تہنیت کی تعلیم دی ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کے شایان شان ہے۔

---

[1] صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ' اللہ تعالیٰ کے لیے بطور کلمۂ تحسین یہ جملہ کہا کرتے تھے۔ ان کا قصد و ارادہ اگرچہ درست تھا لیکن اس کلمۂ تحسین کے الفاظ ' چونکہ ذاتِ باری تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں تھے بلکہ ان میں سوء ادبی تھی جو کہ اللہ عزوجل کی ربوبیت اور اس کے اسماء و صفات کے منافی ہے اس لیے نبی اکرم ﷺ نے اس سے منع فرمادیا اور ایسا کلمہ کہنے کو حرام قرار دیا۔

باب : ۵۲

"یااللہ! اگر تو چاہتا ہے تو مجھے بخش دے"

کہنا درست نہیں [1]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ يَقُلْ أَحَدُكُمْ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي إِنْ شِئْتَ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِي إِنْ شِئْتَ، لِيَعْزِمِ الْمَسْأَلَةَ فَإِنَّ اللهَ لاَ مُكْرِهَ لَهُ»(صحيح البخاري، الدعوات، باب ليعزم المسألة فإنه لا مكره له، ح:٦٣٣٩، ٧٤٦٤ وصحيح مسلم، الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، ح:٢٦٧٩)

"تم میں سے کوئی یوں دعا نہ کرے کہ یااللہ! اگر تو چاہتا ہے تو مجھے بخش دے، یااللہ! تو چاہتا ہے تو مجھ پر رحم فرما، بلکہ اللہ تعالیٰ سے پورے وثوق سے سوال و دعا کرے، کیونکہ کوئی اللہ تعالیٰ کو مجبور کرنے والا اور اس پر دباؤ ڈالنے والا نہیں۔" [2]

اور صحیح مسلم میں ہے:

---

[1] اس قسم کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے بے پروائی اور استغناء کا اظہار ہوتا ہے کہ قائل کو اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور بخشش کی ضرورت نہیں۔ اور وہ اللہ کے حضور عاجزی وانکسار نہیں کرنا چاہتا۔ گویا وہ اللہ کا محتاج نہیں بلکہ اس سے مستغنی اور لاپروا ہے۔ چونکہ یہ بات توحید کے منافی ہے، اس لیے اس سے منع کیا گیا ہے۔

توحید کا تقاضا تو یہ ہے کہ انسان اپنے رب کے حضور اپنی احتیاج کا اظہار کرتا رہے کیونکہ بندہ ایک لمحہ کے لیے بھی اس سے مستغنی نہیں رہ سکتا۔ بلکہ وہ ہردم اس کی مغفرت، عفو وکرم اور اس کے فضل کا محتاج ہے۔

[2] یعنی وہ جب دعا کرے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے تو استغناء، بے پروائی اور اظہار تکبر کی بجائے احتیاج اور عاجزی ظاہر کرے۔

«وَلْيُعْظِمِ الرَّغْبَةَ، فَإِنَّ اللهَ لاَ يَتَعَاظَمُهُ شَيْءٌ أَعْطَاهُ»(صحیح مسلم، الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار، ح:٢٦٧٩)

"اور چاہیے کہ وہ خوب رغبت اور توجہ کے ساتھ دعائیں کرے کیونکہ کوئی چیز عطا کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ مشکل نہیں۔"[1]

مسائل

① اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ دعا میں استثنا کی ممانعت ہے یعنی یوں نہیں کہنا چاہیے کہ "یااللہ! تو چاہتا ہے تو مجھے بخش دے۔"

② اس کی علت یہ ہے کہ ایسا کہنے سے انسان کی بے پروائی اور تکبر کا اظہار ہوتا ہے۔

③ پورے وثوق کے ساتھ دعا کرنی چاہیے۔

④ اور دعا میں رغبت اور دلی میلان بھی بہت زیادہ ہونا چاہیے۔

⑤ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان بے بس اور محتاج ہے جبکہ اللہ تعالیٰ غنی اور صاحب قدرت ہے' اسے کوئی مجبور نہیں کرسکتا اور نہ ہی اس کے لیے کوئی چیز عطا کرنا کچھ مشکل ہے۔

---

[1] انسان کو چاہیے کہ جب بھی اللہ تعالیٰ سے سوال کرے تو بے پروائی اور تکبر کا اظہار کرنے کے بجائے محتاج و فقیر بن کر' پورے عزم و جزم اور انتہائی عجز و انکسار کے ساتھ سوال کرے کیونکہ یہ تو انسان کے خود اپنے یقین کی پختگی کی علامت ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کو تو کوئی بھی مجبور نہیں کرسکتا۔ وہ اہل جہاں سے غنی' قہار اور بے حد غلبہ و قدرت رکھنے والا ہے اور یہی اس کے اسماء و صفات کا تقاضا ہے۔ اس کے لیے کوئی چیز عطا کرنا کچھ مشکل نہیں۔

یاد رہے! بیمار پرسی کے موقع پر نبی ﷺ سے جو یہ ثابت ہے کہ آپ: «لاَ بَأْسَ طَهُورٌ إِنْ شَاءَ اللهُ»

کہا کرتے تھے تو اس کا مطلب ہرگز بے یقینی نہیں تھا کیونکہ یہ کلمات تو سرے سے دعا ہی نہیں بلکہ خبر اور اطلاع ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو یہ بیماری گناہوں سے پاک کردینے کا ذریعہ ہوگی۔ گویا دعا میں پختگی اور یقین کے ساتھ اس بات کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔

باب : ۵۳

کسی کو "میرا بندہ" اور "میری بندی" کہنا منع ہے [1]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ يَقُلْ أَحَدُكُمْ: أَطْعِمْ رَبَّكَ، وَضِّىء رَبَّكَ وَلْيَقُلْ: سَيِّدِي وَمَوْلاَيَ وَلاَ يَقُلْ أَحَدُكُمْ: عَبْدِي وَأَمَتِي، وَلْيَقُلْ: فَتَايَ وَفَتَاتِي وَغُلاَمِي»(صحيح البخاري، العتق، باب كراهية التطاول على الرقيق، ح:٢٥٥٢ وصحيح مسلم، الألفاظ من الأدب وغيرها، باب حكم إطلاق لفظة العبد والأمة والمولى والسيد، ح:٢٢٤٩)

"کوئی شخص یوں نہ کہے، اپنے رب کو کھانا کھلا، اپنے رب کو وضو کرا، بلکہ یوں کہنا چاہیے میرا آقا اور میرا مولا۔ اور کوئی یوں نہ کہے، میرا بندہ اور میری بندی، بلکہ یوں کہنا چاہیے میرا غلام، میرا خادم، میری خادمہ" [2]

---

[1] چونکہ اللہ تعالیٰ ہی بندوں کا رب اور ان پر تصرف کرنے والا ہے۔ لوگ اسے تسلیم کریں یا نہ کریں، درحقیقت سب اسی کے بندے ہیں۔ اس لیے غلام اور لونڈی کو اپنا بندہ یا اپنی بندی کہنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ اس طرح بندگی کی نسبت اپنی طرف ہو جاتی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے ادب اور تعظیم ربوبیت کے منافی ہے، اس لیے اکثر اہل علم کا قول ہے کہ میرا بندی اور میری بندی وغیرہ الفاظ جائز نہیں۔ البتہ بعض اہل علم نے ایسے الفاظ کو محض مکروہ لکھا ہے۔

[2] اس حدیث میں جو ممانعت بیان ہوئی ہے اس کے بارے میں اہلِ علم کا اختلاف ہے کہ آیا یہ مذکورہ کلمات کہنا حرام ہیں یا مکروہ؟ کیونکہ دراصل ان کا تعلق، ادب سے ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ کسی کو "عَبْدِی" (میرا بندہ) "اَمَتِی" (میری بندی) یا "اَطْعِمْ رَبَّكَ" (اپنے رب کو کھانا کھلا) کہنا جائز نہیں۔ البتہ لفظ "رَب" کی نسبت و اضافت، بے جان چیز کی طرف کی جاسکتی ہے جیسے "رَبُّ الدَّارِ" (گھر کا مالک) ہے کیونکہ اس استعمال میں عبودیت کا تصور ہی نہیں ہے۔

مسائل

① اس بحث سے ثابت ہوا کہ غلام اور لونڈی کو "عَبْدِی" اور "اَمَتِی" (میرا بندہ اور میری بندی) کہنا منع ہے۔

② اور کوئی غلام اپنے آقا کو "رَبِّیْ" (میرا رب) نہ کہے اور نہ کسی غلام سے یوں کہا جائے "اَطْعِمْ رَبَّکَ" (کہ اپنے رب کو کھانا کھلاؤ۔)

③ نیز اس حدیث میں آقا اور مالک کو تعلیم دی گئی ہے کہ وہ اپنے غلام اور لونڈی کے لیے "عَبْدِی" اور "اَمَتِی" (میرا بندہ۔ میری بندی) کی بجائے "فَتَایَ ' فَتَاتِی" اور "غُلَامِی" کے الفاظ استعمال کرے۔

④ اور غلام کو تعلیم دی گئی ہے کہ وہ اپنے آقا کو "سَیِّدِی" اور "مَولَایَ" کے الفاظ سے پکارے۔

⑤ ان ہدایات سے اصل مقصود یہ ہے کہ انسان کا عقیدۂ توحید مکمل طور پر پختہ ہو یہاں تک کہ الفاظ کے استعمال میں بھی توحید کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے انتہائی حزم و احتیاط ملحوظ رکھی جائے۔

اس حدیث میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ آقا کو "سید" اور "مولیٰ" کہنا چاہیے کیونکہ اضافت اور نسبت کے ساتھ لفظ "سید" کسی انسان کے لیے بولا جاسکتا ہے۔ لفظ "السید" اللہ تعالیٰ کا نام بھی ہے اور مخلوق کے لیے بھی بولا جاتا ہے لیکن دونوں کے مفہوم میں بہت زیادہ فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے اس کا مفہوم وہی ہوگا جو اس کے شایانِ شان ہے اور مخلوق کے لیے وہ جو اس کی قدرت و طاقت کے مطابق ہے۔ اسی طرح لفظ "مَوْلٰی" کے بھی کئی معانی ہیں۔ اور لفظ "السید" کی طرح لفظ "مولیٰ" بھی اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور یہ لفظ کسی انسان کے لیے بھی بولا جاسکتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے بولے جانے میں اور مخلوق کے لیے بولے جانے میں بہت فرق ہے۔ مخلوق کے لیے اس کا استعمال' محدود اور اس کی قدرت اور مقام کے لحاظ سے ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے لیے اس کا مفہوم اس کی عظیم بادشاہت اور سلطنت کے مطابق ہوگا۔

باب : ۵۴

اللہ تعالیٰ کے نام پر سوال کرنے والے کو خالی ہاتھ نہ لوٹایا جائے ①

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ سَأَلَ بِاللهِ فَأَعْطُوهُ، وَمَنِ اسْتَعَاذَ بِاللهِ فَأَعِيذُوهُ، وَمَنْ دَعَاكُمْ فَأَجِيبُوهُ، وَمَنْ صَنَعَ إِلَيْكُمْ مَعْرُوفًا فَكَافِئُوهُ، فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوا مَا تُكَافِئُونَهُ فَادْعُوهُ لَهُ حَتَّى تَرَوْا أَنَّكُمْ قَدْ كَافَأْتُمُوهُ»(سنن أبي داود، الزكاة، باب عطية من سأل بالله، ح: ١٦٧٢ وسنن النسائي، الزكاة، باب من سأل بالله عزوجل، ح: ٢٥٦٨)

"جو شخص اللہ کے نام پر سوال کرے، اسے (کچھ نہ کچھ) دو۔ اور جو شخص اللہ کا واسطہ دے کر پناہ طلب کرے اسے پناہ دو۔ اور جو شخص تمہیں دعوت دے، اس کی دعوت قبول کرو۔ اور جو شخص تمہارے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کرے، تم بھی اسے اس کا بدلہ دو۔ اگر تم بدلہ نہ دے سکو تو اس کے حق میں اس قدر دعا کرو کہ تمہیں یقین

---

① جب کوئی سائل اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اور اس کا واسطہ دے کر سوال کرے یا کوئی چیز مانگے تو اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے پیش نظر ایسے سائل کو خالی ہاتھ لوٹانا نہیں چاہیے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور بہت سے محققین اہل علم کا قول ہے کہ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اور اس کا واسطہ دے کر کسی ایک معین انسان کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور وہ انسان اس کی ضرورت پوری کرنے پر قادر ہو تو اسے خالی ہاتھ واپس کرنا حرام ہے۔ البتہ اگر وہ کسی شخص کو متعین کیے بغیر یوں ہی عمومی صدا لگائے تو اس کی ضرورت پوری کرنا محض مستحب ہے ضروری نہیں۔ اور اگر یہ معلوم ہو کہ یہ سائل جھوٹ بولتا ہے تو ایسی صورت میں جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نام پر سوال کرے تو اس کی حاجت پوری کرنا محض مباح ہے اور واجب ہے نہ مستحب۔

ہو جائے کہ تم نے اس کا بدلہ چکا دیا ہے۔"[1]

مسائل

① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دی جائے۔

② اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے نام پر سوال کرے اسے بھی کچھ نہ کچھ دینا چاہیے۔

③ اور دعوت دینے والے کی دعوت ضرور قبول کرنی چاہیے۔

④ نیز جو شخص حسن سلوک کرے' اسے اس کا بدلہ بھی دینا چاہیے۔

⑤ اور جو شخص احسان کا بدلہ نہ دے سکتا ہو اسے چاہیے کہ وہ اپنے محسن کے حق میں دعا ہی کر دے۔

⑥ اور دعا بھی اس قدر کرے کہ اسے یقین ہو جائے کہ اب بدلہ چکایا جا چکا ہے۔

---

[1] پناہ مانگنے والا چونکہ اللہ تعالیٰ کی عظیم ذات کا نام لے کر پناہ مانگتا ہے' اس لیے اسے پناہ دینی چاہیے۔ دعوت کے بارے میں اکثر اہل علم کا موقف ہے کہ پیش نظر حدیث میں جس دعوت کے قبول کرنے کا حکم ہے اس سے شادی کی دعوت (ولیمہ) مراد ہے۔ عام دعوتوں کو قبول کرنا ضروری نہیں بلکہ محض مستحب ہے۔ نیز حدیث مذکور میں یہ حکم بھی ہے کہ احسان مند شخص کو احساس کمتری کا شکار ہونے اور احسان کرنے والے کے سامنے اپنی بے بسی اور بے کسی کا اظہار کرنے کے بجائے اس کے احسان کا پورا پورا بدلہ دینے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو تو اس کے لیے اس قدر دعا ضرور کرنی چاہیے کہ انسان کو یقین ہو جائے کہ میں نے اس کا بدلہ چکا دیا ہے۔ یقیناً یہ تقویٰ وللہیت کا ایسا بلند ترین مقام ہے جس پر اہل اخلاص اور کامل موحدین ہی فائز ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان میں سے کرے۔ آمین!

باب : ۵۵

اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر صرف جنت ہی مانگی جائے [1]

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ يُسْأَلُ بِوَجْهِ اللهِ إِلاَّ الْجَنَّةُ»(سنن أبي داود، الزكاة، باب كراهية المسألة بوجه الله عزوجل، ح:١٦٧١)

"اللہ تعالیٰ کے چہرے کا واسطہ دے کر جنت کے سوا کچھ نہ مانگا جائے۔"

مسائل

① اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر سب سے بڑے اور اہم مقصود و مطلوب (جنت) کے علاوہ اور کوئی چیز نہ مانگی جائے۔

② نیز اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے وجہ (چہرہ) کا اثبات ہے۔

---

[1] چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات انتہائی مقدس، مبارک اور عظیم ہے۔ اس کے اسماء و صفات بھی ازحد قابل تعظیم ہیں اور ان کی تعظیم اسی طرح کرنا ضروری ہے جس طرح اس کی شان کے لائق ہے، یعنی ہم ان اسماء و صفات کے اصل معانی جان لینے کے بعد ان کی کیفیت و ماہیت اللہ عزوجل ہی کے سپرد کر دیں اور بغیر تشبیہ و تمثیل اور تعطیل کے ان پر ایمان رکھیں اور اس کی عظمت کا یہ تقاضا بھی ہے کہ اس کے اسماء و صفات، اس کی ذات اور اس کے مبارک چہرے کا واسطہ دے کر اس سے جنت جیسی عظیم نعمت ہی مانگی جائے، اور دنیا کی کوئی بھی حقیر چیز اس کا واسطہ دے کر نہ مانگی جائے۔ گویا اس باب میں اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کی تعظیم کرنے کی تنبیہ کی گئی ہے۔

باب: ٥٦

کسی پریشانی یا حادثہ کے بعد "اگر" اور "کاش" وغیرہ الفاظ کے ساتھ اظہار حسرت کرنا منع ہے [1]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ ٱلْأَمْرِ شَىْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَٰهُنَا ﴾ (آل عمران ٣/ ١٥٤)

"یہ لوگ (منافق) کہتے ہیں اگر ہمارے بس میں کچھ ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ ہوتے۔"

نیز ارشاد ہے:

﴿ ٱلَّذِينَ قَالُوا۟ لِإِخْوَٰنِهِمْ وَقَعَدُوا۟ لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا۟ ﴾ (آل عمران ٣/ ١٦٨)

"یہ (منافق) وہ لوگ ہیں جو خود تو (گھروں میں) بیٹھے رہے اور اپنے (ان) بھائیوں کی نسبت (جنھوں نے اپنی جانیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں فدا کر دیں) کہنے لگے کہ اگر وہ ہماری بات مان لیتے تو مارے نہ جاتے۔"

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اِحْرِصْ عَلٰى مَا يَنْفَعُكَ، وَاسْتَعِنْ بِاللهِ، وَلاَ تَعْجِزَنْ، وَإِنْ أَصَابَكَ شَيْءٌ فَلاَ تَقُلْ: لَوْ أَنِّي فَعَلْتُ لَكَانَ كَذَا وَكَذَا، وَلٰكِنْ قُلْ: قَدَّرَ اللهُ وَمَا شَآءَ فَعَلَ، فَإِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ» (صحيح

---

[1] بعض لوگ لاعلمی یا کم علمی کی بنا پر لاشعوری طور پر تقدیر کے شاکی ہوتے ہیں۔ جب کوئی ناگوار واقعہ یا حادثہ پیش آ جائے تو کہنے لگتے ہیں اگر ہم یوں کر لیتے تو یوں ہو جاتا۔ اگر ہم فلاں تدبیر اختیار کر لیتے تو اس نقصان اور پریشانی سے بچ جاتے، حالانکہ جو کچھ پیش آ چکا ہے اللہ کو وہی منظور تھا، اس لیے کسی پیش آمدہ واقعہ یا پریشانی کے بعد اگر مگر کی باتیں نہیں کرنی چاہئیں اور اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر دل و جان سے راضی رہنا چاہیے۔ اگر مگر کی باتیں کرنا حرام اور نفاق کی علامت ہے۔

مسلم، القدر، باب الإيمان بالقدر والإذعان له ح: ٢٦٦٤ ومسند أحمد: ٢/٣٦٦، ٣٧٠)

"اس چیز کی حرص کر جو تیرے لیے مفید ہو۔ اور صرف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگ۔ اور عاجز و کاہل ہو کر نہ بیٹھا رہ۔ اور اگر تجھے کوئی پریشانی لاحق ہو تو یوں نہ کہہ 'اگر میں یہ کر لیتا تو یوں ہو جاتا۔ بلکہ یوں کہہ یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے' اس نے جو چاہا سو کیا۔ اس لیے کہ "اگر" کہنا شیطانی عمل دخل کا سبب بنتا ہے۔"[1]

مسائل

① اس باب میں سورۂ آل عمران کی مندرجہ بالا دو آیات (۱۵۴ اور ۱۶۸) کی تفسیر ہے جن میں "اگر" کہنے والے منافقین کا تذکرہ ہے۔
② نیز معلوم ہوا کہ نقصان ہونے پر اگر مگر کہنا منع ہے۔
③ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ "اگر" کہنے سے شیطانی عمل دخل کا دروازہ کھلتا ہے۔
④ نیز اس مذکورہ حدیث میں اچھی گفتگو کی رہنمائی کی گئی ہے۔
⑤ اور مفید چیز کے حصول کی ترغیب اور اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے کی تلقین بھی کی گئی ہے۔
⑥ نیز اس حدیث میں عاجز، کاہل، اور سست ہو کر بیٹھ رہنے کی ممانعت بھی ہے۔

---

[1] کسی گزشتہ کام کے بارے میں اظہار حسرت و افسوس کے لیے "اگر" اور "کاش" جیسے الفاظ استعمال کرنا حرام ہے۔ البتہ زمانہ مستقبل میں ہونے والے خیر و بھلائی کے کسی کام کے لیے، رحمت الٰہی کی امید رکھتے ہوئے، "اگر" کا لفظ بولنا جائز ہے اور اگر مستقبل میں ہونے والے کسی کام پر اپنے تکبر و غرور کا اظہار کرتے ہوئے "اگر" کا لفظ کہا جائے تو ہرگز جائز نہیں۔ یہ تو گویا تقدیر الٰہی کو چیلنج ہے۔

باب : ۵۷

ہوا اور آندھی کو گالی دینے اور برا بھلا کہنے کی ممانعت ①

اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہوا کو گالی نہ دو جب تم ناپسندیدہ (ہوا) دیکھو تو یہ دعا پڑھو:

«اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذِهِ الرِّيحِ وَخَيْرِ مَا فِيهَا وَخَيْرِ مَا أُمِرَتْ بِهِ، وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ هٰذِهِ الرِّيحِ وَشَرِّ مَا فِيهَا وَشَرِّ مَا أُمِرَتْ بِهِ»(جامع الترمذي، الفتن، باب ما جاء في النهي عن سب الرياح، ح:٢٢٥٢)

"اے اللہ! ہم تجھ سے اس ہوا اور جو اس میں ہے اور جس کا اسے حکم دیا گیا ہے' اس کی بہتری اور بھلائی کا سوال کرتے ہیں اور (اے اللہ!) ہم اس ہوا کے شر اور جو اس کے اندر شر ہے اور جس شر کا اسے حکم دیا گیا ہے' اس سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔" ②

مسائل

① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہوا کو گالی دینا یا برا بھلا کہنا منع ہے۔

---

① ہوا اور آندھی کو گالی دینا یا برا بھلا کہنا' زمانے کو برا بھلا کہنے کی مانند ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچانے کے مترادف ہے کیونکہ ہوائیں اور آندھیاں اسی کے حکم سے چلتی ہیں۔ البتہ یوں کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ ہوا تیز ہے' ہوا ٹھنڈی ہے' ہوا گرم ہے وغیرہ۔

② یہ حدیث دلیل ہے کہ ہواؤں پر تصرف اللہ تعالیٰ کا ہے اور یہ اسی کے حکم کی تابع ہیں۔ وہ انہیں جیسے اور جدھر چاہے چلاتا ہے اور جدھر چاہے موڑ دیتا ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی کہ جب ناپسند ہوا (آندھی) دیکھو تو یہ دعا (مذکورہ بالا) پڑھا کرو۔

② اس میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جب انسان کو کوئی ناپسندیدہ اور ناخوش گوار چیز نظر آئے تو مفید چیز کی دعا کرنی چاہیے۔

③ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہوا ازخود نہیں چلتی بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے چلتی ہے اور اسی کی پابند ہے۔

④ نیز ہوا کو کبھی بھلائی کا اور کبھی نقصان کا حکم بھی ہوتا ہے۔

باب : ۵۸

اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کے متعلق بد گمانی کرنے کی ممانعت (۱)

ارشاد الٰہی ہے:

﴿ يَظُنُّونَ بِٱللَّهِ غَيْرَ ٱلْحَقِّ ظَنَّ ٱلْجَٰهِلِيَّةِ ۖ يَقُولُونَ هَل لَّنَا مِنَ ٱلْأَمْرِ مِن شَىْءٍ ۗ قُلْ إِنَّ ٱلْأَمْرَ كُلَّهُۥ لِلَّهِ ۗ يُخْفُونَ فِىٓ أَنفُسِهِم مَّا لَا يُبْدُونَ لَكَ ۖ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ ٱلْأَمْرِ شَىْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَٰهُنَا ۗ قُل لَّوْ كُنتُمْ فِى بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ ٱلَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ ٱلْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ ۖ وَلِيَبْتَلِىَ ٱللَّهُ مَا فِى صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِى قُلُوبِكُمْ ۗ وَٱللَّهُ عَلِيمٌۢ بِذَاتِ ٱلصُّدُورِ ﴿١٥٤﴾ ﴾ (آل عمران۳/ ۱۵۴)

"یہ (منافقین) اللہ کے بارے میں (ایام) جاہلیت کے سے ناحق گمان کرتے ہیں' کہتے ہیں کہ (اس امر میں) ہمیں بھی کچھ اختیار ہے؟ آپ فرمادیں کہ (ان امور میں کسی کا کچھ حصہ نہیں) سارے اختیارات اللہ کے قبضہ میں ہیں۔ یہ لوگ اپنے دلوں میں (بہت سی باتیں) مخفی رکھتے ہیں جو آپ پر ظاہر نہیں کرتے' کہتے ہیں کہ اگر ہمارے بس میں ہوتا تو ہم یہاں مارے نہ جاتے۔ آپ ان سے کہہ دیں کہ اگر تم اپنے گھروں

---

(۱) ربوبیت اور اسماء و صفات میں اللہ تعالیٰ کی یہ بھی عظمت ہے کہ وہ کوئی کام' حکمت بالغہ کے بغیر نہیں کرتا۔ اس لیے واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اچھا گمان رکھا جائے۔ اس کی کمال حکمت' رحمت اور عدل کا یہ بھی تقاضا ہے کہ کفار کی مانند اس کے بارے میں کوئی بد گمانی نہ کی جائے۔ یہ توحید کے منافی ہے۔ شرک کرنے کے ساتھ ساتھ کفار یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے افعال درست نہیں۔ ان کے اس عقیدہ میں اللہ تعالیٰ کی حکمت اور تقدیر کا انکار ہے۔ کفار کے ان عقائد کو بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کی ہے۔

میں بھی ہوتے تو جن کی موت لکھی تھی، وہ ضرور اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل آتے اور (یہ سارا ماجرا) اس لیے (پیش آیا) کہ اللہ تمہارے سینوں کی بات کو آزمائے اور تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے، اسے خالص کر دے اور نکھار دے۔ یقیناً اللہ دلوں کا حال خوب جانتا ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿ ٱلظَّآنِّينَ بِٱللَّهِ ظَنَّ ٱلسَّوْءِ ۚ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ ٱلسَّوْءِ ﴾ (الفتح ٤٨/ ٦)

"جو لوگ اللہ کے بارے میں برے گمان رکھتے ہیں، برائی کا وبال انہی پر پڑے گا۔"

امام ابن القیم رحمہ اللہ اول الذکر آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس آیت میں لوگوں کے جس جاہلانہ ناحق گمان کا ذکر ہے، وہ یہ ہے کہ وہ لوگ گمان کرنے لگے تھے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے رسول کی مدد نہیں کرے گا اور اس کی دعوت اور مشن جلد ہی ختم ہو جائے گا۔ اور اس کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ وہ گمان کرنے لگے تھے کہ مسلمانوں پر جو مصیبت آئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور حکمت سے نہیں تھی۔ گویا وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی حکمت، تقدیر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کا انکار کرنے اور سمجھنے لگے تھے کہ یہ دین باقی ادیان پر غالب نہیں آئے گا۔

منافقین اور مشرکین کا یہی وہ غلط گمان ہے جس کا ذکر سورۃ الفتح کی آیت میں ہوا ہے۔

﴿ ٱلظَّآنِّينَ بِٱللَّهِ ظَنَّ ٱلسَّوْءِ ۚ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ ٱلسَّوْءِ ﴾ (الفتح ٤٨/ ٦)

"جو لوگ اللہ کے بارے میں غلط گمان رکھتے ہیں، اس کا وبال انہی پر آئے گا۔"

کیونکہ ایسا گمان اللہ تعالیٰ کی شان، مرتبہ، اس کی حکمت، تعریف و بزرگی اور سچے وعدہ کے خلاف ہے۔ پس جو شخص سمجھے کہ اللہ تعالیٰ باطل کو حق پر ہمیشہ غالب رکھے گا اور اس کے نتیجہ میں حق مٹ جائے گا، یا جو شخص یہ سمجھے کہ فلاں فیصلہ اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے نہیں ہوا، یا جو انسان یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر، حکمت تامہ پر مبنی اور قابل تعریف نہیں بلکہ یہ محض مشیت ہے تو ایسا عقیدہ رکھنے اور ایسی باتیں کرنے والے کافر ہیں، ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے۔ بہت سے لوگ اپنے اور دوسروں سے متعلقہ کاموں

میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوء ظن رکھتے ہیں۔ اس بدگمانی سے وہی لوگ محفوظ رہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات' اس کے اسماء و صفات اور اس کی حکمت و تعریف کے اسباب کو پہچانتے ہیں۔ پس جو عقل مند شخص اپنی بھلائی چاہتا ہے اسے چاہیے کہ مذکورہ بالا امور کا خیال رکھے اور اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی بدگمانی اور بدظنی کی معذرت پیش کر کے توبہ و استغفار کرے۔

اگر آپ غور کریں تو پتہ چلے گا کہ اکثر لوگ تقدیر کے شاکی اور راہ اعتدال سے ہٹے ہوئے ہیں۔ وہ تقدیر کا شکوہ کرتے نظر آتے ہیں کہ فلاں کام یوں ہونا چاہیۓ تھا اور فلاں یوں۔ کسی شخص میں یہ نقص تھوڑا ہے اور کسی میں زیادہ۔ آپ بھی اپنا جائزہ لیں کہ آپ کی کیا صورت حال ہے؟ کیا آپ ایسی بدگمانی سے بچے ہوئے ہیں؟

فَإِنْ تَنْجُ مِنْهَا تَنْجُ مِنْ ذِي عَظِيْمَةٍ
وَإِلاَّ فَإِنِّي لاَ إِخَالُكَ نَاجِيًا

''اگر آپ اس سے بچے ہوئے ہیں تو آپ ایک بہت بڑی مصیبت سے نجات پا چکے ہیں۔ وگرنہ میں نہیں سمجھتا کہ آپ کے لیے کوئی راہِ نجات ہو۔''[1]

مسائل

① اس باب سے سورۂ آل عمران کی آیت ۱۵۴ کی تفسیر ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدگمانی رکھنے والوں کا تذکرہ ہے۔

[1] اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ لوگ عام طور پر اللہ تعالیٰ کے مقام و مرتبہ سے واقف ہی نہیں۔ اور بہت سے لوگ ایسی بدگمانی سے بظاہر محفوظ ہوتے ہیں مگر مخفی طور پر ان کے دلوں میں بھی بدگمانیاں اور بدعقیدگی پائی جاتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ مومن اپنے دل کو اللہ کے بارے میں ہر قسم کی بدگمانی سے صاف رکھے اور اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات اور کائنات میں ان کے اثرات پر غور و فکر کرتا رہے تاکہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ عقیدہ راسخ رہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات' حق ہے اور اس کا ہر فعل اور فیصلہ برحق ہے اگرچہ بڑی سے بڑی مصیبت ہی کیوں نہ آپہنچے۔

(۲) سورۃ الفتح کی آیت ۶ کی تفسیر بھی معلوم ہوئی کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدگمانی رکھتے ہیں' اس کا وبال انہی پر پڑے گا۔

(۳) بدگمانی کی صورتیں بے شمار ہیں۔

(۴) اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدگمانی سے وہی محفوظ رہ سکتا ہے جو اس کے اسماء و صفات کی حقیقت پہچاننے اور جاننے کے ساتھ ساتھ معرفت نفس سے بھی بہرہ مند ہو۔

باب : ۵۹

منکرین تقدیر کا بیان [1]

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں عبداللہ بن عمر کی جان ہے! اگر کسی کے پاس احد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو اور وہ اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دے، تو اس کا یہ عمل اللہ کے ہاں اس وقت تک قبول نہ ہو گا جب تک کہ وہ تقدیر پر ایمان نہ لائے، پھر انہوں نے اپنی اس بات پر بطور دلیل، نبی ﷺ کا یہ ارشاد پیش کیا:

«اَلإِيمَانُ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ وَمَلاَئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ، وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان الإيمان والإسلام والإحسان، ح:٨)

"ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں،

---

[1] تقدیر: تقدیر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کے متعلق پہلے سے مکمل علم ہے، اس نے وہ سب کچھ اپنے ہاں "لوح محفوظ" میں لکھ رکھا ہے اور ہر امر میں اس کی مشیت ہی کارگر ہوتی ہے۔ وہی ہر چیز کا اور ہر چیز کے تمام اوصاف کا خالق ہے حتیٰ کہ وہی اپنے بندوں کے افعال کا خالق بھی ہے۔

جیسا کہ اس نے فرمایا:

"اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ" (الرعد، ١٦) "اللہ تعالیٰ ہر شے کا خالق ہے۔" یعنی بندوں کا بھی اور ان کے افعال کا بھی۔

جب تک تقدیر پر ایمان کا زبان سے اقرار اور اسے دلی طور پر تسلیم نہ کیا جائے، اس وقت تک تقدیر پر ایمان مکمل نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ کے علم اور لوح محفوظ میں اس کی تحریر کا انکار کرنا کفر ہے۔ تقدیر کی بعض صورتیں ایسی ہیں جن کا انکار کفر سے کم درجے کا ہے اور اشیاء کے متعلق اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی تخلیق کا انکار بدعت اور توحید کے منافی ہے۔

قیامت کے دن اور تقدیر کی بھلائی اور برائی پر ایمان لائے۔ [1]

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سے فرمایا: بیٹا! تو اس وقت تک لذت ایمان سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا جب تک یہ یقین نہ کر لے کہ جو (تکلیف) تجھے پہنچنے والی ہے وہ تجھ سے کبھی ٹل نہیں سکتی اور جو نہیں پہنچی، وہ کبھی تم تک پہنچ نہیں سکتی۔ [2] میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللهُ الْقَلَمُ، فَقَالَ لَهُ: اكْتُبْ، فَقَالَ: رَبِّ! وَمَاذَا أَكْتُبُ؟ قَالَ: اكْتُبْ مَقَادِيرَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ»

"اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا اور اسے لکھنے کا حکم دیا۔ اس نے کہا: اے میرے رب! کیا لکھوں؟ اللہ نے فرمایا: قیامت تک آنے والی ہر چیز کی تقدیر لکھ دے۔"

بیٹا! میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا:

«مَنْ مَّاتَ عَلٰى غَيْرِ هٰذَا فَلَيْسَ مِنِّي»(سنن أبي داود، السنة، باب في القدر، ح: ٤٧٠٠)

---

[1] ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ بات اس لیے کہی، کہ اللہ تعالیٰ صرف مسلمان شخص کے اعمال صالحہ کو قبول کرتا ہے اور جس شخص کا تقدیر پر ایمان نہ ہو بلکہ وہ تقدیر کا منکر ہو تو وہ مسلمان ہی نہیں، اس لیے اس کا کوئی بھی عمل درجہ قبولیت نہیں پاسکتا خواہ وہ احد پہاڑ کے برابر سونا ہی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیوں نہ کر دے۔

یاد رہے! تقدیر کی بھلائی اور برائی کا تعلق انسان کے ساتھ ہے۔ ورنہ تقدیر تو اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور اللہ تعالیٰ کے تمام افعال خیر ہی پر مبنی ہوتے ہیں کیونکہ ان میں اس کی عظیم حکمت کار فرما ہوتی ہے۔

[2] اس لیے کہ تقدیر میں یہ سب کچھ لکھا جاچکا ہے۔ تقدیر پر ایمان کا مفہوم یہ ہے کہ انسان یہ عقیدہ رکھے کہ وہ اعمال کو سرانجام دینے میں مجبور محض نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے آزادی دی گئی ہے۔ وہ اپنی مرضی اور اختیار سے اچھا یا برا جو کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ اسی لیے تو اسے نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر مجبور محض ہوتا تو حکم دینے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

جو شخص اس عقیدے کے علاوہ کسی دوسرے عقیدے پر مرا' وہ میری امت سے نہیں"۔

اور مسند احمد کی ایک روایت میں ہے:

«إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللهُ تَعَالَى الْقَلَمُ، فَقَالَ لَهُ: اكْتُبْ، فَجَرٰى فِي تِلْكَ السَّاعَةِ مَا هُوَ كَائِنٌ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ»(مسند أحمد: ٥/ ٣١٧)

"اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا اور اسے لکھنے کا حکم دیا' چنانچہ اس نے اسی وقت قیامت تک ہونے والی ہر بات لکھ دی۔"

اور ابن وہب کی ایک روایت میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ أَحْرَقَهُ اللهُ بِالنَّارِ»(أخرجه ابن وهب في "القدر" رقم(٢٦) وابن أبي عاصم في "كتاب السنة"، ح: ١١١ والآجري في "الشريعة": ١٨٦)

"جو شخص تقدیر کی بھلائی اور برائی پر ایمان نہ رکھے' اللہ اسے دوزخ میں جلائے گا۔"

ابن الدیلمی سے روایت ہے' کہتے ہیں کہ میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے کہا: میرے دل میں تقدیر کے بارے میں کچھ شبہات ہیں' آپ کوئی حدیث بیان فرمائیں' تاکہ اللہ تعالیٰ میرے دل سے ان شبہات کو ختم کر دے۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«لَوْ أَنْفَقْتَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَّا قَبِلَهُ اللهُ مِنْكَ حَتَّى تُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ، وَتَعْلَمَ مَا أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ، وَمَا أَخْطَأَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَكَ، وَلَوْ مُتَّ عَلٰى غَيْرِ هٰذَا لَكُنْتَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ»(سنن أبي داود، السنة، باب في القدر، ح: ٤٦٩٩ ومسند أحمد: ٥/ ١٨٢، ١٨٥، ١٨٩)

"اگر تم احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کر دو تو تمہارا یہ عمل اس وقت تک قبول نہ ہو گا جب تک کہ تم تقدیر پر ایمان نہ لاؤ اور ساتھ یہ یقین نہ رکھو کہ جو تکلیف تمہیں پہنچنے والی ہے' وہ تم سے ٹل نہیں سکتی اور جو مصیبت آنے والی نہیں وہ کبھی

تم تک پہنچ نہیں سکتی۔ اگر تمہارا عقیدہ اس کے خلاف ہوا اور تم اسی طرح مر گئے تو تم جہنمیوں میں سے ہو گے۔"

ابن دیلمی کہتے ہیں: "میں اس کے بعد عبداللہ بن مسعود، حذیفہ بن یمان اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کے پاس گیا (اور ان کو اپنے شبہات سے آگاہ کیا) تو انہوں نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی حدیث سنائی۔"

مسائل

① اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ تقدیر پر ایمان لانا فرض ہے۔
② تقدیر پر ایمان لانے کی صورت اور کیفیت بھی واضح ہوئی۔
③ تقدیر پر ایمان نہ لانے والے کے تمام اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔
④ تقدیر پر ایمان لانے کے بغیر لذت ایمان سے لطف اندوز نہیں ہوا جا سکتا۔
⑤ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا۔
⑥ تو قلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسی وقت قیامت تک ہونے والے تمام امور لکھ ڈالے۔
⑦ تقدیر پر ایمان نہ لانے والوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے زاری اور لاتعلقی کا اظہار فرمایا ہے۔
⑧ نیز سلف صالحین شبہات پیدا ہونے کی صورت میں اہل علم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی تشفی کیا کرتے تھے۔
⑨ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس (ابن الدیلمی) کے شبہات کے ازالہ کے لیے جواب دیا اور اپنے دلائل کو براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا۔

باب : ٦٠

تصویر کشی کرنے والوں کا حکم ①

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«قَالَ اللهُ تَعَالٰی: وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ كَخَلْقِي فَلْيَخْلُقُوا ذَرَّةً، أَوْ لِيَخْلُقُوا حَبَّةً، أَوْ لِيَخْلُقُوا شَعِيرَةً»(صحيح البخاري، اللباس، باب نقض الصور، ح:٥٩٥٣، ٧٥٥٩ وصحيح مسلم، اللباس، باب تحريم تصوير صورة الحيوان . . . ، ح:٢١١١)

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اس سے بڑا ظالم کون ہو گا جو میری تخلیق جیسی تخلیق کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسے لوگ ایک ذرہ، ایک دانہ یا ایک جَو ہی بنا کر دکھلائیں۔“ ②

---

① ہاتھ سے کسی چیز کی اصل صورت جیسی شکل بنانے والے کو مصور (پینٹر) یا عکاس (فوٹو گرافر) اور اس پیشہ کو مصوری (پینٹنگ) یا عکاسی (فوٹو گرافی) کہتے ہیں۔ کسی جاندار کی تصویر بنانا دو وجہ سے حرام ہے۔
ایک تو اس لیے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے مشابہت ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے وہ چیز بنائی، مصور یا عکاس بھی اس جیسی چیز بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ دوسرے، یہ کہ تصویر اور مجسمہ سازی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کا سبب اور ذریعہ بھی بنتی ہے۔ بہت سے مشرکین تصاویر اور مجسموں کی وجہ سے شرک میں مبتلا ہوئے۔ اسی لیے توحید کا تقاضا یہ ہے کہ تصاویر کو باقی نہ رہنے دیا جائے۔
② تصویر سازی اور تصویر کشی کا عمل گویا اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ مصور، اللہ تعالیٰ کی تخلیق جیسی تخلیق کرنا چاہتا ہے جبکہ درحقیقت، اللہ تعالیٰ کی تخلیق جیسی تخلیق کوئی کر ہی نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ مصور کا یہ عمل اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے مشابہ بنانے کے مترادف ہے۔ اسی لیے وہ مخلوق میں سب سے بڑا ظالم ہے۔
تصویر کشی (فوٹو گرافی) اور تصویر سازی کرنے والوں کو ان کی بے بسی اور بے کسی کا احساس اور شعور دلانے کے لیے اللہ تعالیٰ انہیں چیلنج کر رہا ہے کہ یہ لوگ اگر میری تخلیق جیسی تخلیق کرنے کی کوشش میں ہیں تو پھر ذرا ایک ذرہ، ایک دانہ یا ایک جو تو بنا کر دکھلائیں تاکہ انہیں اپنی قدرت واختیار کا اندازہ ہو سکے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ الَّذِينَ يُضَاهِئُونَ بِخَلْقِ اللهِ» (صحيح البخاري، اللباس، باب ما وطيء من التصاوير، ح: ٥٩٥٤ وصحيح مسلم، اللباس، تحريم تصوير صورة الحيوان. . .، ح: ٢١٠٧)

"قیامت کے دن سب سے سخت عذاب ان لوگوں کو ہو گا جو (چیزوں کو بنانے اور پیدا کرنے میں) اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی مشابہت کرتے ہیں۔"[1]

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

«كُلُّ مُصَوِّرٍ فِي النَّارِ يُجْعَلُ لَهُ بِكُلِّ صُورَةٍ صَوَّرَهَا نَفْسٌ يُعَذَّبُ بِهَا فِي جَهَنَّمَ» (صحيح البخاري، البيوع، باب بيع التصاوير التي ليس فيها روح . . .، ح: ٢٢٢٥، ٥٩٦٣، ٧٠٤٢ وصحيح مسلم، اللباس، باب تحريم تصوير صورة الحيوان. . .، ح: ٢١١٠)

"ہر مصور جہنم میں جائے گا۔ اس کی بنائی ہوئی ہر تصویر کے بدلے میں ایک جان بنائی جائے گی جس کے ذریعہ سے اس (مصور) کو جہنم میں عذاب دیا جائے گا۔"[2]

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ صَوَّرَ صُورَةً فِي الدُّنْيَا كُلِّفَ أَنْ يَنْفُخَ فِيهَا الرُّوحَ، وَلَيْسَ

---

[1] تصویر اور مجسمہ سازی میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے ساتھ مشابہت کی ایک صورت تو یہ ہے کہ مصور یا مجسمہ ساز اس ارادہ سے کوئی بت' مجسمہ یا تصویر بنائے کہ لوگ اس کی پوجا کریں۔ ایسا کرنا کفر ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مصور کوئی تصویر بنائے اور یہ سمجھے کہ میری بنائی ہوئی فلاں چیز کی تصویر اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیز سے زیادہ بہتر اور خوبصورت ہے۔ یہ بھی کفر ہے۔ ان دونوں صورتوں کے سوا باقی صورتوں میں ہاتھ سے تصویر یا مجسمہ بنانا ایسا کفر تو نہیں جس سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے البتہ کبیرہ گناہ ضرور ہے۔ ایسا کرنے والے پر لعنت اور اسے جہنم کی وعید ہے۔

[2] اس حدیث سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ جن احادیث میں تصاویر بنانے پر وعید آئی ہے' ان سے جان دار اور ذی روح کی تصویر بنانا مراد ہے۔

بِنَافِخٍ»(صحيح البخاري، اللباس، باب من صور صورة كلف يوم القيامة...، ح:٥٩٦٣ وصحيح مسلم، اللباس، باب تحريم تصوير صورة الحيوان ...، ح:٢١١٠)

"جس نے دنیا میں کوئی تصویر بنائی' اسے قیامت کے دن اس تصویر میں روح پھونکنے کا حکم دیا جائے گا مگر وہ اس میں روح ہرگز نہ پھونک سکے گا۔"[1]

ابوالھیاج اسدی کہتے ہیں علی رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا:

«أَلاَ أَبْعَثُكَ عَلٰى مَا بَعَثَنِي عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَنْ لاَ تَدَعْ صُورَةً إِلاَّ طَمَسْتَهَا، وَلاَ قَبْرًا مُّشْرِفًا إِلاَّ سَوَّيْتَهُ»(صحيح مسلم، الجنائز، باب الأمر بتسوية القبر، ح:٩٦٩)

"کیا میں تمہیں اس کام پر نہ بھیجوں جس پر رسول اللہ ﷺ نے مجھے بھیجا تھا۔ وہ یہ کہ تم کسی تصویر کو مٹائے بغیر اور کسی بلند قبر کو زمین کے برابر کیے بغیر نہ چھوڑنا"۔[2]

مسائل

(۱) مذکورہ احادیث میں تصویر بنانے والوں کے لیے شدید وعید بیان ہوئی ہے۔

(۲) اس وعید کا سبب اور قباحت و حرمت کی وجہ یہ ہے کہ یہ عمل' اللہ تعالیٰ کی جناب میں بہت بڑی بے ادبی اور گستاخی ہے۔ جیسا کہ حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اس سے بڑا ظالم کون ہو گا جو میری طرح پیدا کرنے اور بنانے کی کوشش کرتا ہے۔"

---

[1] روح پھونکنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ کوئی انسان نہ تو روح بنا سکتا ہے اور نہ کسی میں روح ڈال سکتا ہے۔

[2] چونکہ تصویر شرک کے اسباب میں سے ایک سبب ہے' اس لیے ان احادیث میں اس پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ پیش نظر حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے بلند قبر اور تصویر کو برابر حیثیت سے ذکر فرمایا ہے کیونکہ جس طرح بلند قبر شرک کا سبب بنتی ہے۔ اسی طرح تصویر بھی شرک کا سبب بنتی ہے۔ اسی لیے یہ حکم دیا کہ کوئی تصویر باقی رہنے دی جائے نہ کوئی بلند قبر۔

۳ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت اور مخلوق کی کمزوری اور ازحد عاجزی کا بھی بیان ہے کہ یہ لوگ ایک ذرہ' ایک دانہ یا ایک جو بھی بنانے پر قادر نہیں۔

۴ احادیث میں صراحت ہے کہ تصویر بنانے والوں کو سب سے سخت عذاب ہو گا۔

۵ وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ ہر تصویر کے بدلے ایک جان پیدا کرے گا جس کے ذریعے سے تصویر بنانے والے کو جہنم میں عذاب دیا جائے گا۔

۶ اور مصور کو اس کی بنائی ہوئی تصاویر میں روح پھونکنے کا حکم دیا جائے گا مگر وہ اس میں روح نہ پھونک سکے گا۔

۷ یہ بھی معلوم ہوا کہ تصویر جہاں بھی ہو اسے مٹا دینے کا حکم ہے۔

باب: ۶۱

کثرت سے قسم اٹھانا مذموم ہے۔ ①

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ ﴾ (المائدة: ٥/ ٨٩)

"اور تم اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔" یعنی جب قسم اٹھاؤ تو اسے پورا کرو۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

«اَلْحِلْفُ مَنْفَقَةٌ لِّلسِّلْعَةِ مَمْحَقَةٌ لِّلْكَسْبِ» (صحيح البخاري، البيوع، باب "يمحق الله الربوٰا ويربي الصدقٰت"، ح: ٢٠٨٧ وصحيح مسلم، المساقاة، باب النهي عن الحلف في البيع، ح: ١٦٠٦)

"قسم، اشیاء کی فروخت کا ذریعہ تو ہے مگر اس سے برکت اٹھ جاتی ہے۔" ②

سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ، وَلَا يُزَكِّيهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: أُشَيْمِطٌ زَانٍ، وَعَائِلٌ مُّسْتَكْبِرٌ، وَرَجُلٌ جَعَلَ اللهَ بِضَاعَتَهُ، لَا يَشْتَرِي إِلَّا بِيَمِينِهِ، وَلَا يَبِيعُ إِلَّا بِيَمِينِهِ» (معجم الكبير للطبراني، رقم: ٦١١١)

"تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جن سے (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ نہ تو بات کرے گا اور نہ انہیں (گناہوں سے) پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا:

---

① بہت زیادہ قسمیں اٹھانا توحید کے خلاف ہے۔ جس شخص کا عقیدۂ توحید پختہ اور راسخ ہو وہ قسم اٹھاتے وقت اللہ تعالیٰ کو درمیان میں نہیں لاتا۔ لغو قسم اگرچہ معاف ہے اور اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں تاہم مستحب یہ ہے کہ موحد آدمی اپنی زبان اور دل کو قسم کی کثرت سے محفوظ رکھے۔

② یہ گویا ایک قسم کی سزا ہے کیونکہ اشیاء کی فروخت میں قسمیں اٹھانا اور اللہ تعالیٰ کے نام کو درمیان میں لانا اس کی عظمت کے خلاف ہے۔

(۱) بوڑھا زانی۔ (۲) متکبر فقیر۔ (۳) اور وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کو اپنی تجارت کا سامان سمجھا ہوا ہے کہ اس کی قسم ہی سے خرید تا ہے اور اس کی قسم ہی سے بیچتا ہے۔"[1]

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«خَيْرُ أُمَّتِي قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ قَالَ عِمْرَانُ: فَلاَ أَدْرِي أَذَكَرَ بَعْدَ قَرْنِهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلاَثًا، ثُمَّ إِنَّ بَعْدَكُمْ قَوْمًا يَشْهَدُونَ وَلاَ يُسْتَشْهَدُونَ، وَيَخُونُونَ وَلاَ يُؤْتَمَنُونَ، وَيَنْذِرُونَ وَلاَ يُوفُونَ، وَيَظْهَرُ فِيهِمُ السِّمَنُ»(صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب فضائل أصحاب النبي ﷺ ومن صحب النبي ﷺ ....، ح: ٣٦٥٠ وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب فضل الصحابة ثم الذين يلونهم، ح: ٢٥٣٥)

"میری امت کا سب سے بہتر زمانہ، میرا زمانہ ہے۔ پھر وہ جو اس کے بعد ہو گا، پھر وہ جو اس کے بعد ہو گا۔" (حضرت عمران رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، مجھے یاد نہیں پڑتا کہ آپ نے اپنے زمانے کے بعد دو زمانوں کا ذکر کیا تھا، یا تین کا؟) پھر آپ نے فرمایا "پھر تمہارے بعد ایسے لوگ ہوں گے جو بلا طلب گواہی دیں گے، خائن ہوں گے، امانت دار نہیں ہوں گے، نذر مانیں گے تو پوری نہیں کریں گے اور ان میں موٹاپا ظاہر ہو گا۔"

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ يَجِيءُ قَوْمٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ أَحَدِهِمْ يَمِينَهُ، وَيَمِينُهُ شَهَادَتَهُ»(صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب فضائل أصحاب النبي ﷺ ومن صحب النبي...، ح: ٣٦٥١ وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب فضل الصحابة ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم، ح: ٢٥٣٣)

---

[1] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خرید و فروخت کے وقت بے جا اللہ کی قسمیں اٹھاتے رہنا کبیرہ گناہ ہے۔

"سب سے بہتر لوگ میرے زمانے کے ہیں' پھر وہ جو ان کے بعد ہوں گے' پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے' پھر ایسے لوگ آئیں گے جن کی گواہی' قسم پر اور ان کی قسم' گواہی پر سبقت لے جائے گی۔"

(یعنی وہ لوگ گواہی اور قسم کے بارے میں ازحد غیر محتاط ہوں گے اور وہ آناً فاناً بغیر سوچے سمجھے قسم اور گواہی کے لیے تیار ہو جائیں گے)

ابراھیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے بچپن میں ہمارے بزرگ گواہی اور عہد پر قائم رہنے کی تربیت کی خاطر ہمیں سزا دیا کرتے تھے۔ [1]

مسائل

① باب کے آغاز میں سورۂ مائدہ کی مذکورہ آیت کریمہ ۸۹ میں قسموں کی حفاظت اور انہیں پورا کرنے کا تاکیدی حکم ہے۔

② حدیث سے ثابت ہوا کہ قسم اشیاء کی فروخت کا ایک ذریعہ تو ہے مگر اس سے برکت ختم ہو جاتی ہے۔

③ دوسری حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص مال خریدتے اور بیچتے وقت خواہ مخواہ قسمیں اٹھائے اس کے لیے سخت وعید ہے۔

④ یہ تنبیہ بھی ہے کہ اگرچہ اسباب گناہ صغیرہ ہی کے ہوں مگر میلان کے سبب صغیرہ گناہ بھی کبیرہ بن جاتے ہیں۔

⑤ حدیث میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو قسم اٹھوائے بغیر' ازخود خواہ مخواہ قسمیں اٹھاتے ہیں۔

⑥ نبی ﷺ نے قرون ثلاثہ یا قرون اربعہ کی مدح فرمائی ہے اور ان کے بعد جو حالات پیدا ہونے والے تھے' آپ نے ان کی پیش گوئی بھی فرما دی۔

---

[1] یعنی اسلاف' اللہ تعالیٰ کی تعظیم دلوں میں راسخ کرنے کے لیے اپنی اولاد کی اس انداز سے تربیت کیا کرتے تھے۔

⑦ اور ان لوگوں کی مذمت بھی فرمائی جو گواہی طلب کیے بغیر گواہی دینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔

⑧ ابراھیم نخعی رحمہ اللہ کے اثر سے ثابت ہوا کہ امت کے اسلاف' اولاد کی اسلامی تربیت کی خاطر انہیں گواہی اور عہد پر قائم رکھنے کے لیے سزا دیا کرتے تھے۔

باب : ۶۲

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا ذمہ اور امان دینے کی ممانعت

ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَأَوْفُوا۟ بِعَهْدِ ٱللَّهِ إِذَا عَـٰهَدتُّمْ وَلَا تَنقُضُوا۟ ٱلْأَيْمَـٰنَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ ٱللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿٩١﴾ ﴾

(النحل ١٦/ ٩١)

"اور جب تم اللہ سے عہد (واثق) کرو تو اس کو پورا کرو اور قسمیں پختہ کرنے کے بعد ان کو مت توڑو، حالانکہ تم اللہ کو اپنے اوپر ضامن بنا چکے ہو، اللہ تمہارے تمام افعال سے باخبر ہے۔"①

بُرَیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی فوج یا دستے پر کسی کو امیر مقرر فرماتے تو اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور اپنے رفقائے سفر کے ساتھ حسن سلوک کی

---

① اس آیت مبارکہ میں عہد سے مراد قسم ہے اور پختہ کی ہوئی قسموں سے مراد لوگوں کے باہمی وہ عہد و پیمان ہیں جنہیں مضبوط کرنے کے لیے قسمیں کھائی گئی ہوں۔ لہٰذا حق باری تعالیٰ کی تعظیم کرتے ہوئے قسم اور باہمی عہد و پیمان کو پورا کرنا واجب ہے کیونکہ کسی کام پر قسم کھانے کا مطلب یہی ہے کہ انسان اس کام کو اللہ تعالیٰ کی خاطر پورا کرنے کی تاکید کر رہا ہے اور اسے اپنے ذمے لے رہا ہے۔ جب وہ اپنی قسم کے خلاف کرے گا یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے اس عہد کو توڑے گا تو گویا اس نے اللہ تعالیٰ کی تعظیم اس طرح نہیں کی جس طرح اسے کرنی چاہئے تھی کہ اس تعظیم کا پاس کرتے ہوئے قسم کھاتے وقت ہی اس بات سے ڈر جاتا کہ قسم کو پورا کرنے میں اللہ کا یہ واجبی حق ادا نہیں کر سکے گا۔

خصوصی طور پر وصیت کرتے اور فرماتے:

«أُغْزُوا بِسْمِ اللهِ فِي سَبِيلِ اللهِ، قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللهِ، اغْزُوا وَلاَ تَغُلُّوا، وَلاَ تَغْدِرُوا وَلاَ تَمْثُلُوا، وَلاَ تَقْتُلُوا وَلِيدًا، وَإِذَا لَقِيتَ عَدُوَّكَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَادْعُهُمْ إِلٰى ثَلٰثِ خِصَالٍ أَوْ خِلاَلٍ، فَأَيَّتُهُنَّ مَا أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ، وَكُفَّ عَنْهُمْ، ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الإِسْلاَمِ، فَإِنْ أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى التَّحَوُّلِ مِنْ دَارِهِمْ إِلٰى دَارِالْمُهَاجِرِينَ، وَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ إِنْ فَعَلُوا ذٰلِكَ فَلَهُمْ مَّا لِلْمُهَاجِرِينَ، وَعَلَيْهِمْ مَّا عَلَى الْمُهَاجِرِينَ فَإِنْ أَبَوْا أَنْ يَّتَحَوَّلُوا مِنْهَا فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ يَكُونُونَ كَأَعْرَابِ الْمُسْلِمِينَ، يَجْرِي عَلَيْهِمْ حُكْمُ اللهِ تَعَالٰى، وَلاَ يَكُونُ لَهُمْ فِي الْغَنِيمَةِ وَالْفَيْءِ شَيْءٌ، إِلاَّ أَنْ يُّجَاهِدُوا مَعَ الْمُسْلِمِينَ، فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَاسْأَلْهُمُ الْجِزْيَةَ، فَإِنْ هُمْ أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ، فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَاسْتَعِنْ بِاللهِ وَقَاتِلْهُمْ، وَإِذَا حَاصَرْتَ أَهْلَ حِصْنٍ فَأَرَادُوكَ أَنْ تَجْعَلَ لَهُمْ ذِمَّةَ اللهِ وَذِمَّةَ نَبِيِّهِ فَلاَ تَجْعَلْ لَهُمْ ذِمَّةَ اللهِ وَذِمَّةَ نَبِيِّهِ، وَلٰكِنِ اجْعَلْ لَهُمْ ذِمَّتَكَ وَذِمَّةَ أَصْحَابِكَ، فَإِنَّكُمْ أَنْ تُخْفِرُوا ذِمَمَكُمْ وَذِمَمَ أَصْحَابِكُمْ أَهْوَنُ مِنْ أَنْ تُخْفِرُوا ذِمَّةَ اللهِ وَذِمَّةَ نَبِيِّهِ، وَإِذَا حَاصَرْتَ أَهْلَ حِصْنٍ فَأَرَادُوكَ أَنْ تُنْزِلَهُمْ عَلٰى حُكْمِ اللهِ، فَلاَ تُنْزِلْهُمْ عَلٰى حُكْمِ اللهِ، وَلٰكِنْ أَنْزِلْهُمْ عَلٰى حُكْمِكَ، فَإِنَّكَ لاَ تَدْرِي أَتُصِيبُ فِيهِمْ حُكْمَ اللهِ أَمْ لاَ»(صحيح مسلم، الجهاد، باب تأمير الإمام الأمراء على البعوث ووصيته إياهم بآداب الغزو وغيرها، ح:١٧٣١)

"اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس کا نام لے کر لڑائی کرنا اور ہر اس شخص سے لڑنا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کا ارتکاب کرتا ہے۔ لڑائی کرنا اور خیانت نہ کرنا۔ بدعہدی نہ کرنا۔ مثلہ نہ کرنا (یعنی کسی مقتول کے اعضاء نہ کاٹنا) اور نہ بچوں کو قتل کرنا۔ جب مشرک دشمن

سے تمہارا سامنا ہو تو انہیں تین باتوں کی پیش کش کرنا' اگر وہ ان میں سے کوئی ایک بات بھی مان لیں تو منظور کر لینا اور جنگ سے رک جانا:

(۱) سب سے پہلے اسلام کی دعوت دینا' اگر وہ اسے قبول کر لیں تو اسے منظور کر لینا اور انہیں علاقۂ کفر سے علاقۂ مہاجرین کی طرف ہجرت کی دعوت دینا۔ اور انہیں بتانا کہ اگر وہ ہجرت کریں گے تو انہیں وہ سب حقوق حاصل ہوں گے جو مہاجرین کو حاصل ہیں اور جو بار مہاجرین کو برداشت کرنا پڑتا ہے انہیں بھی برداشت کرنا ہو گا۔ اور اگر وہ ہجرت کرنے سے انکار کریں تو پھر انہیں بتا دینا کہ وہ ان بدوی مسلمانوں کی طرح ہوں گے جن پر اللہ کا حکم جاری ہے' انہیں مال غنیمت یا مال فے سے کوئی حصہ نہیں ملے گا' الآیہ کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہوں۔

(۲) اور اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیں تو پھر ان سے جزیہ طلب کرنا' اگر وہ جزیہ دینے پر راضی ہو جائیں تو قبول کر لینا اور جنگ سے رک جانا۔

(۳) اگر وہ جزیہ دینے سے بھی انکار کر دیں تو اللہ تعالیٰ سے مدد مانگ کر ان سے لڑائی کرنا۔ اور جب تم قلعہ بند دشمن کا محاصرہ کرو اور دشمن چاہیں کہ تم انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی امان اور تحفظ دے دو تو ایسا ہرگز نہ کرنا بلکہ اپنی اور اپنے ساتھیوں کی طرف سے امان اور تحفظ دینا' اس لیے کہ اگر تم (کسی صورت میں) اپنا یا اپنے ساتھیوں کا ذمہ (ضمانت) توڑ دو تو یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ذمہ کو توڑنے سے کم تر ہو گا اور جب تم قلعہ میں بند کسی دشمن کا محاصرہ کرو اور وہ چاہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری پر اس سے صلح کر لو تو ایسا ہرگز نہ کرنا بلکہ تم اپنی ذمہ داری پر اس سے صلح کرنا کیونکہ معلوم نہیں تم ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی مرضی اور فیصلہ کو پا سکو یا نہیں؟''[1]

---

[1] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی عظمت پیش نظر رکھنی چاہیے۔ کوئی شخص لوگوں کو اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول کی طرف سے امان اور تحفظ نہ دے بلکہ اپنی طرف سے امان اور تحفظ دینا چاہیے۔

مسائل

① اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ' اس کے رسول ﷺ اور مسلمانوں کے ذمہ و امان میں واضح فرق ہے۔

② حدیث میں یہ ہدایت بھی ہے کہ جب کہیں دو مختلف صورتیں درپیش ہوں تو ان میں سے جو صورت آسان تر' بہتر اور جس میں نقصان کم از کم ہو اسے اختیار کر لینا چاہیے۔

③ یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اللہ تعالیٰ کا نام لے کر جہاد کیا جائے۔

④ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کا مرتکب ہو اس سے قتال کیا جائے۔

⑤ نیز کفار سے جہاد اور قتال میں بھی اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنی چاہیے۔

⑥ اہل علم اور اللہ تعالیٰ کے فیصلوں میں نمایاں فرق ہے۔ اہل علم کا فیصلہ غلط ہو سکتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کا کوئی فیصلہ غلط نہیں ہو سکتا۔

⑦ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ بوقت ضرورت' صحابی کوئی فیصلہ کرے تو کوئی بھی حتمی طور پر نہیں جانتا کہ اس کا یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہے یا نہیں۔

اہل توحید اور علوم دینیہ کے طلبہ جو دین کے حوالہ سے شہرت رکھتے ہیں انہیں خاص طور پر ان باتوں کا خیال رکھنا چاہیے' ان سے کوئی ایسا لفظ یا بات یا فعل سرزد نہیں ہونا چاہیے جو ان کے مقام و مرتبہ کے منافی ہو۔ کیونکہ فتنوں سے بھرپور موجودہ زمانہ میں لوگ اہل علم' اصحاب دین اور حاملین توحید و کتاب و سنت پر خاص نظر رکھتے ہیں۔ اس لیے لوگوں کے ساتھ معاملات' تعلقات اور میل جول میں ایسا انداز اپنانا چاہیے جس سے ظاہر ہو کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی خوب تعظیم بجالاتے ہیں۔

انہیں دیکھ کر دوسرے لوگ بھی احتیاط کریں گے اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم کماحقہ بجالائیں گے۔

قسم اٹھانے' گواہی دینے اور لوگوں کے ساتھ عمومی معاملات میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ معمولی سی بے احتیاطی اور بدمعاملگی' اہل علم و دین کے لیے مضر ثابت ہو سکتی ہے۔

باب : ۶۳

ازراہ غرور و تکبر اللہ تعالیٰ کی قسم کھانے کا انجام ①

جندب بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«قَالَ رَجُلٌ: وَاللهِ لاَ يَغْفِرُ اللهُ لِفُلاَنٍ فَقَالَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ مَنْ ذَا الَّذِي يَتَأَلَّى عَلَيَّ أَنْ لاَ أَغْفِرَ لِفُلاَنٍ، فَإِنِّي قَدْ غَفَرْتُ لَهُ وَأَحْبَطْتُ عَمَلَكَ»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب النهي عن تقنيط الإنسان من رحمة الله، ح: ٢٦٢١)

"ایک آدمی نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! اللہ تعالیٰ فلاں شخص کی مغفرت نہیں کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ کون ہوتا ہے جو میری قسم کھا رہا ہے کہ میں فلاں کی مغفرت نہیں کروں گا۔ میں نے اس کی مغفرت کر دی اور تیرے (یعنی قسم اٹھانے والے کے) اعمال ضائع کر دیے ہیں۔" ②

---

① تعلّی، تکبر اور غرور کے طور پر اللہ کی قسم کھانا، اللہ تعالیٰ پر کسی قسم کا حق ثابت کرنا اور یہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ وہی فیصلہ کرے گا جو میرا ہے، یہ سب توحید کے منافی ہے۔ لیکن اگر ازراہ عاجزی اور انکسار اللہ تعالیٰ پر قسم ڈالی جائے تو یہ جائز ہے، کیونکہ ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ پر حسن ظن کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے، آپ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کے بعض محبوب و مقبول بندے ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر قسم ڈالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا فرماتا ہے" (صحیح بخاری، الجهاد والسیر، باب قول اللّٰه عز و جل من المومنین رجال ......، ح:۲۸۰۶۔)

② یہ فلاں شخص، فاسق تھا اور قسم کھانے والا، عابد و زاہد۔ اس عابد و زاہد نے خود کو بڑا جانا اور یہ سمجھ بیٹھا کہ عرصۂ دراز اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گذار کر وہ اس مقام پر پہنچ چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال میں بھی اپنا حکم چلا سکتا ہے اور وہ جس چیز کی بھی تمنا و آرزو کرے اسے مل کر ہی رہے گی جبکہ یہ بات ⬅

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ یہ بات کہنے والا عابد و زاہد آدمی تھا۔
ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس نے یہ ایک ایسی بات کہہ دی جس نے اس کی دنیا اور آخرت کو تباہ کر کے رکھ دیا۔"[1]

مسائل

① اس بحث سے ثابت ہوا کہ غرورِ پارسائی کے طور پر اللہ تعالیٰ کی قسم کھانے کا انجام انتہائی خوفناک اور بھیانک ہے۔
② دوزخ انسان کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے کہ بسااوقات بظاہر کسی معمولی سی بات کی بنا پر انسان دوزخ میں جا پہنچتا ہے۔
③ اسی طرح جنت بھی انسان کے بالکل قریب ہے اور انسان بظاہر کسی معمولی اور چھوٹے سے عمل کی بنا پر جنت کا حق دار بن جاتا ہے۔
④ اس حدیث سے رسول اکرم ﷺ کے اس فرمان کی تائید ہوتی ہے:
«إِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ لاَ يُلْقِي لَهَا بَالاً . . . الخ»
"بسااوقات انسان کوئی ایسا کلمہ کہہ جاتا ہے کہ انسان کو تو اس کی سنگینی کا احساس نہیں ہوتا مگر اس سے اس کے سب اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔"
⑤ گزشتہ تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بسااوقات کسی کا انتہائی ناپسندیدہ قول یا فعل، کسی دوسرے کی مغفرت کا سبب بن جاتا ہے۔

← سراسر مقام عبودیت کے منافی ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس عابد شخص کا مواخذہ کیا اور فرمایا: کون ہے جو ازراہ تکبر و غرور میری قسم کھا رہا ہے کہ میں فلاں کو معاف نہیں کروں گا۔ میں نے اسے تو معاف کر دیا اور (اے تکبر و غرور اور پارسائی ظاہر کرنے والے عابد!) تیرے اعمال اکارت کر دیے۔
اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کماحقہ تعظیم نہ کرنے اور توحید کے خلاف اور منافی عمل کرنے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔
یاد رہے! لفظ "یَتَاَلّٰی" اِیلاء اور اَلِیَّۃ سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ازراہ تکبر و غرور قسم کھانا ہے۔

[1] (سنن ابی داود، الادب، باب فی النھی عن البغی، حدیث:۴۹۰۱، مسند احمد، ۲/۳۲۳)

باب : ۶۴

اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے سامنے سفارشی کے طور پر پیش کرنا گستاخی اور انتہائی حماقت ہے۔

جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک بدوی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر شکایت کی کہ یا رسول اللہ! جانیں تلف ہو گئیں' بچے بھوک سے بلکنے لگے اور مویشی مرنے لگے' آپ ہمارے لیے اپنے رب سے بارش کی دعا فرمائیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کو آپ کے پاس اور آپ کو اللہ تعالیٰ کے حضور سفارشی کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ آپ نے (اس کی بات سن کر) بار بار سبحان اللہ' سبحان اللہ پڑھا۔ آپ بدستور سبحان اللہ پڑھتے رہے' یہاں تک کہ اس کا اثر صحابہ کرام کے چہروں پر ظاہر ہونے لگا۔ پھر آپ نے فرمایا:

«وَيْحَكَ! أَتَدْرِي مَا اللهُ؟ إِنَّ شَأْنَ اللهِ أَعْظَمُ مِنْ ذٰلِكَ، إِنَّهُ لاَ يُسْتَشْفَعُ بِاللهِ عَلٰى أَحَدٍ»(سنن أبي داود، السنة، باب في الجهمية، ح:٤٧٢٦)

"تجھ پر افسوس! کیا تو جانتا ہے کہ اللہ کیا ہے؟ (یعنی اس کا کیا مقام اور کیا شان ہے؟) اللہ تعالیٰ کی شان اس سے کہیں بلند تر ہے۔ اسے کسی کے سامنے سفارشی کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا۔"[1]

---

[1] یعنی اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے سامنے بطور واسطہ اور وسیلہ پیش کرنا درست نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے کہیں بلند تر ہے جبکہ مخلوق' رب تعالیٰ کے سامنے وضیع و حقیر ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بدوی کی بات کو سن کر بار بار' سبحان اللہ' کہا کہ اللہ تعالیٰ ایسے امور و اوصاف سے بلکہ ہر شائبۂ نقص اور سوء ظن سے منزہ اور بالاتر ہے۔

مسائل

① اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے سامنے بطور سفارشی پیش کرنا توحید کے منافی اور اللہ تعالیٰ کے حق میں بے ادبی اور گستاخی ہے۔ اسی لئے جب بدوی نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ "ہم اللہ تعالیٰ کو آپ کی خدمت میں بطور سفارشی پیش کرتے ہیں۔" تو آپ نے اس بات پر ناگواری اور ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔

② بدوی کی بات سے آپ کے چہرہ مبارک کا رنگ اس قدر متغیر ہوا کہ اس کے اثرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے چہروں پر بھی ظاہر ہوئے۔

③ آپ نے اعرابی کی بات کے دوسرے حصے "کہ ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں بطور سفارشی پیش کرتے ہیں" پر نکیر نہیں فرمائی۔ گویا مخلوق کو تو اللہ تعالیٰ کے ہاں بطور سفارشی پیش کیا جاسکتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے سامنے نہیں۔

④ اس حدیث سے "سبحان اللہ" کے متعلق یہ وضاحت ہو گئی کہ بطور انکار و اظہارِ تعجب یہ کلمہ کہا جاسکتا ہے۔

⑤ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے بارش کی دعا کرایا کرتے تھے۔

باب: ٦٥

گلشن توحید کی حفاظت کے سلسلہ میں نبی اکرم ﷺ نے شرک کے تمام ذرائع اور راستوں کو مکمل طور پر بند کردیا

عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

«اِنْطَلَقْتُ فِي وَفْدِ بَنِي عَامِرٍ إِلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقُلْنَا: أَنْتَ سَيِّدُنَا فَقَالَ: السَّيِّدُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى قُلْنَا: وَأَفْضَلُنَا فَضْلاً، وَأَعْظَمُنَا طَوْلاً، فَقَالَ: قُولُوا بِقَوْلِكُمْ أَوْ بَعْضِ قَوْلِكُمْ وَلاَ يَسْتَجْرِيَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ»(سنن أبي داود، الأدب، باب في كراهية التمادح، ح:٤٨٠٦ ومسند أحمد:٤/ ٢٤، ٢٥)

"میں بنو عامر کے ایک وفد کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ہم نے کہا: آپ ہمارے "سید" ہیں۔ آپ نے فرمایا: "السید" تو صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ پھر ہم نے کہا: مقام و مرتبہ کے لحاظ سے آپ ہم سب سے برتر' افضل اور بہت زیادہ احسان کرنے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ اور اس قسم کی جائز و مناسب بات کہہ سکتے ہو۔ خیال رکھنا کہ کہیں شیطان تمہیں اپنے جال میں نہ پھنسا لے۔"[1]

---

[1] رسول اللہ ﷺ کا فرمان کہ "السید" اللہ تعالیٰ ہی ہے جبکہ آپ تمام اولادِ آدم کے سید و سردار ہیں' اس بات کی دلیل ہے کہ آپ نے گلشن توحید کی خوب حفاظت فرمائی اور شرک کے تمام تر ذرائع اور وسائل کو اچھی طرح مسدود کیا کیونکہ شرک کا ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ انسان کسی قابل قدر اور لائق تکریم ہستی کی مدح و ستائش کے لیے الفاظ میں غلو کرے اور حد سے تجاوز کر جائے۔

یاد رہے! کسی قابل قدر شخصیت کو' مخاطب کر کے اسے سید کہنا یا کسی کی سیادت کی نسبت ساری کائنات کی طرف کرنا منع ہے۔ اسی طرح کسی کو "السید" کہنا بھی درست نہیں کیونکہ اس کے معنی ←

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم سب سے بہتر و افضل! اور سب سے بہتر کے فرزند! اے ہمارے سردار! اور ہمارے سردار کے بیٹے! تو آپ نے فرمایا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ قُولُوا بِقَوْلِكُمْ، وَلاَ يَسْتَهْوِيَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ، أَنَا مُحَمَّدٌ عَبْدُاللهِ وَرَسُولُهُ، مَا أُحِبُّ أَنْ تَرْفَعُونِي فَوْقَ مَنْزِلَتِي الَّتِي أَنْزَلَنِي اللهُ عَزَّوَجَلَّ» (عمل اليوم والليلة للنسائي، ح:٢٤٨، ٢٤٩ ومسند أحمد: ٣/ ١٥٣، ٢٤١، ٢٤٩)

"اے لوگو! اس قسم کے الفاظ کہہ لیا کرو۔ خیال رکھنا کہ کہیں شیطان تمہیں بہکا نہ دے۔ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ تم مجھے میرے اس مقام و مرتبہ سے بڑھادو جو اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا ہے۔"[1]

← بھی ساری کائنات کے سردار کے ہیں' لہٰذا عموماً مشرکین اپنے بڑوں کی تعظیم کے لیے جو کلمہ "السید" بولتے ہیں' یہ شرعاً ناجائز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری مدح و تعریف میں جائز و مناسب کلمات کہہ سکتے ہو۔ اس لیے آپ کی بلکہ کسی بھی انسان کی تعظیم کے لیے ایسے الفاظ استعمال کرنا جن میں غلو ہو' درست نہیں کیونکہ اس سے مخاطب کے دل میں غرور پارسائی آسکتا ہے اور وہ اللہ کے حضور عجز و انکسار ترک کرکے اس کی توفیق خاص سے محروم ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اس سے از حد احتراز ضروری ہے۔

[1] ان لوگوں نے آپ کے جو اوصاف بیان کیے وہ واقعی آپ میں موجود تھے لیکن آپ نے شرک کے سدباب کے لیے فرمایا کہ میں محمد' اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں قطعاً یہ پسند نہیں کرتا کہ تم مجھے میرے اس مقام و مرتبہ سے بڑھاؤ جو اللہ عزوجل نے مجھے دے رکھا ہے اور یہ معاملہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ ہر قابل تعظیم ہستی کے بارے میں یہی حکم ہے کہ اس کی شان میں اس قدر غلو نہ کیا جائے کہ تعظیم کرنے والے اور اس ہستی کے درمیان شیطانی عمل دخل ہو جائے یعنی اس طرح سے تعظیم نہ کی جائے کہ انسان شرک کا مرتکب ہو بیٹھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا فرامین شرک کے تمام تر وسائل و ذرائع کو مسدود کرنے کے لیے گویا ایک جامع باب کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مسائل

① آپ نے امت کو غلو اور مبالغہ آمیزی سے موقع بموقع ڈرایا اور منع فرمایا ہے۔

② جب لوگ کسی کو "اپنا سردار" قرار دیں تو جواباً اسے کیا کہنا چاہیے؟ اسے مغرور و متکبر ہونے کی بجائے تنبیہ کرنی چاہیے کہ حقیقی سردار تو اللہ تعالیٰ ہے۔

③ موقع و محل کی مناسبت سے لوگوں کو مبالغہ آمیزی سے روکتے رہنا چاہیے۔ جیسا کہ لوگوں نے اگرچہ درست باتیں کی تھیں مگر اس کے باوجود آپ نے فرمایا: "کہیں شیطان تمہیں اپنے دام میں نہ پھانس لے۔"

④ آپ کے ارشاد:

«مَا أُحِبُّ أَنْ تَرْفَعُونِي فَوْقَ مَنْزِلَتِي»

"میں نہیں چاہتا کہ تم مجھے اللہ کے عطا کردہ میرے مرتبہ و مقام سے بڑھا دو"

سے معلوم ہوا کہ آپ کو اپنے حق میں غلو اور مبالغہ آمیزی سے حد درجہ نفرت تھی۔

باب : ٦٦

اللہ تعالیٰ کی عظمت اور رفعت شان کا بیان

ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِۦ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُۥ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَاوَاتُ مَطْوِيَّاتٌۢ بِيَمِينِهِۦ ۚ سُبْحَانَهُۥ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٦٧﴾ ﴾
(الزمر ٣٩/ ٦٧)

''اور انہوں نے کماحقہ اللہ کی قدر نہیں کی' قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور سارے آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوں گے۔ اللہ ان لوگوں کے شرک سے پاک اور بلند ہے۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' ایک یہودی عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا: ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہماری کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آسمانوں کو ایک انگلی پر' زمینوں کو ایک انگلی پر' درختوں کو ایک انگلی پر' پانی کو ایک انگلی پر' نمناک مٹی کو ایک انگلی پر اور باقی تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر رکھ کر فرمائے گا: میں ہی بادشاہ ہوں۔ آپ اس کی بات سن کر بطور تصدیق ہنس پڑے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں نمایاں ہو گئیں۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِۦ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُۥ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَاوَاتُ مَطْوِيَّاتٌۢ بِيَمِينِهِۦ ۚ سُبْحَانَهُۥ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٦٧﴾ ﴾
(الزمر ٣٩/ ٦٧)

''اور انہوں نے اللہ کی کماحقہ قدر نہیں کی' حالانکہ قیامت کے دن ساری زمین اس

کی مٹھی میں ہو گی اور سارے آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوں گے۔ "①

اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے (قیامت کے روز اللہ تعالیٰ) تمام پہاڑوں اور درختوں کو ایک انگلی پر (رکھے گا)' پھر (انگلیوں پر رکھی ہوئی) ان (تمام مخلوقات) کو ہلا ہلا کر کہے گا' "میں ہی بادشاہ ہوں اور میں ہی اللہ ہوں۔" ②

اور صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آسمانوں کو ایک انگلی پر' پانی اور نمناک مٹی کو ایک انگلی پر اور باقی ساری مخلوقات کو ایک انگلی پر رکھے گا۔" ③

اور صحیح مسلم میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَطْوِي اللهُ عَزَّوَجَلَّ السَّمَاوَاتِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ يَأْخُذُهُنَّ بِيَدِهِ الْيُمْنٰى، ثُمَّ يَقُولُ: أَنَا الْمَلِكُ، أَيْنَ الْجَبَّارُونَ؟ أَيْنَ الْمُتَكَبِّرُونَ؟ ثُمَّ يَطْوِي الأَرَضِينَ السَّبْعَ ثُمَّ يَأْخُذُهُنَّ بِشِمَالِهِ ثُمَّ يَقُولُ: أَنَا الْمَلِكُ أَيْنَ الْجَبَّارُونَ؟ أَيْنَ الْمُتَكَبِّرُونَ؟»(صحيح مسلم، صفات المنافقين وأحكامهم، باب صفة القيامة والجنة والنار، ح:٢٧٨٨)

"اللہ قیامت کے دن آسمانوں کو لپیٹ کر اپنے داہنے ہاتھ میں پکڑے گا اور فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں۔ کہاں ہیں جنہوں نے دنیا میں خود کو سرکش اور متکبر سمجھا؟ پھر ساتوں زمینوں کو لپیٹ کر اپنے بائیں ہاتھ میں لے لے گا اور فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں۔ کہاں ہیں جنہوں نے دنیا میں خود کو سرکش اور متکبر سمجھا؟"

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«مَا السَّمَاوَاتُ السَّبْعُ وَالأَرَضُونَ السَّبْعُ فِي كَفِّ الرَّحْمٰنِ إِلاَّ

---

① صحیح بخاری' التفسیر' باب قوله تعالٰی وما قدرو الله حق قدره' حدیث:٤٨١١ و صحیح مسلم' صفات المنافقين و احکامهم' باب صفة القيامة والجنة والنار۔ حدیث:٢٧٨٦

② صحیح مسلم' حواله مذکور۔

③ صحیح بخاری' حواله مذکور۔

كَخَرْدَلَةٍ فِي يَدِ أَحَدِكُمْ»(تفسير ابن جرير للطبري: ٢٤/ ٣٢)

"قیامت کے دن ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں اللہ تعالیٰ کی مٹھی میں ایسے ہوں گی جیسے تم میں سے کسی کے ہاتھ میں رائی کا دانہ۔"

امام ابن جریر رحمہ اللہ باسند روایت کرتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا السَّمَاوَاتُ السَّبْعُ فِي الْكُرْسِيِّ إِلاَّ كَدَرَاهِمَ سَبْعَةٍ أُلْقِيَتْ فِي تُرْسٍ قَالَ: وَقَالَ أَبُوذَرٍّ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: مَا الْكُرْسِيُّ فِي الْعَرْشِ إِلاَّ كَحَلْقَةٍ مِّنْ حَدِيدٍ أُلْقِيَتْ بَيْنَ ظَهْرَيْ فَلاَةٍ مِّنَ الأَرْضِ»

(تفسير ابن جرير للطبري، ح: ٤٥٢٢ والأسماء والصفات للبيهقي، ح: ٥١٠)

"اللہ تعالیٰ کی کرسی کے ساتھ سات آسمانوں کو یوں نسبت ہے جیسے سات درہم کسی ڈھال میں رکھے ہوں۔ اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: اللہ تعالیٰ کی کرسی اس کے عرش کے مقابلہ میں یوں ہے جیسے لوہے کا چھلا کسی وسیع و عریض میدان میں رکھا ہو۔"

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

«بَيْنَ السَّمَآءِ الدُّنْيَا وَالَّتِي تَلِيهَا خَمْسُمِائَةِ عَامٍ، وَبَيْنَ كُلِّ سَمَآءٍ وَسَمَآءٍ خَمْسُمِائَةِ عَامٍ، وَبَيْنَ السَّمَآءِ السَّابِعَةِ وَالْكُرْسِيِّ خَمْسُمِائَةِ عَامٍ، وَبَيْنَ الْكُرْسِيِّ وَالْمَآءِ خَمْسُمِائَةِ عَامٍ، وَالْعَرْشُ فَوْقَ الْمَاءِ، وَاللهُ فَوْقَ الْعَرْشِ لاَ يَخْفَى عَلَيْهِ شَيْءٌ مِّنْ أَعْمَالِكُمْ»(أخرجه الدارمي في الرد علي الجهمية، ح: ٢٦ وابن خزيمة في كتاب التوحيد، ح: ٥٩٤، والطبراني في المعجم الكبير، ح: ٨٩٨٧)

"آسمانِ دنیا سے دوسرے آسمان تک پانچ سو سال کی مسافت ہے اور ہر دو آسمانوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ اسی طرح ساتویں آسمان اور کرسی کے درمیان' کرسی اور پانی کے درمیان بھی پانچ پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ پانی کے اوپر اللہ تعالیٰ کا عرش ہے۔ اور اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر ہے۔ یاد رکھو! تمہارا کوئی بھی عمل

اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں۔

اس روایت کو ابن مہدی، حماد بن سلمہ سے، وہ عاصم سے، وہ زر سے اور وہ عبداللہ بن مسعود سے بیان کرتے ہیں۔ اور اسی طرح اسے مسعودی، عاصم سے، وہ ابو وائل سے اور وہ عبداللہ بن مسعود سے بیان کرتے ہیں۔

عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«هَلْ تَدْرُونَ كَمْ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالأَرْضِ؟ قُلْنَا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: بَيْنَهُمَا مَسِيرَةُ خَمْسِمِائَةِ سَنَةٍ، وَمِنْ كُلِّ سَمَآءٍ إِلٰى سَمَآءٍ مَّسِيرَةُ خَمْسِمِائَةِ سَنَةٍ، وَكَثِفُ كُلِّ سَمَآءٍ مَّسِيرَةُ خَمْسِمِائَةِ سَنَةٍ، وَبَيْنَ السَّمَآءِ السَّابِعَةِ وَالْعَرْشِ بَحْرٌ بَيْنَ أَسْفَلِهِ وَأَعْلَاهُ كَمَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَالأَرْضِ، وَاللهُ عَزَّوَجَلَّ فَوْقَ ذٰلِكَ، وَلَيْسَ يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ مِّنْ أَعْمَالِ بَنِي آدَمَ»(سنن أبي داود، السنة، باب في الجهمية، ح: ٤٧٢٣ ومسند أحمد: ١/٢٠٦، ٢٠٧)

”کیا تم جانتے ہو کہ زمین اور آسمان کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ”ان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے اور ہر آسمان سے دوسرے آسمان تک پانچ سو سال کی مسافت ہے اور ہر آسمان کی موٹائی پانچ سو سال کی مسافت کے برابر ہے۔ ساتویں آسمان اور عرش الٰہی کے درمیان ایک سمندر ہے۔ اس کے نیچے اور اوپر والے حصوں کے درمیان بھی اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا زمین اور آسمان کے درمیان ہے (یعنی پانچ سو سال کی مسافت) اور اللہ تعالیٰ اس کے اوپر ہے۔ بنی آدم کے اعمال میں سے کوئی عمل اس سے پوشیدہ اور مخفی نہیں۔““[1]

---

[1] دعوتِ توحید و سنت کے امام، شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے اپنی اس عظیم کتاب کو اس اہم اور عظیم باب پر ختم اور مکمل کیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے اوصاف حمیدہ کو صحیح معنوں میں سمجھ اور جان لیتا ہے وہ رب العزت کے ہاں انتہائی عجز و انکسار اور خضوع و تذلل کا ⬅

مسائل

① اس باب سے آیت کریمہ:
﴿ وَٱلْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُۥ ﴾ (الزمر ۳۹/ ٦٧)
کی تفسیر خوب واضح ہوئی۔
② گزشتہ بحث سے ثابت ہوا کہ تورات میں بہت سی صحیح باتیں نبی ﷺ کے زمانہ تک موجود و محفوظ تھیں۔ یہود نے نہ تو ان کا انکار کیا اور نہ ان کی کوئی تاویل کی۔

اظہار کرتا ہے۔ اس باب کے آغاز میں مذکورہ آیت مبارکہ میں اسی بات کو یوں بیان کیا گیا ہے:
﴿ وَمَا قَدَرُوا۟ ٱللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِۦ ﴾ (الزمر ۳۹/ ٦٧)
کہ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی کماحقہ، تعظیم نہیں کی۔ اگر کرتے تو کبھی اسے چھوڑ کر غیروں کی پرستش نہ کرتے۔ آپ ذرا اللہ رب العزت کی صفات میں غور و تدبر تو کریں کہ وہ کس قدر غلبہ و قدرت رکھنے والا، حکیم و دانا، صفات جلال سے متصف اور عرش پر مستوی ہے۔ اس وسیع و عریض کائنات میں اس کی فرماں روائی ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے اپنی بے بہا نعمتوں اور خصوصی رحمت سے نوازتا ہے اور جس سے چاہتا ہے مصائب و آلام ٹال دیتا ہے۔ انعام و فضل کا مولیٰ و والی وہی ہے...... آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ آسمانوں میں بھی اسی کی قدرت کاملہ کارفرما ہے اور فرشتے بھی اس کی بندگی میں مصروف اسی کی طرف جھکتے اور متوجہ ہوتے ہیں۔

اے انسان! ذرا سوچ تو سہی کہ اس قدر جلیل اور عظیم الشان بادشاہ حقیقی تجھ حقیر و وضیع سے مخاطب ہو کر تجھے اپنی عبادت کا حکم دے رہا ہے، اگر تجھے کچھ شعور ہو تو تیرا شرف اسی میں ہے۔ وہ تجھے اپنی اطاعت و فرمان برداری کا حکم دے رہا ہے۔ اگر تجھے کچھ سمجھ ہو تو اس میں تیری ہی عزت ہے۔ اگر تو اللہ تعالیٰ کے حق کو پہچان لے اور تجھے اس کی صفات عالیہ کا علم ہو جائے اور اس کی ذات و صفات کے علو کی معرفت حاصل ہو جائے تو تو اس کے روبرو عاجزی اور انکسار کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ تو اس کی اطاعت و فرمانبرداری کے لیے بے قرار اور اس کی محبوب چیزوں کے ذریعے سے اس کے تقرب کے لیے بے چین ہو گا۔ تو اس کے کلام کی تلاوت کرے گا تو تجھے یوں محسوس ہو گا جیسے تو اس سے مخاطب ہے۔ وہ تجھے حکم بھی کر رہا ہے اور کچھ چیزوں سے منع بھی کر رہا ہے، تب تیرے دل میں اس عالی قدر ذات کی توقیر اور تعظیم کچھ اور ہی ہو گی۔ لہٰذا دل میں ایمان اور رب العزت کی تعظیم راسخ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان، ارض و سماء میں موجود اس کی قدرت کے عجائب میں غور و فکر کرے کیونکہ یہ اس کا حکم ہے۔

③ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جب یہودی عالم نے ان باتوں کا ذکر کیا تو آپ نے اس کی تصدیق فرمائی اور قرآن مجید نے بھی اس کی تائید فرمائی۔

④ آپ کا مسکرانا اس یہودی عالم کی ان عظیم عالمانہ باتوں کی بنا پر تھا۔

⑤ اس باب میں مذکور حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے دو ہاتھوں کی تصریح ہے کہ قیامت کے دن تمام آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں اور زمینیں اس کے دوسرے ہاتھ میں ہوں گی۔

⑥ بلکہ حدیث میں اللہ تعالیٰ کے دوسرے ہاتھ کو بایاں کہنے کی صراحت بھی ہے۔

⑦ اللہ اس وقت انتہائی جلال کے ساتھ بڑے بڑے سرکش اور متکبرین کو پکارے گا۔

⑧ اور سارے آسمان اور زمینیں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں یوں ہوں گی جیسے کسی کے ہاتھ میں رائی کا دانہ۔

⑨ اللہ تعالیٰ کی کرسی آسمانوں کی نسبت بہت بڑی ہے۔

⑩ اور کرسی کی نسبت اللہ تعالیٰ کا عرش بہت ہی بڑا ہے۔

⑪ نیز اللہ تعالیٰ کا عرش، کرسی اور پانی سب علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔

⑫ ہر دو آسمانوں کا درمیانی فاصلہ پانچ سو سال کی مسافت کا ہے۔

⑬ ساتویں آسمان اور کرسی کے مابین بھی یہی مسافت ہے۔

⑭ کرسی اور پانی کے درمیان بھی اسی قدر فاصلہ ہے۔

⑮ اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر ہے۔

⑯ اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر ہے۔

⑰ نیز زمین اور آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔

⑱ اور ہر آسمان کی موٹائی بھی پانچ سو سال کی مسافت کے برابر ہے۔

⑲ اور آسمانوں کے اوپر والے سمندر کی تہ اور سطح کے درمیان بھی پانچ سو سال کی مسافت ہے۔

اللّٰہ سبحانہ و تعالٰی اعلم والحمد للّٰہ رب العالمین، وصلی اللّٰہ علٰی سیدنا محمد و علٰی آلہ و صحبہ اجمعین